الرّفیقُ الفصِیح
لمشکوٰۃ المَصَابِیح
جلد ۱۱
افادات
حضرت علّامہ رفیق احمد صاحب قدس سرہٗ
شیخ الحدیث مفتاح العلوم جلال آباد
مرتب
محمد فاروق غفرلہٗ
ڈیزائننگ و کمپوزنگ:
مجیب الرحمٰن قاسمی 7895786325

S.R.Waraq-11

الرفیق الفصیح

لمشکوٰۃ المصابیح

جلد ۱۱

افادات

حضرت علامہ رفیق احمد صاحب قدس سرہٗ

شیخ الحدیث مفتاح العلوم جلال آباد

مرتب

محمد فاروق غفرلہٗ

خادم جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ میرٹھ (یوپی) ۲۴۵۲۰۶

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔

تفصیلات

نام کتاب......الرفیق الفصیح لمشکوٰۃ المصابیح ج:۱۱
افادات........حضرت علامہ رفیق احمد صاحب قدس سرہٗ
مرتب........محمد فاروق غفرلہٗ خادم جامعہ محمودیہ میرٹھ
کمپوزنگ......مجیب الرحمن قاسمی لکھیم پوری شعبہ کمپیوٹر جامعہ ہذا
سن اشاعت......۱۴۳۵ھ مطابق ۲۰۱۴ء
صفحات......۴۹۴
قیمت

ناشر

مکتبہ محمودیہ

جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ میرٹھ (یو پی) ۲۴۵۲۰۶

S.R.Waraq-11

فہرست

الرفیق الفصیح

لمشکوٰۃ المصابیح

جلد: یازدہم

S.R.Waraq-11

اجمالی فہرست

الرفیق الفصیح لمشکوٰۃ المصابیح

جلد یازدہم

تم

الجزء الحادی عشر بحمد اللہ تعالیٰ واحسانہ

وتوفیقہ تعالیٰ وبمنہ وکرمہ ویلیہ الجزء الثانی عشر

اولہ باب تنزیہ الصوم ان شاء اللہ تعالیٰ

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت

التواب الرحیم بحرمۃ حبیبک سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ اجمعین الی یوم الدین

محمد فاروق غفر لہ

تفصیلی فہرست

الرفیق الفصیح لمشکوٰۃ المصابیح ۱۱

Jild-11

Jild-11

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
١٥٩	حدیث نمبر ﴿١٧٢٨﴾ صدقۂ فطر کی ترغیب	١٨٣
	باب من لا تحل له الصدقة	
١٦٠	**(وہ لوگ جن کے لئے صدقہ درست نہیں)**	١٨٧
١٦١	حدیث نمبر ﴿١٧٢٩﴾ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے صدقہ	١٨٨
١٦٢	حدیث نمبر ﴿١٧٣٠﴾ بنو ہاشم کے لئے زکوٰۃ	١٨٩
١٦٣	نسب نامہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم	١٩٠
١٦٤	فائدہ	١٩١
١٦٥	حرمت صدقہ میں بنو ہاشم کے ساتھ بنو المطلب بھی ہیں یا نہیں؟	١٩١
١٦٦	بنو ہاشم کا مصداق	١٩٣
١٦٧	ازواجِ مطہرات اس حکم میں داخل ہیں یا نہیں؟	١٩٣
١٦٨	فائدہ	١٩٥
١٦٩	حدیث نمبر ﴿١٧٣١﴾ سادات کے لئے صدقہ	١٩٥
١٧٠	حدیث نمبر ﴿١٧٣٢﴾ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہدیہ	١٩٧
١٧١	صدقہ اور ہدیہ کے درمیان فرق	١٩٨
١٧٢	حدیث نمبر ﴿١٧٣٣﴾ بریرہ کے واسطے سے شریعت کے تین احکام.........	١٩٨
١٧٣	حدیث نمبر ﴿١٧٣٤﴾ ہدیہ کا بدلہ	٢٠١
١٧٤	حدیث نمبر ﴿١٧٣٥﴾ معمولی چیز کی دعوت	٢٠١
١٧٥	حدیث نمبر ﴿١٧٣٦﴾ مسکین کی علامت	٢٠٢
	(الفصل الثانی)	
١٧٦	حدیث نمبر ﴿١٧٣٧﴾ بنو ہاشم کے موالی کے لئے زکوٰۃ	٢٠٤

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر

Jild-11

Jild-11

Jild-11

Jild-11

کتاب الزکوٰۃ

رقمِ الحدیث: ۱۶۸۰/تا ۱۷۰۱/

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا

وَسَیِّدِ الۡمُرۡسَلِیۡنَ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَحۡمَدُکَ وَاَسۡتَعِیۡنُکَ۔

کتاب الزکوٰۃ

(زکوٰۃ کا بیان)

ابحاث خمسہ مفیدہ

یہاں شروع میں چند چیزیں قابل ذکر ہیں:

(۱)......المناسبۃ بما قبلہ وترتیب الکتب۔ (۲)......المعنی اللغوی والشرعی۔

(۳)......بدء المشروعیۃ۔ (۴)......ہل تجب الزکوٰۃ علی الانبیاء۔

(۵)......مشروعیت زکوٰۃ کی حکمت، فہذہ خمسۃ ابحاث۔

بحث اول: مصنف علیہ الرحمۃ جب اسلام کے رکن ثانی یعنی صلوٰۃ سے فارغ ہو گئے تو اب رکن ثالث کو شروع کرتے ہیں، حدیث "بُنِیَ الۡاِسۡلَامُ عَلٰی خَمۡسٍ الخ" میں بھی یہی ترتیب ہے، شروع میں "شہادتین" پھر "صلوٰۃ" اس کے بعد "زکوٰۃ" اور قرآن کریم کی ترتیب بھی یہی ہے، اسی لئے اکثر فقہاء ومحدثین مصنفین نے ایسا ہی کیا ہے۔

قیاس کا تقاضہ تو یہ ہے کہ "صوم" مقدم ہو "زکوٰۃ" پر اسلئے کہ "صلوٰۃ" و "صوم" دونوں

عبادت بدنیہ ہیں، اور "زکوٰۃ" عبادت مالیہ ہے، نیز اصح قول کی بناپر "صوم" کی فرضیت مقدم ہے "زکوٰۃ" پر۔ کما سیأتی۔

لیکن تقدیم "زکوٰۃ" کی وجہ یہ ہے جیسا کہ اوپر گذرا کہ اکثر احادیث اور قرآن کریم کی ترتیب یہی ہے، حتی کہ قران کریم میں بتیس (۳۲) جگہ "صلوٰۃ" کے ساتھ "زکوٰۃ" کو ذکر کیا گیا ہے، جن میں آٹھ آیات سور مکیہ کی ہیں، اور باقی سور مدنیہ کی، درمختار میں لکھا ہے کہ "صلوٰۃ" و "زکوٰۃ" کا یہ اقتران دلیل ہے اس بات کی کہ ان دونوں میں کمالِ اتصال وتعلق ہے۔

اور دوسری وجہ تقدیم "زکوٰۃ" کی یہ ہوسکتی ہے کہ بعض علماء نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ ارکان اربعہ میں فضیلت کے لحاظ سے "صلوٰۃ" کے بعد "زکوٰۃ" کا مرتبہ ہے، ثم الصیام ثم الحج۔

چنانچہ روضۃ المحتاجین: ۲۶۷/ر میں ہے "وقدم العلماء بیانہا علی بیان الصوم والحج مع انہما افضل منہا نظرا الحدیث بُنِیَ الاسلام الخ" اور پھر آگے انہوں نے حدیث میں تقدیم زکوٰۃ کی حکمت بیان کی ہے۔

وہ یہ ہے کہ چونکہ انسان کی جبلت میں بخل اور حب مال ہے، جس کی وجہ سے "زکوٰۃ" کا ادا کرنا مشکل ہوتا ہے، اس لئے "زکوٰۃ" کی اہمیت اور تاکید ظاہر کرنے کیلئے حدیث میں اس کو مقدم کیا گیا ہے، نیز "زکوٰۃ" کی ایک نوع یعنی صدقۃ الفطر ایسی ہے جو تقریباً سبھی پر واجب ہے، خواہ وہ صغیر ہو یا کبیر غنی ہو یا فقیر بخلاف حج اور صوم کے۔ غنی اور فقیر کا عموم صدقۃ الفطر میں عند الجمہور ہے، خلافا للحنفیہ کما سیأتی۔

بحث ثانی: "زکوٰۃ" لغۃً دو معنی میں مستعمل ہے:

(۱)......نمو وزیادتی، کہا جاتا ہے: "زکا الزرع" جب کھیتی بڑھنی شروع ہوجائے۔

(۲)......طہارت وتزکیہ، جیسا کہ ان آیات کریمہ میں "قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا"، "يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ"، اور چونکہ معنی لغوی معنی اصطلاحی میں ملحوظ ہوتے ہیں اس لئے علماء نے لکھا ہے کہ یہ دونوں لغوی معنی زکوٰۃ شرعی میں پائے جاتے ہیں، اول اس لئے کہ اخراجِ زکوٰۃ مال میں برکت

وزیادتی کا سبب ہے، حدیث شریف میں ہے: ”ما نقص مال من صدقة“ اور یا یہ کہئے کہ زکوٰۃ کی وجہ سے ثواب میں زیادتی ہوتی ہے، اور یا اس لحاظ سے کہ زکوٰۃ کا تعلق مالِ نامی سے ہے، اور ثانی معنی اس لئے پائے جاتے ہیں کہ زکوٰۃ سبب ہے رذیلہ بخل سے پاکی کا یا طہارۃ من الذنوب کا۔

بعض علماء نے ”زکوٰۃ“ کے ایک تیسرے معنی بھی لکھے ہیں، ’مدح‘ کما فی قولہ تعالیٰ ”فلا تزکوا انفسکم“ [تم اپنی تعریف نہ کیا کرو۔]

شرعی معنی: اور معنی شرعی ”زکوٰۃ“ کے یہ ہیں: نصاب حولی میں سے ایک خاص جزء (ربع العشر) کی تملیک ایسے مسلم شخص کو کرنا جو فقیر ہو، اور ہاشمی یا مولی الہاشمی نہ ہو۔ بنیت امتثال امر خداوندی ”اٰتوا الزکوٰۃ“ یا اس طرح کہہ لیجئے بنیت زکوٰۃ، بشرطِ قطع المنفعة عن المملك (یعنی یہ تملیک اس طور پر ہو کہ اس کے بعد اس مالِ زکوٰۃ میں مزکی کی کوئی منفعت باقی نہ رہے) اس آخری قید کی وجہ سے مزکی کے اصول وفروع مصرف زکوٰۃ ہونے سے نکل گئے، چنانچہ ان کو زکوٰۃ دینا صحیح نہیں ہے، کیونکہ ان رشتوں میں آپس میں منافع مشترک ہوتے ہیں، لہٰذا مُملِّک اور مُملَّک کے درمیان قطع منفعت کا تحقق نہ ہوا۔ (زیلعی) زکوٰۃ کا اطلاق جس طرح اخراجِ مال پر ہوتا ہے جو کہ فعل مکلف ہے اسی طرح اس مال پر بھی ہوتا ہے جو زکوٰۃ میں ادا کیا جائے۔

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تعریف دوسری طرح کی ہے وہ لکھتے ہیں: ”وفی الشرع اسم لما یخرج عن مال او بدن علی وجه مخصوص“ یہ تعریف انہوں نے اس لئے کی کہ دراصل ”زکوٰۃ“ کی دو قسمیں ہیں، زکوٰۃ مالیہ اور زکوٰۃ بدنیہ، زکوٰۃ بدنیہ سے مراد صدقۃ الفطر ہے، صدقۃ الفطر کے وجوب کا تعلق مال اور نصاب سے نہیں بلکہ انسان کی ذات اور بدن سے ہے، اسی لئے اس کو زکوٰۃ الرأس والبدن کہتے ہیں، کما سیأتی فی موضعه۔ نیز یہ تعریف مبنی ہے اس پر کہ ”زکوٰۃ“ کا اطلاق جس طرح تملیک مال اور اخراج مال پر ہوتا ہے، اسی طرح مال مخرج پر بھی ہوتا ہے، اسی لئے صاحب منہل نے لکھا ہے: وفی عرف الشرع اسم للقدر المخرج من المال حقا لله تعالیٰ یعنی

مال کی وہ مخصوص مقدار جو نکالی جاتی ہے حق اللہ ہونے کی حیثیت سے ۔

بحث ثالث: "زکوٰۃ" کب فرض ہوئی ؟ اس میں تین قول ملتے ہیں :

(۱)...... بعد الہجرۃ ۲ھ میں اور یہی سنہ صوم کی فرضیت کا ہے، لیکن ان دونوں میں سے کون مقدم ہے "زکوٰۃ" یا "صوم"؟ اس میں دونوں قول ہیں ۔ "مَالَ النووی فی الروضۃ الی الاول" اور اکثر کی رائے اس کے برعکس ہے، کہ صوم کی فرضیت پہلے ہے، زکوٰۃ سے، اس کی تائید آگے حدیث سے بھی آ رہی ہے، صوم کی مشروعیت شعبان ۲ھ میں ہوئی اور "زکوٰۃ" کی شوال ۲ھ میں ۔ البتہ صدقۃ الفطر کی مشروعیت قبل الزکوٰۃ اور صوم کے ساتھ ہوئی، جیسا کہ مسند احمد اور نسائی کی ایک روایت میں اس کی تصریح ہے، جس کے راوی قیس بن سعد رضی اللہ عنہ ہیں، وہ فرماتے ہیں "امرنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بصدقۃ الفطر قبل ان تنزل الزکوٰۃ ثم نزلت فریضۃ الزکوۃ" دیکھئے! اس حدیث شریف میں اس بات کی تصریح ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۃ الفطر کا امر فریضۂ زکوٰۃ سے قبل فرمایا، زکوٰۃ کا نزول اس کے بعد ہوا، نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ صوم کی فرضیت بھی زکوٰۃ سے قبل ہے، اس لئے کہ صدقۃ الفطر تو صوم ہی سے متعلق ہے، تو جب صدقۃ الفطر زکوٰۃ سے مقدم ہے تو صوم بھی زکوٰۃ سے مقدم ہوا ۔ "قالہ الحافظ"

(۲)...... دوسرا قول ابن الاثیر الجزریؒ کا ہے کہ زکوٰۃ کا نزول ۹ھ میں ہوا، لیکن یہ قول مردود ہے، اس لئے کہ بہت سی ایسی احادیث جو یقیناً ۹ھ سے پہلے کی ہیں ان میں زکوٰۃ کا ذکر موجود ہے، مثلاً حدیث ضمام بن ثعلبہ جو ۵ھ کا واقعہ ہے، ایسے ہی حدیث ہرقل جو ۷ھ کا واقعہ ہے، البتہ تحصیل زکوٰۃ کے لئے بعثت عمال یہ ۹ھ میں ہوا ۔ "کما قال الشراح ۔"

(۳)...... تیسرا قول محدث شہیر ابن خزیمہؒ کا ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت قبل الہجرۃ ہے، جس کو انہوں نے حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ثابت کیا ہے، جو ہجرۃ حبشہ سے متعلق ہے کہ نجاشی کے سوال کے جواب میں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "ویأمرنا بالصلوۃ

والزکوۃ والصیام'' کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم کو صلوٰۃ وزکوٰۃ وصیام کا حکم فرماتے ہیں، اور یہ قصہ ہجرۃ الی المدینہ سے قبل کا ہے۔

لیکن ابن خزیمہؒ کے علاوہ بھی بعض دوسرے علماء کی رائے یہی ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت قبل الہجرۃ ہوئی، البتہ اس کی تفاصیل اور نصاب کا تقرر یہ چیزیں بعد الہجرۃ ہوئیں کیونکہ بہت سی آیات قرآنیہ جو کہ مکی ہیں ان میں زکوٰۃ کا ذکر ہے جیسا کہ شروع میں گذر چکا کہ اس طرح کی آیات تقریباً آٹھ ہیں، ملا علی قاری کی بھی یہی تحقیق ہے، اور علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی بھی۔ کما فی فیض الباری۔

بحث رابع: (حضرات انبیاء علیہم السلام پر زکوٰۃ کا حکم) بعض کتب حنفیہ و مالکیہ میں تصریح ہے (کما فی الاوجز) کہ زکوٰۃ حضرات انبیاء علیہم السلام پر واجب نہیں ہے، اور درمختار میں تو اس پر اجماع نقل کیا ہے، لیکن بظاہر اجماع سے علماء احناف کا اجماع مراد ہے، اس لئے کہ مطلقاً اس پر اجماع کا ہونا (مجھے کسی اور کتاب میں نہیں ملا، بلکہ صاحب روح المعانی نے ''واوصانی بالصلوٰۃ والزکوٰۃ مادمت حیا'' کی تفسیر کے ذیل میں اس سلسلے میں تردد کا اظہار کیا ہے، بلکہ بعض کتب شافعیہ جیسے ''انوار ساطعہ'' میں احقر کو اس بات کی تصریح مل گئی کہ شافعیہ کے نزدیک حضرات انبیاء علیہم السلام کے لئے ملک بھی ثابت ہوتی ہے، اور اگر وہ صاحب نصاب ہوں تو زکوٰۃ بھی ان پر واجب ہوتی ہے۔)

جن علماء کے نزدیک واجب نہیں تو عدم وجوب کا منشاء کیا ہے؟ اس میں چند اقوال ہیں۔

بعض کہتے ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء علیہم السلام کو دنیا کے مال ومتاع سے منزہ رکھا ہے، ان کے پاس جو کچھ ہوتا ہے وہ درحقیقت امانت اور ودیعت کے طور پر ہوتا ہے، ملک اللہ تعالیٰ ہی کی ہوتی ہے، اور بعض یوں کہتے ہیں کہ زکوٰۃ ذریعہ ہے تطہیر مال کا اور کسب حضرات انبیاء علیہم السلام پہلے ہی سے پاک اور طیب ہے، تطہیر کی ضرورت ہی نہیں ہے، اور کہا گیا ہے زکوٰۃ ذریعہ ہے رذیلۂ بخل کے ازالہ کا اور وہ حضرات بخل سے منزہ ہوتے ہیں۔

بحث خامس: (زکوٰۃ کی حکمتیں) علماء نے اس میں متعدد مصالح وحکمتیں لکھے ہیں:

(۱)......اپنے آپ کو گناہوں کی اور بخل کی گندگی سے پاک کرنا۔

(۲)......فقراء اور مساکین پر احسان اور ان کے ساتھ ہمدردی۔

(۳)......آخرت میں اس کی وجہ سے درجات کی بلندی۔

(۴)......مال چونکہ انسان کو طبعاً محبوب ہے، اسلئے اس کی کثرت پر قوی خطرہ ہے کہ آدمی اس میں مشغول ومنہمک ہو کر اللہ تعالیٰ اور دارِ آخرت سے غافل ہو جائے تو اس محبت اور غفلت کو کم کرنے کیلئے زکوٰۃ کو واجب قرار دیا گیا تاکہ تعلق مع اللہ اور اس کا تقرب حاصل رہے۔

(۵)......اس میں امتحان اور تمییز ہے، مطیع اور غیر مطیع کے درمیان کہ کونسا بندہ ایسا ہے جو اپنی محبوب ومرغوبِ طبع شیٔ کو اللہ تعالیٰ کے لئے خرچ کرتا ہے، اور کون نہیں کرتا؟

(۶)......ایک فائدہ یہ ہے کہ جب فقراء کو ہر سال مالداروں کے مال میں سے ایک حصہ ملتا رہے گا تو ان کو اس سے ایک گونہ تسلی حاصل رہے گی جس کے نتیجہ میں ارباب اموال کے مال فقراء کے ناجائز تصرف اور قہر سے محفوظ رہیں گے، ورنہ وہ لوگ زبردستی یا خیانت وسرقہ پر مجبور ہوں گے جس سے ظاہر ہے کہ فساد فی الارض ہوگا۔(الدر المنضود:۱؍تا۵/۳)

زکوٰۃ کی حیثیت

آیات واحادیث کثیرہ کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ زکوٰۃ بھی نماز، روزہ وغیرہ کی طرح ایک عبادت ہے، اس کے احکامات مثلاً نصاب، واجب الاداء حصہ کی تعیین، تعیین مصارف وغیرہ امور قرآن وسنت نے بیان کر دیئے ہیں، ان منصوص ومتفق علیہا مسائل میں حالات زمانہ کی تبدیلی کی وجہ سے کسی تبدیلی کی گنجائش نہیں، بعض لوگ یہ کہہ دیتے ہیں کہ زکوٰۃ کی حیثیت ایک ٹیکس کی ہے، اس لئے تبدیلیٔ حالات کے ساتھ ساتھ نصاب، واجب الاداء حصہ، مستحقین وغیرہ امور میں تبدیلی کی جا سکتی ہے، لیکن یہ نظریہ صریح زندقہ اور نصوص صریحہ کے سراسر مخالف ہے، کتاب وسنت کے بے شمار دلائل بتلا رہے ہیں کہ زکوٰۃ اسلامی عبادات میں سے ایک اہم عبادت ہے، جس طرح نماز کی رکعات کی تعداد وغیرہ میں تبدیلی کی گنجائش نہیں، اسی طرح زکوٰۃ میں بھی نہیں۔(اشرف التوضیح:۲۲۶/۲)

﴿الفصل الاول﴾

فرضیت زکوٰۃ اور بعض ہدایات

{۱۶۸۰} وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مُعَاذاً رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ إِلٰی الْیَمَنِ فَقَالَ اِنَّکَ تَأْتِیْ قَوْماً اَھْلَ کِتَابٍ فَادْعُھُمْ اِلٰی شَھَادَۃِ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰہِ فَاِنْ ھُمْ اَطَاعُوْا لِذَالِکَ فَاَعْلِمْھُمْ اَنَّ اللّٰہَ قَدْ فَرَضَ عَلَیْھِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِیْ الْیَوْمِ وَاللَّیْلَۃِ فَاِنْ ھُمْ اَطَاعُوْا لِذَالِکَ فَاَعْلِمْھُمْ اَنَّ اللّٰہَ قَدْ فَرَضَ عَلَیْھِمْ صَدَقَۃً تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِیَائِھِمْ فَتُرَدُّ عَلٰی فُقَرَائِھِمْ فَاِنْ ھُمْ اَطَاعُوْا لِذَالِکَ فَاِیَّاکَ وَکَرَائِمَ اَمْوَالِھِمْ وَاتَّقِ دَعْوَۃَ الْمَظْلُوْمِ فَاِنَّہٗ لَیْسَ بَیْنَھَا وَبَیْنَ اللّٰہِ حِجَابٌ۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف:۱/۱۸۷، باب وجوب الزکوۃ، حدیث نمبر:۱۳۷۹۔ مسلم شریف:۱/۲۶، باب الدعاء الی الشھادتین، کتاب الایمان، حدیث نمبر:۲۹۔

حل لغات: بعث (ف) الشیٔ و بہ بعثا بھیجنا۔ مُعاذ میم پر پیش کے ساتھ، معاذا بضم المیم (مرقات:۱۱۸/۴) تأتی: أتی (ض) اتیانا آنا۔ بالمکان حاضر ہونا، مراد جانا۔ کرائم جمع ہے کریمۃ کی، جو کریم کی مؤنث بمعنی شریف، اسی سے ہے "کرائم اموال" بمعنی عمدہ اور بہترین مال۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جناب حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجتے ہوئے ارشاد فرمایا: "کہ آپ ایسی قوم کے پاس جارہے ہیں جو اہل کتاب ہیں، اسلئے آپ انہیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسالت کی دعوت دیجئے، اگر ان لوگوں نے اس کو مان لیا، تو ان لوگوں کو بتلائیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر رات دن میں پانچ نمازیں

فرض کی ہیں، اگر وہ لوگ اس کو مان لیں تو ان لوگوں کو بتلائیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے، جو ان ہی کے مال داروں سے لے کر ان کے ہی غرباء کے درمیان تقسیم کر دی جائے گی، اگر وہ لوگ اس کو مان لیں تو آپ ان لوگوں کے بہترین مالوں کو لینے سے بچئے، اور مظلوموں کی بددعا سے ڈریئے، اس لئے کہ مظلوم کی بددعا اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی آڑ نہیں ہے۔

تشریح: الی الیمن: یمن ایک ملک کا نام ہے، جناب نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسی ملک کا امیر یا قاضی بنا کر بھیجا تھا۔

تأتی قوما اهل کتاب: اہل کتاب سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں، اس ملک یمن میں تو اہل کتاب کے ساتھ اہل ذمہ اور عام مشرکین کی بھی آبادی تھی، تو صرف اہل کتاب کا تذکرہ خاص طور پر کیوں کیا گیا ہے؟ حضرت علامہ طیبیؒ نے اس کا جواب دیا ہے کہ اہل ذمہ اور عام مشرکین کے مقابلہ میں اہل کتاب کو ایک طرح سے فضیلت حاصل ہے، یا یہ کہ اہل کتاب چونکہ بھاری اکثریت میں تھے، اس لئے ان کی اکثریت کا اعتبار کرتے ہوئے خاص طور پر صرف اہل کتاب کا تذکرہ کافی سمجھا گیا۔

دعوت اسلام

وان محمدا رسول الله: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن بھیجتے وقت آنحضرت ﷺ نے یہ ہدایت فرمائی کہ جہاں تم جا رہے ہو وہاں کے لوگوں سے ان کے حال کے مناسب بات کرنا اور اولاً ان کو توحید کی دعوت دینا اور تثلیث کے ابطال اور حضرت عزیر علیہ السلام کے ابن اللہ ہونے کی تردید اور حضرت رسول اکرم ﷺ کی رسالت کے اقرار کی دعوت دینا۔

اس حدیث شریف سے ابن ملک رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سمجھا ہے کہ کفار کو جنگ سے پہلے اسلام کی دعوت دینی واجب ہے، لیکن ان کو اسلام کی دعوت دینی اسی وقت واجب ہے جب کہ پہلے سے ان کو اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو، اور اگر ان کو پہلے سے اسلام کی دعوت پہنچ چکی ہو تو پھر دعوت اسلام واجب نہیں، بلکہ مستحب ہے۔ (مرقاۃ:۴۰۹/۲)

کفار مخاطبین بالعبادات ہیں یا نہیں؟

چونکہ یہاں ظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان لانے کے بعد فروعات ایمان کا حکم ہے، بنا بریں کفار مخاطبین بالا حکام نہیں ہیں۔ اس مسئلہ کے اندر علماء کے درمیان مشہور اختلاف ہے، اور اس میں بڑی تفصیل ہے، جس کے بعض اجزا متفق علیہا ہیں، اور بعض مختلف فیہا ہیں، اس میں سب کا اتفاق ہے کہ کفار مخاطب بالایمان والعقوبات ہیں، نیز اسمیں بھی اتفاق ہے کہ وہ معاملات کے مخاطب ہیں، اس میں بھی اتفاق ہے کہ کافر پر ایمان لانے کے بعد حالت کفر کی نمازوں کی قضاء لازم نہیں، اختلاف صرف عبادات کے بارے میں ہے تو مالکیہ وشافعیہ کے نزدیک کفار عبادات کے بھی مخاطب ہیں، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت میں ان کو ترک عبادات پر مزید عذاب دیا جائے گا۔ یہ مطلب نہیں کہ بغیر ایمان عبادات اداء کرنے سے صحیح ہوجائے گی۔

احناف کے تین قول ہیں:

اوّل عراقیین کا قول: وہ مثل شوافع ومالکیہ ہے۔

دوسرا قول: مشائخ ماوراء النہر کا، وہ فرماتے ہیں کہ کفار فروعات کے اعتقاد کے مخاطب ہیں، اداء کے مخاطب نہیں ہیں، سوان کو صرف ترک اعتقاد العبادات پر عذاب دیا جائے گا، ترک اداء پر عذاب نہیں ہوگا۔

تیسرا قول: علماء ماوراء النہر کے بعض مشائخ کا، وہ فرماتے ہیں کہ کفار مطلقاً عبادات کے مخاطب نہیں، نہ اعتقاداً نہ اداءً، لہٰذا ان کو صرف ترک ایمان پر عذاب ہوگا، صاحب بحر الرائق نے پہلے قول کو مختار قرار دیا ہے، اور حضرت شاہ صاحب نے بھی اسی کو راجح قرار دیا ہے، دوسرے اور تیسرے قول والے حضرات حدیث مذکور کے ظاہر سے دلیل پیش کرتے ہیں کہ یہاں آنحضرت ﷺ نے ایمان کے بعد احکام کی دعوت کا حکم فرمایا۔ دوسری دلیل قیاس سے پیش کرتے ہیں کہ کفار اگر فروع کے مخاطب ہوں تو ان کے ادا کرنے سے صحیح ہونا چاہئے تھا،

حالانکہ بلا ایمان عبادات صحیح نہیں، لہٰذا کفار کا مکلف بالفروع ہونا درست نہیں۔

اور مشائخ عراق حنفیہ نیز شوافع ومالکیہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ قرآن کریم کی آیات سے: (۱) "وَوَيْلٌ لِلْمُشْرِكِينَ ۝ الَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ۝". (۲) "فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلَّى ۝" (۳) "مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ ۝ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ۝ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ ۝" الخ"

اگر کفار مخاطب بالفروع نہ ہوتے تو نماز نہ پڑھنے، اور زکوٰۃ نہ دینے پر عذاب کا ذکر نہ ہوتا، تو معلوم ہوا کہ کفار مخاطب بالفروع ہیں، فریق مخالف نے جو حدیث مذکور سے دلیل پیش کی اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تدریجی طور پر آہستہ آہستہ دعوت دینا مراد ہے تاکہ ان پر دشواری نہ ہو، اور تعمیل کرنا آسان ہو، قیاس کا جواب یہ ہے کہ ان فروع کی صحت موقوف ہے ایمان پر جیسا کہ جنبی آدمی صلوٰۃ کا مکلف ہے، لیکن بشرط ازالہ حدث، بغیر ازالہ حدث نماز صحیح نہیں ہوگی، لیکن مکلف ہے، اسی طرح کافر مکلف بالفروع ہے، لیکن بشرط ازالہ کفر، بغیر اسکے فروعات کی ادائیگی صحیح نہیں ہوگی، مگر مکلف رہے گا۔ (درس مشکوۃ: ۱۶۳/ ۲، التعلیق: ۲۷۸/ ۲، حاشیہ ابن ماجہ: ۲۷، (الدر المنضود: ۵۳/ ۳)

کیا زکوٰۃ تمام اصناف کو دینا ضروری ہے؟

توخذ من اغنیائھم فترد الی فقرائھم: حدیث ہذا سے علامہ ابن الہمام نے احناف کی طرف سے اس مسئلہ پر استدلال کیا کہ قرآن کریم میں ایتاء زکوٰۃ کے لئے جو اصناف ذکر کئے گئے ہیں ان میں سے کسی ایک صنف کو زکوٰۃ دیدینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، سب کو دینا ضروری نہیں، نیز دوسری دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد حضور اقدس ﷺ کے پاس زکوٰۃ کا مال آیا تو آنحضرت ﷺ نے فقراء کے علاوہ صرف ایک صنف مؤلفۃ القلوب کو دیا۔ کما فی العینی ونصب الرایہ۔

یہی امام مالکؒ واحمدؒ وجمہور کا مذہب ہے، بخلاف شوافع کے، وہ فرماتے ہیں کہ ہر صنف سے کم سے کم تین افراد کو دینا ضروری ہے، اصل میں شوافع حضرات کا تفقہ یہ ہے کہ آیت میں مستحقین زکوٰۃ کا ذکر ہے، اور حنفیہ کا تفقہ یہ ہے کہ آیت میں مصارف زکوٰۃ کا ذکر ہے، اور اس کی تائید احادیث شریفہ سے ہوتی ہے،

شوافع کی تائید میں کوئی حدیث نہیں ہے۔

ایک شہر کی زکوٰۃ دوسرے شہر منتقل کرنا

یہاں سے دوسرے ایک مسئلہ پر روشنی پڑتی ہے، کہ ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف نقل زکوٰۃ جائز ہے یا نہیں؟ تو ائمہ کرام کے درمیان اختلاف ہے، چنانچہ علامہ عینی لکھتے ہیں کہ امام شافعیؒ ومالکؒ اور سفیان ثوریؒ کے نزدیک ایک شہر کی زکوٰۃ کو دوسرے شہر میں منتقل کرنا جائز نہیں، حنفیہ کے نزدیک اگر دوسرے شہر میں اس کے اقرباء ہوں یا وہاں کے لوگ زیادہ محتاج ہوں یا طالب علم ہوں یا دوسری کوئی مصلحت ہو تو جائز بلکہ اولیٰ ہے، اور بلا وجہ ترجیح جائز مع الکراہت ہے، فریق اول حدیث مذکور سے استدلال کرتے ہیں کہ ''تؤخذ من اغنیائهم فترد الی فقرائهم'' تو صاف حکم دیا گیا کہ جس شہر کے اغنیاء سے زکوٰۃ لی جائے گی اسی شہر کے فقراء میں تقسیم کی جائے، دوسری دلیل پیش کرتے ہیں: ابوداؤد شریف کی ایک حدیث سے کہ حضرت زیادؓ یا دوسرے کسی امیر نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کو زکوٰۃ وصول کرنے پر بھیجا تو وہ واپس آئے تو امیر نے دریافت کیا کہ مال زکوٰۃ کہاں؟ تو حضرت عمران رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ کیا مال یہاں لانے کے لئے آپ نے مجھے بھیجا تھا، ہم نے جہاں سے لیا وہاں پر ہی تقسیم کر دیا، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہمارا یہی عمل تھا کہ جہاں سے زکوٰۃ وصول کی جاتی وہاں کے فقراء پر تقسیم کر دی جاتی، حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ تواتراً یہ ثابت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ اطراف ملک کے اعراب سے زکوٰۃ کا مال منگواتے تھے اور فقراء مہاجرین وانصار میں تقسیم فرماتے تھے۔

جواب: فریق اول کی پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ وہاں '**فقرائهم**' کی ضمیر فقراء مسلمین کی طرف راجع ہے، اور یہ عام ہے خواہ اس شہر کے فقراء ہوں یا دوسرے شہر کے۔ کما قال العینی۔

دوسری دلیل کا جواب: یہ ہے کہ وہ کسی خاص جگہ کیلئے خاص زمانہ پر محمول ہے، دلیل تخصیص حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عام عمل ہے، لیکن علامہ عینی لکھتے ہیں کہ اس اختلاف کے

باوجود تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ ہر صورت میں فرضیت زکوٰۃ ساقط ہوجائے گی، صرف حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک منتقل کرنے کی صورت میں فرضیت ساقط نہیں ہوگی۔(مرقاۃ:۴۱۰/۲)

اشکال مع جوابات

اشکال: حدیث ہذا میں ظاہراً ایک اشکال ہوتا ہے کہ یہاں صوم وحج کا ذکر نہیں کیا گیا، حالانکہ یہ دونوں اس وقت فرض ہو چکے تھے تو اس کے مختلف جوابات دیئے گئے۔

(۱)......علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ صوم وحج کبھی کبھی ساقط ہوجاتے ہیں، جیسا کہ صوم فدیہ سے ساقط ہوجاتا ہے، اور حج دوسرے کے کرنے سے ساقط ہوجاتا ہے، بخلاف صلوٰۃ زکوٰۃ کے، کہ بغیر ادا کئے ہوئے ساقط نہیں ہوتے، اس لئے شارع علیہ السلام صلوٰۃ وزکوٰۃ کا زیادہ اہتمام فرماتے ہیں، اور قرآن کریم میں بہت تکرار کیا گیا ہے۔

(۲)......حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شارع علیہ السلام کی عام عادت یہ ہے کہ جب ارکان اسلام کا بیان ہوتا ہے وہاں تقصیر نہیں کرتے، بلکہ تمام ارکان کو بالاستیعاب بیان فرماتے ہیں اور جہاں دعوت الی الارکان ہوتی ہے وہاں اہم ارکان کے بیان پر اکتفاء کرتے ہیں، اور بقیہ کو متفرع کر دیتے ہیں، تو حدیث ہذا میں چونکہ دعوت کا مسئلہ ہے، اسلئے شہادت جو اعتقادی ہے اس کو بیان کیا اور صلوٰۃ جو عبادت بدنی کی اصل ہے اس کو بیان کیا اور صوم کو اس میں مدغم کر دیا، اور زکوٰۃ عبادت مالیہ کی اصل ہے اس کو بیان کیا، اور حج چونکہ بدنی ومالی سے مرکب ہے، لہٰذا وہ بھی اس میں داخل ہوگیا۔

(۳)......ایمان وصلوٰۃ وزکوٰۃ بہت مشکل ہیں، اگر ان پر عادی ہوجائے تو بقیہ پر عمل کرنا آسان ہوجائے گا، بنابریں ان پر اکتفا کیا گیا۔

(۴)......حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں تمام ارکان اسلام کا شمار کرنا مقصود نہیں، کیونکہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو سب معلوم تھا بلکہ دو ایک ذکر کر کے دعوت الی الاسلام کا طریقہ

سکھانا مقصود ہے کہ ایک دفعہ بیان نہ کرے بلکہ تدریجاً بیان کرے تاکہ وہ گھبرا نہ جائیں اور ماننا آسان ہو۔ (درس مشکوۃ:۱۶۵/۲) بذل:۶/۴۶۰، التعلیق:۲/۲۷۸)

فوائد: حدیث پاک سے متعدد فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں:

(۱)......استاد کو چاہئے کہ جب اپنے کسی شاگرد کو کسی جگہ معلم بنا کر رخصت کرے تو وہاں کے حالات کے اعتبار سے ضروری ہدایات سے بھی اس کو نوازے، اسی طرح شیخ اپنے مرید کو کسی جگہ خدمت پر مقرر کرے اس کا ادب بھی یہی ہے۔

(۲)......دعوت کی اہمیت معلوم ہوئی اور معلوم ہوا کہ اہل علم کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ اپنے علاقہ میں رہنے والے کفار کو اسلام کی دعوت دیں۔

(۳)......اسلام کی دعوت حکمت کے ساتھ دیں اور ان کے سامنے اسلام کے احکام تدریجاً بیان کریں۔

(۴)......زکوٰۃ کی تقسیم میں اہل علاقہ اور اہل قرابت کو مقدم رکھنا افضل ہے۔

(۵)......زکوٰۃ میں درمیانی مال لینا چاہئے، عمدہ مال لینے سے اجتناب کرنا چاہئے۔ الاّ یہ کہ زکوٰۃ دینے والا خود اپنی خوشی سے پیش کرے۔

(۶)......زکوٰۃ میں صاحب مال کی رضامندی کے بغیر اعلیٰ مال لینا ظلم ہے، جو ناجائز ہے۔

(۷)......مظلوم کی بددعا سے بچنے کی فکر کرنا ضروری ہے، یہاں تک کہ حضرات علماء ومشائخ اور عمال وحکام کو بھی۔

(۸)......مظلوم کی بددعا کی اہمیت معلوم ہوئی۔

مانعین زکوٰۃ کے لئے دردناک عذاب

{۱۶۸۱} وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ صَاحِبِ ذَهَبٍ وَفِضَّةٍ لَا یُؤَدِّیْ مِنْهَا حَقَّهَا اِلَّا اِذَا کَانَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ صُفِّحَتْ لَهَا صَفَائِحُ مِنْ نَارٍ

فَاُحْمِیَ عَلَیْهَا فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُکْوٰی بِهَا جَنْبُهٗ وَجَبِیْنُهٗ وَظَهْرُهٗ کُلَّمَا رُدَّتْ اُعِیْدَتْ لَهٗ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ حَتّٰی یُقْضٰی بَیْنَ الْعِبَادِ فَیَرٰی سَبِیْلَهٗ اِمَّا اِلَی الْجَنَّةِ وَاِمَّا اِلَی النَّارِ قِیْلَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ! فَالْاِبِلُ قَالَ: وَلَا صَاحِبُ اِبِلٍ لَا یُؤَدِّیْ مِنْهَا حَقَّهَا وَمِنْ حَقِّهَا حَلْبُهَا یَوْمَ وِرْدِهَا اِلَّا اِذَا کَانَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ بُطِحَ لَهَا بِقَاعٍ قَرْقَرٍ اَوْفَرَ مَا کَانَتْ لَایَفْقِدُ مِنْهَا فَصِیْلاً وَاحِداً تَطَأُهٗ بِاَخْفَافِهَا وَتَعَضُّهٗ بِاَفْوَاهِهَا کُلَّمَا مَرَّ عَلَیْهِ اُوْلٰهَا رُدَّ عَلَیْهِ اُخْرٰهَا فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ حَتّٰی یُقْضٰی بَیْنَ الْعِبَادِ فَیَرٰی سَبِیْلَهٗ اِمَّا اِلَی الْجَنَّةِ وَاِمَّا اِلَی النَّارِ قِیْلَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَالْبَقَرُ وَالْغَنَمُ قَالَ وَلَا صَاحِبُ بَقَرٍ وَلَا غَنَمٍ لَا یُؤَدِّیْ مِنْهَا حَقَّهَا اِلَّا اِذَا کَانَ یَوْمُ الْقِیَامَةِ بُطِحَ لَهَا بِقَاعٍ قَرْقَرٍ لَایَفْقِدُ مِنْهَا شَیْئاً لَیْسَ فِیْهَا عَقْصَاءُ وَلَاجَلْحَاءُ وَلَا عَضْبَاءُ تَنْطَحُهٗ بِقُرُوْنِهَا وَتَطَأُهٗ بِاَظْلَافِهَا کُلَّمَا مَرَّ عَلَیْهِ اُوْلٰهَا رُدَّ عَلَیْهِ اُخْرَاهَا فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ حَتّٰی یُقْضٰی بَیْنَ الْعِبَادِ فَیَرٰی سَبِیْلَهٗ اِمَّا اِلَی الْجَنَّةِ وَاِمَّا اِلَی النَّارِ قِیْلَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَالْخَیْلُ قَالَ فَالْخَیْلُ ثَلٰثَةٌ هِیَ لِرَجُلٍ وِزْرٌ وَهِیَ لِرَجُلٍ سِتْرٌ وَهِیَ لِرَجُلٍ اَجْرٌ فَاَمَّا الَّتِیْ هِیَ لَهٗ وِزْرٌ فَرَجُلٌ رَبَطَهَا رِیَاءً وَفَخْراً وَنِوَاءً عَلٰی اَهْلِ الْاِسْلَامِ فَهِیَ لَهٗ وِزْرٌ وَاَمَّا الَّتِیْ هِیَ لَهٗ سِتْرٌ فَرَجُلٌ رَبَطَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَمْ یَنْسَ حَقَّ اللّٰهِ فِیْ ظُهُوْرِهَا وَلَارِقَابِهَا فَهِیَ لَهٗ سِتْرٌ وَاَمَّا الَّتِیْ هِیَ لَهٗ اَجْرٌ فَرَجُلٌ رَبَطَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لِاَهْلِ الْاِسْلَامِ فِیْ مَرْجٍ وَرَوْضَةٍ فَمَا اَکَلَتْ مِنْ ذٰلِکَ الْمَرْجِ اَوِالرَّوْضَةِ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا کُتِبَ لَهٗ عَدَدَ مَا اَکَلَتْ حَسَنَاتٌ وَکُتِبَ لَهٗ عَدَدَ اَرْوَاثِهَا وَاَبْوَالِهَا حَسَنَاتٌ وَلَاتَقْطَعُ طِوَلَهَا فَاسْتَنَّتْ شَرَفاً اَوْ

شَرْفَيْنِ اِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ عَدَدَ آثَارِهَا حَسَنَاتٍ وَلَا مَرَّبِهَا صَاحِبُهَا عَلٰى نَهْرٍ فَشَرِبَتْ مِنْهُ وَلَايُرِيْدُ اَنْ يَّسْقِيَهَا اِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ عَدَدَ مَا شَرِبَتْ حَسَنَاتٍ قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَالْحُمُرُ قَالَ مَااُنْزِلَ عَلَيَّ فِي الْحُمُرِ شَيْئٌ اِلَّا هٰذِهِ الْاٰيَةُ الْفَاذَّةُ الْجَامِعَةُ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهٗ۔ ﴿رواہ مسلم﴾

حوالہ: مسلم شریف: ۱/ ۳۱۸، باب اثم مانع الزکوۃ۔ حدیث نمبر: ۹۸۷۔

حل لغات: صفحت: صفح (ف) صفحا اور صفح الشیئ: بمعنی چوڑا کرنا، یہ لفظ حدیث باب میں مشدد مروی ہے۔ بتشدید الفاء۔ (فتح الملہم: ۲/ ۱۷) فاحمی: باب افعال سے ماضی مجہول کا صیغہ ہے۔ حمی (س) حمیا: تیز گرم ہونا، احمی (افعال) احماء: بہت گرم کرنا۔ فیکوی: مضارع مجہول ہے، کوی (ض) کیا فلانا: لوہے سے داغ دینا۔ حلبھا: حلب (ن، ض) حلَبا وحلْبا: دوہنا، حلبھا کے لام پر فتحہ پڑھا جائے اگر چہ سکون کے ساتھ بھی مروی ہے، لیکن یہ روایت ضعیف ہے۔ قال النووی بفتح اللام ھی اللغۃ المشھورۃ وحکی سکونھا و ھو غریب ضعیف۔ (مرقاۃ: ۴/ ۱۲۱) وردھا: ورد (ض) ورود الماءُ: پانی پر آنا۔ بطح (ف) بطحا: منہ کے بل گرانا۔ بقاع قاع: ہموار زمین، ج: اقواع اور قیعان۔ قرقر البعیر: اونٹ کا بڑا ہونا۔ فصلا فصیل: اونٹنی یا گائے کے اس بچے کو کہا جاتا ہے جو الگ کرلیا گیا ہو، ج: فصال و فصلان۔ تطأہ: وطی (س) وطأ الشیء برجلہ: پیر سے روندنا۔ اخفافھا: جمع ہے 'خف' کی، للبعیر: اونٹ کی ٹاپ، تعضہ: عضہ (س) عضا: دانت سے کاٹنا۔ البقر: بمعنی گائے بیل، اسم جنس ہے۔ الغنم: بکریاں۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ لفظ جمع ہی کے لئے مستعمل ہوتا ہے، اور واحد کے لئے "شأۃ" ہے، جمع: اغنام اور غنوم۔ عقصاء: جمع ہے 'عقص' کی، بمعنی سینگوں کا پیچھے کی طرف مڑا ہونا، جلحاء: جمع ہے، 'جلح' کی، بمعنی بے سینگ ہونا۔ عضباء: جمع ہے 'عضب' کی بمعنی سینگ کا ٹوٹا ہوا ہونا۔ تنطحہ: نطحہ (ف، ص) نطحا الثور: بیل کا سینگوں سے مارنا، بأظلافھا: جمع ہے 'ظلف' کی،

بمعنی کھر۔ وزر: بھاری بوجھ،جمع: اوزار۔ نواء: ناواہ نوء: فخر کرنا،مرج: چرا گاہ۔ ج: مروج۔ روضۃ: حوض کا بقیہ پانی۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کہ سونے اور چاندی کے ہر مالک کو جو اس کا حق ادا نہیں کرتا تو قیامت کے دن آگ کے تختے بنا کر اس کو جہنم کی آگ میں گرم کر کے اس کا پہلو اس کی پیشانی اور اس کی پیٹھ داغی جائے گی۔ جب جب وہ آگ کے تختے الگ ہوں گے تو اس پر لوٹا دئے جائیں گے، ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے، یہاں تک کہ بندوں کے درمیان فیصلہ ہو جائے گا، تب وہ اپنا راستہ یا تو جنت کی طرف دیکھے گا یا جہنم کی طرف، پوچھا گیا یا رسول اللہ! اونٹوں کا کیا حکم ہے؟ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اونٹ کا وہ مالک جس نے اس میں سے اس کا حق ادا نہیں کیا اور اس کا بعض حق اس کو پانی پلانے کے دن دودھ دوہنا ہے، تو قیامت کے دن اس کو ہموار زمین میں اس کے تمام اونٹوں کے سامنے اسے اوندھے منہ لٹایا جائے گا، حتی کہ ان اونٹوں کا ایک بچہ بھی غائب نہ ہوگا۔ وہ تمام اونٹ اس کو اپنے کھروں سے روندیں گے اور اپنے منھوں سے کاٹیں گے جب جب گذرے گی اس پر پہلی جماعت تو لائی جائے گی اس پر دوسری جماعت ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے، یہاں تک کہ بندوں کے درمیان فیصلہ ہو جائے گا تب وہ اپنا راستہ یا تو جنت کی طرف دیکھے گا یا جہنم کی طرف۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ گائے اور بکریوں کا کیا حکم ہے؟ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: گائے اور بکریوں کا وہ مالک جس نے اس میں سے اس کا حق ادا نہیں کیا، تو قیامت کے دن اس کو ہموار زمین میں اوندھے منہ لٹایا جائے گا، ان گایوں، بکریوں میں سے کچھ غائب نہ ہوگا، نہ ان کے سینگ مڑے ہوئے ہوں گے، نہ وہ بے سینگ کے ہوں گی، اور نہ ہی ان کے سینگ ٹوٹے ہوئے ہوں گے، اسے ماریں گی، اور اپنے کھروں سے کچلیں گی، جب جب گذرے گی اس پر پہلی جماعت تو لائی جائے گی اس پر دوسری جماعت، ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے، یہاں تک کہ بندوں کے درمیان فیصلہ ہو جائے گا، تب وہ اپنا راستہ یا تو جنت کی طرف دیکھے گا یا جہنم کی طرف، پوچھا گیا یا رسول اللہ! گھوڑے کا کیا

حکم ہے؟ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: گھوڑے تین طرح کے ہیں: (١) یہ آدمی کے لئے بوجھ ہے۔ (٢) یہ آدمی کے لئے پردہ ہے۔ (٣) یہ آدمی کے لئے ثواب ہے۔ بہرحال وہ گھوڑے جو اس کے لئے بوجھ ہیں وہ ایسا آدمی ہے جس نے ان گھوڑوں کو باندھا ہے دکھاوے کے لئے فخر کے لئے اور اہل اسلام سے دشمنی کے لئے، لہٰذا یہ گھوڑے اس کے لئے بوجھ ہیں، اور بہرحال وہ گھوڑے جو اس کے لئے پردہ ہیں وہ ایسا آدمی ہے جس نے ان گھوڑوں کو باندھا ہے راہ خدا میں، پھر ان کی پیٹھوں اور گردنوں پر سوار ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے حق کو نہیں بھولا تو یہ گھوڑے اس کے لئے پردہ ہیں، بہرحال وہ گھوڑے جو اس کے لئے ثواب ہیں وہ ایسا آدمی ہے جس نے ان گھوڑوں کو باغ اور چراگاہ کے اندر اللہ تعالیٰ کی راہ میں باندھا ہے لہٰذا جب وہ گھوڑے اس چراگاہ سے کچھ کھاتے ہیں تو ان کی خوراک کے بقدر اور ان کی لید اور پیشاب کے بقدر نیکیاں لکھی جاتی ہیں، اور وہ گھوڑے رسی توڑ کر ایک میدان سے دوسرے میدان میں نکل جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے قدم کے نشان اور لید کے بقدر نیکیاں لکھ دیتا ہے، اور جب ان گھوڑوں کا مالک ان گھوڑوں کو لے کر کسی نہر سے گذرتا ہے اور یہ گھوڑے اس نہر سے پانی پی لیں اگرچہ مالک نے پلانے کا ارادہ نہ کیا ہو اس کے باوجود اللہ تعالیٰ گھونٹوں کی تعداد کے برابر نیکیاں لکھ دیتا ہے۔ پوچھا گیا: یارسول اللہ! گدھے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ جناب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ گدھے کے متعلق مجھ پر کچھ نہیں اتارا گیا، مگر یہ پختہ جامع آیت، کہ جو ذرہ بھر بھی نیکی کرے گا اسے دیکھے گا، اور جو ذرہ بھر بدی کرے گا اسے دیکھے گا۔

تشریح: لایؤدی منھا: "منھا" میں جو "ھا" ضمیر ہے علی سبیل الانفراد "ذھب" اور "فضہ" دونوں کی طرف راجع ہے، اور چونکہ ذہب مؤنث سماعی ہے، اس لئے کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہئے، جیسا کہ قرآن کریم میں بھی استعمال ہوا ہے۔

صفائح من نار: اس جملے کے دو مطلب ہیں، ایک یہ کہ وہ تختے آگ کے ہوں گے، دوم یہ کہ وہ تختے تو سونے اور چاندی کے ہوں گے، لیکن ان کو اتنا تپایا جائے گا کہ وہ دیکھنے میں آگ نظر آئیں گے۔ (مرقاۃ: ١٢٠/۴)

کلما ردت اعیدت: علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ داغتے داغتے جب وہ تختے ٹھنڈے ہوجائیں گے تو ان کو دوبارہ واپس لے جا کر جہنم کی آگ میں گرم کرکے پھر اس کو داغا جائے گا، مقصد یہ ہے کہ عذاب کا یہ سلسلہ حساب وکتاب کے آخری وقت تک جاری رکھا جائے گا۔

فی یوم: سے مراد قیامت کا دن ہے۔

کان مقدارہ خمسین الف سنۃ: اس حدیث شریف میں جو یوم حساب کی مقدار پچاس ہزار مذکور ہے، اس کے بارے میں شراح حدیث نے یہ وضاحت کی ہے، کہ کافروں کو تو یہ دن پچاس ہزار سال کی طرح ہی بھاری اور طویل معلوم ہوگا، اور باقی گناہگاروں کو ان کے گناہوں کے بقدر دراز اور لمبا معلوم ہوگا لیکن مومنین کاملین کے لئے یہ دن اتنا ہلکا اور مختصر ہوگا جیسا کہ فرض کی دو رکعتوں کے پڑھنے میں دنیا میں جو وقت صرف ہوتا ہے، اس سے بھی کم معلوم ہوگا۔ (مرقاۃ: ۴۱۱ / ۲)

حتی یقضی بین العباد: حدیث شریف کے اس ٹکڑے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے اس روز حساب کے عذاب میں مبتلا ہوں گے، جب کہ بقیہ مخلوق حساب کے مراحل سے گذر رہی ہوگی۔ (مرقاۃ: ۲۱۱ / ۲)

فیری سبیلہ اما الی الجنۃ واما الی النار: اس جگہ یری فعل معروف اور مجہول دونوں طرح مروی ہے، اسی اعتبار سے سبیل پر اعراب آئے گا۔ علامہ نووی فرماتے ہیں کہ اس حدیث شریف میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ زکوٰۃ ادا نہ کرنے والا خود مختار نہ ہوگا، بلکہ اس کا اختیار سلب کرلیا جائے گا، یعنی جنت اور دوزخ میں جانے اور ان میں سے کسی ایک طرف راستہ دیکھنے والی بات اس کی اختیاری نہیں ہوگی، جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ایک جہت متعین نہ ہوجائے، وہ جہنم میں جانے کی قدرت بھی نہ رکھے گا، جنت تو دور کی بات ہے چنانچہ اگر ترک زکوٰۃ کے علاوہ اس کا کوئی گناہ نہ ہوگا، تو یہ عذاب اس کے ترک زکوٰۃ کے لئے کفارہ بن جائے گا اور اس کے گناہوں کو مٹا دے گا اور اس کے لئے جنت کا راستہ متعین ہوجائے گا اور وہ جنت میں چلا جائے گا، اور اگر اس کے ذمہ ترک زکوٰۃ کے گناہ کے علاوہ اور بھی کوئی گناہ ہوگا یا ترک زکوٰۃ کی یہ سزا اس کے گناہوں کے

لئے کفارہ نہ بن سکے اور اس کے گناہوں کو نہ مٹا سکے تو اس کے لئے جہنم کا راستہ متعین ہو جائے گا اور وہ جہنم میں جائے گا۔ (مرقاۃ: ۴۱۱/ ۲)

یوم وردھا: عرب میں چونکہ پانی کی قلت تھی نیز اونٹوں کو ہر وقت پانی کی ضرورت بھی نہیں رہتی ہے، اس لئے وہاں اونٹوں کو تین چار دن پر، بلکہ بسا اوقات ہفتے کے بعد بھی چشمے وغیرہ میں لے جا کر پانی پلایا کرتے تھے، اس دوران اہل عرب کا یہ معمول تھا کہ اس گھاٹ میں موجود مسکینوں کو دودھ دوہ کر دودھ پلایا کرتے تھے، حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہی فرمارہے ہیں کہ اونٹوں کا اصل حق تو زکوٰۃ ہی ہے، لیکن از قبیل مروت یہ بھی ایک حق ہے اس کو بھی اداء کیا جائے، اس لئے کہ ایسا نہ کرنے کی صورت میں مسکینوں کی دل شکنی ہوگی، اور یہ بھی مروت و ہمدردی کے خلاف ہے، اس لئے اس سے بھی بچنا چاہئے۔

اب ایک مسئلہ یہاں یہ اٹھتا ہے کہ حدیث میں اونٹوں کا حق ادا نہ کرنے پر جو سزا اور وعید وارد ہوئی ہے اس کا تعلق مذکور دونوں حقوق سے ہے یا صرف کسی ایک سے ہے؟ اور ایک سے ہے تو کس سے ہے؟ شراح حدیث نے اس کی وضاحت میں کئی باتیں تحریر کی ہیں:

(۱)...... دوسرے حق یعنی پانی پلانے کی جگہ پر دودھ دوہنے کا تذکرہ آنحضرت ﷺ نے استطراداً کیا ہے، یعنی دوران کلام مستقلاً ایک ایسا حکم صادر فرمایا جس کی رعایت کرنا ہر صاحب مروت انسان پر لازم ہے، نہ کہ اس لئے کہ اس کے بعد ذکر کی جانے والی سزا کا تعلق اس حق کی عدم ادائیگی سے بھی ہے، اور پہلے والے حق کی عدم ادائیگی سے بھی، کیونکہ سزا اور عذاب کا تعلق تو ترک واجب یا فعل حرام کے ارتکاب سے ہوتا ہے، اور حق ثانی کی عدم ادائیگی نہ تو ترک واجب ہے اور نہ فعل حرام کا ارتکاب خلاصہ یہ ہے کہ اس کے بعد حدیث شریف میں ذکر کی جانے والی سزا اور وعید کا تعلق صرف پہلے حق یعنی ترک زکوٰۃ سے ہے، نہ کہ دوسرے استحبابی حق سے۔

(۲)...... اس سزا اور وعید کا تعلق دونوں حقوق سے ہے، ترک زکوٰۃ والے حق سے حقیقۃً اور حق ثانی یعنی

ومن حقھا حلبھا یوم وردھا سے تغلیظاً وتشدیداً۔

(۳)......اس کے بعد میں ذکر ہونے والی سزا اور وعید کا تعلق دونوں سے ہے، مگر ایک قید کے ساتھ یعنی اگر قحط کا زمانہ ہو یا اضطرار ومجبوری کی حالت ہو تو اس دوسرے حق کی عدم ادائیگی اور ترک پر بھی وہی سزا ہوگی جو پہلے حق یعنی ترک زکوٰۃ پر ہوگی، کیونکہ ان حالات میں یہ حق ثانی مستحب نہ رہ کر واجب ہوگا، اور ظاہر ہے کہ ترک واجب پر وعید اور سزا مرتب ہوتی ہے، خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ انداز اختیار فرما کر واضح فرما دیا کہ ترک زکوٰۃ پر تو یہ سزا ہوگی ہی لیکن اگر قحط اور اضطرار کا زمانہ ہو تو اس حق مستحب کے ترک پر بھی یہی سزا ہوگی۔ (مرقاۃ: ۴۱۲/ ۲)

اوفر ما کانت الخ: اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ عدد کے اعتبار سے تمام اونٹ موجود ہوں گے، جسم کے لحاظ سے بڑے اور موٹے ہوں گے، اور طاقت میں بڑھے ہوئے ہوں گے تاکہ وہ تمام اونٹ مل کر اپنے مالک کو اچھی طرح سے روند سکیں۔

وتعضہ بأفواھھا: یہ اونٹ ہی کی خصوصیت کہی جاسکتی ہے کہ جب وہ غصے میں ہوتا ہے تو آدمی کے سر کو اپنے منہ میں لے کر اس کو کچل ڈالتا ہے، اس حدیث شریف میں یہی مراد ہے کہ اپنے کھروں سے روندنے کے ساتھ ساتھ منہ میں اپنے مالک کا سر لے کر چلتے رہیں گے۔

لا یفقد منھا شیئا الخ: مطلب یہ ہے کہ وہ تمام گائیں اور بکریاں سلیم الاعضاء اور ثابت سینگ والی ہوں گی نہ ان کے سینگ پیچھے کو مڑے ہوئے ہوں گے، اور نہ ہی وہ بے سینگ ہوں گے۔ اور نہ ہی ان کے سینگ ٹوٹے ہوئے ہوں گے، کہ اپنے مالک کو تکلیف نہ پہنچا سکیں، بلکہ یہ تمام جانور مضبوط اور اچھے سینگ والے ہوں گے جس سے اپنے مالک کو خوب تکلیف پہنچائیں گے۔

قال فالخیل: یہ جواب علی اسلوب الحکیم ہے، یعنی کہ یہ نہ پوچھ کہ گھوڑوں کا کیا حکم ہے؟ بلکہ یہ بھی پوچھ کہ ان سے کیا کیا فائدے اور نقصانات ہیں، پھر حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گھوڑوں کی تین قسمیں فرما کر، ہر ایک قسم کے فائدے اور نقصانات بیان فرمائے ہیں۔

ربطها ریاء ا لخ: جس نے گھوڑے اس مقصد کے لئے پالے کہ لوگ مجھے گھوڑے والا کہیں اور وہ خود گھمنڈ کرے کہ دیکھو فلاں فلاں کے پاس گھوڑے نہیں ہیں، میرے پاس اتنے گھوڑے ہیں، وہ لوگ تو قلاش ہیں، نیز اس کا مقصد یہ بھی ہو کہ یہ گھوڑے اس لئے ہیں کہ اسلام کے خلاف جب بھی موقعہ ملے گا جنگ کریں گے اور دین اسلام کو بھاری نقصان پہنچائیں گے، یہ ایک حقیقت ہے کہ یہ گھوڑے ابھی اس کو لے کر اڑتے ہیں، لیکن آخرت کے لحاظ سے یہی گھوڑے اس کے لئے بوجھ ہیں، اس لئے کہ نہ اس کی منزل صحیح ہے نہ ہی سمت درست ہے۔

هی له ستر: مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنی ضرورت کے لئے گھوڑا پالے اور بوقت ضرورت اس کو استعمال کرے تو یہ اس کے لئے پردہ ہے کہ ضرورت کے وقت دست سوال دراز کرنے کی نوبت نہ آئے جو ایک طرح سے ذلت کا سامنا ہوتا ہے، پردہ اس طور پر ہے کہ یہ گھوڑے ضرورت کے وقت کام آ کر اس آدمی اور ذلت کے درمیان آڑ ہو گئے۔

فی سبیل اللّٰه: کا مطلب ہے کہ ثواب کی نیت سے دین کی خدمت کیلئے۔

هی له اجر: ظاہر ہے کہ جو اہل اسلام کی مدد کے لئے گھوڑے پالے یہ تو سراپا ثواب ہی ثواب ہے، اب ان گھوڑوں کیلئے چراگاہ ہری بھری گھاس، پانی دانا، رسی اور سامان بھی چاہئے تو اس مالک کو ان تمام چیزوں کے بدلے ثواب ملے گا۔ (مرقاۃ: ۲/۴۱۳)

گھوڑے کی زکوٰۃ کا مسئلہ

اس حدیث شریف میں گھوڑوں کی دوسری قسم میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ پھر اس نے اللہ تعالیٰ کا حق نہ تو ان کی پیٹھوں میں فراموش کیا اور نہ ان کی گردنوں میں تو اس دوسرے جز کا مطلب کچھ حضرات حنفیہ نے یہ لیا کہ ان گھوڑوں میں جو زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، ان کی زکوٰۃ ادا کرنا نہ بھولا، اور کچھ حضرات شافعیہ نے یہ لیا کہ گھاس دانہ دینے اور ان کی خبر گیری کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور ان کو کوئی تکلیف نہ پہنچنے دی، دراصل اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک گھوڑے کی تین

قسموں میں اس قسم کے گھوڑے جو سال کے اکثر حصوں میں عام چراگاہ میں چرتے ہوں اور تناسل کے لئے ہوں اور مذکر و مونث مختلط ہوں تو ان گھوڑوں میں زکوٰۃ واجب ہے، البتہ اس میں تخییر ہے چاہے ہر گھوڑے پر ایک دینار دے، اور چاہے گھوڑے کی قیمت کا تعین کر کے ہر دوسو درہم میں پانچ درہم دیدے، جیسا کہ زکوٰۃ کا حساب ہے، ائمہ ثلاثہ اور حضرات صاحبین کے نزدیک اس قسم کے گھوڑے میں زکوٰۃ نہیں ہے، بقیہ گھوڑے کی اور دو قسمیں اتفاقی ہیں۔

(۱)......وہ گھوڑے جو جہاد یا بار برداری یا سواری کیلئے ہوں اس میں بالاتفاق زکوٰۃ نہیں۔

(۲)......وہ گھوڑا جو برائے تجارت ہو اس میں بالاتفاق زکوٰۃ واجب ہے۔

بہر حال اختلاف تیسری قسم میں ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔

ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کی دلیل: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جو متفق علیہ ہے:

"لَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِ فِيْ فَرَسِهٖ وَ غُلَامِهٖ صَدَقَةٌ۔ (بخاری شریف: ۱/۱۹۷، لَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِ فِيْ فَرَسِهٖ صَدَقَةٌ) [یعنی مسلمان پر اس کے گھوڑے اور غلام میں زکوٰۃ نہیں۔]

دوسری بات یہ ہے کہ جن سوائم میں زکوٰۃ واجب ہے ان کا نصاب حدیث شریف میں بالتفصیل مذکور ہے، گھوڑے کا نصاب کسی صحیح حدیث میں وارد نہیں ہے، لہٰذا گدھے کی طرح اس میں بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

امام صاحب کی دلیل: "عَنْ جَابِرٍ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيْ كُلِّ فَرَسٍ سَائِمَةٍ دِيْنَارٌ" [یعنی عام چراگاہ میں چرنے والے ہر گھوڑے پر ایک دینار ہے۔]

صحیح بخاری و مسلم کی مرفوع حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے: "اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَ الْخَيْلَ فَقَالَ وَرَجُلٌ رَبَطَهَا تَغَنِّيًا وَتَعَفُّفًا ثُمَّ لَمْ يَنْسَ حَقَّ اللهِ فِيْ رِقَابِهَا وَلَا ظُهُوْرِهَا فَهِيَ لَهٗ الخ لَمْ يَنْسَ حَقَّ اللهِ فِي الرِّقَابِ" سے ظاہر ہے کہ زکوٰۃ مراد ہے، اور اسکے علاوہ بعض آثار جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں ان میں سے یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کی طرف صدقۃ

الخیل کے بارے میں لکھ کر بھیجا کہ لوگوں کو اختیار دیدو چاہے تو وہ ہر گھوڑے کی طرف سے ایک دینار دیں، اور چاہے قیمت لگا کر ہر دوسو درہم میں سے پانچ درہم دیدیں، اور ائمہ ثلاثہ اور صاحبین جس حدیث شریف سے استدلال کرتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں گھوڑے سے وہ گھوڑے مراد ہیں جو جہاد یا سواری کیلئے ہوں اور غلام سے وہ غلام مراد ہے جو خدمت کیلئے ہوں۔ (بذل المجہود: ۳۶۶/۳۶۷/۶)

ما انزل علی فی الحمر شیء الا هذه الآية الفاذة: اس حدیث شریف میں آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے گدھوں کے متعلق سوال کرنے پر یہ ارشاد فرمایا کہ گدھوں کے بارے میں مجھ پر کوئی حکم نازل نہیں ہوا، یہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ گدھوں اور اسی طرح خچروں میں زکوٰۃ نہیں ہے، البتہ یہ شرط ہے کہ وہ گدھے تجارت کے لئے نہ ہوں، چنانچہ اس مسئلہ پر علماء کا اتفاق ہے۔ اور آنحضرت ﷺ نے جو آیت کریمہ پڑھی اس کے ذریعہ آنحضرت ﷺ نے اس طرف اشارہ فرمایا: کہ جس شخص کے پاس گدھا ہو اور اس نے وہ گدھا کسی شخص کے مانگنے اور مطالبہ کرنے پر کسی نیک کام کے لئے بطور عاریت دیدیا تو نیک کام پر تعاون کی وجہ سے گھوڑے کے مالک کو ثواب ملے گا، اور اگر یہی گدھا کسی کو برے کام کے واسطے دیدے تو برائی پر تعاون کی وجہ سے اس کو یعنی مالک کو گناہ ملے گا۔ (مرقاۃ: ۴۱۴/۲)

فوائد: حدیث پاک سے متعدد فوائد حاصل ہوتے ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں:

(۱)......زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر سخت وعید کا علم ہوا۔

(۲)......بندہ پر اس کے مال میں بعض مخصوص حالات میں زکوٰۃ کے علاوہ کچھ اور حقوق بھی لازم ہوتے ہیں۔

(۳)......گھوڑوں کے بارے میں جو تین قسمیں بیان کی گئی ہیں اس سے گاڑی کار وغیرہ کا حکم بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ چیزیں بھی اگر اپنی ضروریات کیلئے ہوں تو جائز اور ریا و تفاخر یا اور دیگر گناہوں کے

کام میں مدد کیلئے ہوں تو ان میں گناہ اور وبال ہے۔ دین کی اشاعت اور دین کے تقاضوں کو پورا کرنے کیلئے ہوں تو باعث اجر وثواب ہیں۔

(۴)......آنحضرت ﷺ کے اندر کوئی تکلف نہیں تھا، جس چیز کا علم نہیں ہوتا تھا صاف فرما دیتے تھے مجھے اس کا علم نہیں۔ اور اس سلسلہ میں مجھ پر کوئی حکم نازل نہیں ہوا۔

(۵)......آنحضرت ﷺ عالم الغیب نہیں تھے۔

(۶)......قاعدہ کلیہ سے کسی جزئی حکم کا استنباط کرنا درست ہے۔ کما ھو الظاھر۔

(۷)......بندہ کو ہر خیر کی کوشش کرنی چاہئے، خواہ وہ کتنی ہی ادنی ہو اور ہر برائی سے اجتناب کرنا چاہئے وہ برائی خواہ کتنی ہی ادنی ہو۔ فقط

مال کا سانپ بن کر ڈسنا

{۱۶۸۲} وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اٰتَاهُ اللهُ مَالًا فَلَمْ يُؤَدِّ زَكٰوتَهٗ مُثِّلَ لَهٗ مَالُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعاً اَقْرَعَ لَهٗ زَبِيْبَتَانِ يُطَوَّقُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ يَأْخُذُ بِلِهْزِمَتَيْهِ يَعْنِيْ شِدْقَيْهِ ثُمَّ يَقُوْلُ اَنَا مَالُكَ اَنَا كَنْزُكَ ثُمَّ تَلَا وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ الاٰيَةَ۔ ﴿رواہ البخاری﴾

حوالہ: بخاری شریف: ۱/ ۱۸۸، باب اثم مانع الزکوۃ، کتاب الزکوۃ، رقم الحدیث: ۱۳۸۶۔

حل لغات: مثل: باب تفعیل سے ماضی مجہول ہے، تمثیل لفلان: ہو بہو تصویر بنانا۔ شجاعا: ایک قسم کا سانپ، ج: شجعان۔ اقرع: قرع الرجل (س) قرعا: گنجا ہونا۔ الزبیبتان: سانپ کی آنکھ کے اوپر دو سیاہ نقطے۔ لھزمتیه: 'لھزمة' کا تثنیہ ہے، بمعنی کان کے نیچے جبڑے کی ابھری ہوئی ہڈی، شدقیه: 'شدق' کا تثنیہ ہے، بمعنی جبڑا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ

نے ارشاد فرمایا: ''کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا لیکن اس نے اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی تو اس کے مال کو قیامت کے دن ایسا گنجا سانپ بنا کر جس کی پیشانی میں دو سیاہ نقطے ہوں گے، بطور طوق کے اس کی گردن پر ڈال دیا جائے گا، پھر وہ گنجا سانپ اس کے دونوں جبڑوں یعنی کلوں کو پکڑ کر کہے گا میں تیرا مال اور خزانہ ہوں، پھر جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ''ولا یحسبن الذین یبخلون'' الآیۃ۔

تشریح: اس حدیث پاک میں حضرت نبی کریم ﷺ نے زکوٰۃ اداء نہ کرنے والے لوگوں کی ایک دردناک سزا بیان فرمائی ہے کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت سے نوازا ہو اور وہ اس کے باوجود اس مال کی زکوٰۃ ادا نہ کریں تو ایسے لوگوں کے مال کو قیامت کے دن ایک انتہائی خطرناک اور انتہائی بھیانک زہریلے سانپ کی شکل میں تبدیل کر کے مال جمع کرنے والے کی گردن میں طوق کی طرح ڈالدیا جائے گا اور وہ سانپ اس کو کاٹتا اور ڈستا رہے گا، اور اس سے یہ کہے گا کہ میں ہی تیرا مال ہوں اور میں ہی تیرا خزانہ ہوں کہ جس سے تم محبت کر کے اور جمع کر کے رکھتے تھے، اور اس کی زکوٰۃ تک ادا نہیں کرتے تھے، اور حضرت نبی کریم ﷺ نے مال کی زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے کی سزا بیان فرمانے کے بعد آیت کریمہ کی تلاوت فرما کر اسے دلیل کے طور پر پیش فرمایا ہے کہ میں نے جو سزا زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے کی بیان کی ہے ٹھیک اسی طرح کی سزا قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے بخیل کی بتائی ہے، چنانچہ قرآن کریم کی پوری آیت کریمہ یہ ہے: ''وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ'' (سورۃ آل عمران: ۱۸۰)

خلاصۂ آیت کریمہ: اور ہرگز خیال نہ کریں ایسے لوگ جو ضروری موقعوں پر ایسی چیز کے خرچ کرنے میں بخل کرتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے دی ہے کہ یہ بات ان کیلئے کچھ اچھی ہوگی ہرگز نہیں، بلکہ یہ بات ان کیلئے بہت ہی بری ہے کیونکہ انجام اس بخل کا یہ ہوگا کہ وہ لوگ قیامت کے روز طوق پہنائے جاوینگے اس مال کا سانپ بنا کر جس میں انہوں نے بخل کیا تھا۔ اور جس کی

انہوں نے زکوٰۃ ادا نہیں کی۔ (بیان القرآن: ۷۸/ ۲)

شجاعا اقرع: اس سانپ میں اتنا زہر ہوگا کہ اس کی تاب نہ لاکر اسکے سر کے تمام بال اڑ جائیں گے، اس سے یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ وہ سانپ نہایت خطرناک ہوگا۔

یعنی شدقیہ: یہ راوی کی تفسیر ہے۔

پالتو جانور میں زکوٰۃ کا حکم

{۱۶۸۳} وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ رَجُلٍ یَکُوْنُ لَہٗ اِبِلٌ اَوْ بَقَرٌ اَوْ غَنَمٌ لَایُؤَدِّیْ حَقَّھَا اِلَّا اُتِیَ بِھَا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اَعْظَمَ مَاتَکُوْنُ وَاَسْمَنَہٗ تَطَأُہٗ بِاَخْفَافِھَا وَتَنْطَحُہٗ بِقُرُوْنِھَا کُلَّمَا جَازَتْ اُخْرَاھَا رُدَّتْ عَلَیْہِ اُوْلٰھَا حَتّٰی یُقْضٰی بَیْنَ النَّاسِ۔ (متفق علیہ)

حواله: بخاری شریف: ۱/ ۱۹۶، باب زکوۃ البقر، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۱۴۳۹۔ مسلم شریف: ۱/ ۳۲۰، باب تغلیظ عقوبۃ من لایؤدی الزکوۃ۔ حدیث نمبر: ۹۹۰۔

حل لغات: اعظم: اسم تفضیل کا صیغہ ہے، عظم (ن) عظما: بڑا ہونا، اسمنه: یہ بھی اسم تفضیل کا صیغہ ہے، سمن (س) سمنا: موٹا ہونا، تنطحه: نطحه (ف، ض) نطحا الثور ونحوہ: بیل وغیرہ کا سینگوں سے مارنا، جازت: جاز (ن) المکان: گذرنا، علیحدہ کرنا۔

ترجمه: حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کسی شخص کے پاس اونٹ گائے یا بکری نہیں جس کا وہ حق ادا نہیں کرتا، مگر قیامت کے دن اس حال میں لائی جائیگی کہ بہت بڑی اور بہت موٹی ہوگی وہ اسکو اپنے پاؤں سے کچلے گی، اور اپنے سینگ سے مارے گی، جب پہلی گذر جائے گی تو دوسری لائی جائے گی یہاں تک کہ لوگوں کے

درمیان فیصلہ کیا جائے گا۔

تشریح: جس طرح سے سونا چاندی اور نقدی میں زکوٰۃ واجب ہے، اسی طرح سے پالتو جانوروں میں بھی زکوٰۃ ہے، سونے چاندی کی زکوٰۃ ادا نہ کرنے کی صورت میں ان اموال کو گنجا سانپ بنا کر مسلط کر دیا جائے گا، لیکن پالتو جانوروں کو دنیا کے مقابلے میں بڑے بلکہ بہت بڑے اور زیادہ موٹے کر کے اس بخیل پر مسلط کر دیا جائے گا، جو اپنے کھروں اور سینگوں سے اپنے مالک کو سزا دیں گے۔

اعظم ما یکون الخ: ان جانوروں کو زیادہ بڑے اور خوب موٹے اس لئے کر دئیے جائیں گے تاکہ اپنے مالک کو زیادہ سے زیادہ تکلیف پہنچا سکیں۔

زکوٰۃ لینے دینے کا ادب

{۱۶۸۴} وَعَنْ جَرِیْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتَاکُمُ الْمُصَدِّقُ فَلْیُصْدُرْ عَنْکُمْ وَهُوَ عَنْکُمْ رَاضٍ۔ (رواه مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/ ۳۴۶، باب ارضاع الساعی مالم یطلب حراما۔ حدیث نمبر: ۱۰۷۹۔

حل لغات: المصدق: اسم فاعل ہے، بمعنی تصدیق کرنے والا، صدق (ن) صدقا: سچ بولنا، فلیصدر: صدر (ن، ض) صدرا عن المکان: واپس ہونا، راضٍ: اسم فاعل ہے، رضی (س) رضی و رضوانا: خوش ہونا، راضی ہونا۔

ترجمہ: حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ جب تمہارے پاس زکوٰۃ لینے والا (عامل) آئے تو وہ تمہارے پاس سے اس حال میں واپس جائے کہ وہ تم سے راضی ہو۔''

تشریح: قولہ اذا أتاکم المصدق الخ: حکومت اسلامیہ چند لوگوں کو زکوٰۃ کی وصولی پر مقرر کرتی ہے ایسے لوگوں کو مصدق اور عامل وغیرہ کہا جاتا ہے، اس حدیث شریف میں

زکوٰۃ دہندگان کو کہا گیا ہے کہ جب تمہارے پاس عامل آئیں تو انہیں خوش کرکے بھیجو، خوش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جتنا مال اور جو مال وہ بطور زکوٰۃ وصول کرنا چاہیں وہ ان کو دیدو زکوٰۃ کی ادائیگی میں غلط حیلہ سازی نہ کیا کرو۔

زکوٰۃ دہندگان اور وصول کنندگان کے متعلق صاحب مشکوٰۃ نے اس باب میں کچھ احادیث نقل کی ہیں، بعض میں مصدقین وعاملین کو سخت تنبیہ فرمائی گئی ہے، اور بعض میں مالکین کو یہ کہا گیا ہے کہ عاملین اگر تم پر ظلم کریں پھر بھی ان کو خوش کرو، اور ان کی طرف سے متعین کردہ زکوٰۃ اداء کرو، اس کے متعلق یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ جہاں بھی دو شخصوں یا دو فریقوں کے درمیان کوئی تعلق قائم ہوتا ہے تو اسلام دونوں پر کچھ حقوق و ذمہ داریاں عائد کرتا ہے، اور ہر فریق کو ان حقوق کی طرف زیادہ سے زیادہ متوجہ کرتا ہے، جو اس کے ذمہ واجب الاداء ہیں، اگرچہ دوسرے فریق پر جو اس کے حقوق ہیں ان کے حصول کے لئے جائز کوشش سے بھی منع نہیں کرتا، حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وصولیٔ حقوق سے زیادہ ادائیگی حقوق پر زور دیا ہے، نیز یہ بھی اسلام کا مزاج ہے کہ مسلمان کو اپنے ذمہ حقوق کی ادائیگی دوسرے کی ادئیگی پر موقوف نہیں کرنی چاہئے، یعنی یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ جب تک دوسرا فریق میرے حقوق اداء نہیں کرے گا اس وقت تک میں بھی اس کی حق تلفی کرتا رہوں گا، بلکہ ہر مسلمان کی یہ سوچ ہونی چاہئے کہ حقوق کی ادائیگی ہر فریق پر واجب ہے، جو بھی اس میں کوتاہی کرے گا وہ حق تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہوگا، اگر ایک فریق ادائیگی حقوق میں کوتاہی کرے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ دوسرے فریق کے ذمہ سے سارے حقوق معاف ہو گئے۔

آنحضرت ﷺ کے پاس بعض اوقات عاملین کی مختلف شکایات آجاتی تھیں، اسی طرح بعض اوقات مالکین کے متعلق بھی یہ شکایت ملتی تھی، وہ عاملین کو تنگ کرتے ہیں، اس سلسلہ میں آنحضرت ﷺ نے ایک طرف تو عاملین کو یہ وصیت کی ہے کہ وہ لوگوں سے درمیانہ قسم کا مال وصول کریں، بہت بڑھیا یا بہت گھٹیا مال نہ لیں، اور ان کی بعض خامیوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت سخت ناراض بھی ہوئے ہیں، دوسری طرف مالکان کو یہ حکم فرمایا ہے کہ زکوٰۃ کی جو مقدار وہ بتلائیں وہ اداء کر دیا کرو،

ان کی (مزعومہ) بداخلاقی کی وجہ سے زکوٰۃ کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرو، اسلئے کہ یہ تمہارا فریضہ ہے، باقی ان کی طرف سے اچھا معاملہ یہ ان کا فریضہ ہے اگر وہ اس کو پورا کریں گے تو ان کا اپنا فائدہ ہوگا اور اگر نہیں کریں گے تو ان کا اپنا نقصان ہوگا۔

فصل ثانی میں آ رہا ہے کہ بعض بدوی لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ عامل لوگ بعض اوقات ہم پر ظلم کرتے ہیں، (اور زیادہ وصول کر لیتے ہیں) کیا ہم ظلم سے بچنے کے لئے اپنا کچھ مال چھپا لیا کریں تو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: نہیں! یہاں یہ ضروری نہیں کہ وہ عامل واقعی ظلم کرتے ہوں، بلکہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے بھیجے ہوئے عاملین پورا پورا ہی وصول کرتے ہوں گے، لیکن عموماً ہوتا یوں ہے کہ جس سے مال وغیرہ وصول کیا جاتا ہے خواہ وہ کتنا ہی عدل وانصاف کے ساتھ وصول کیا جائے وہ یہی سمجھتا ہے کہ مجھ پر زیادتی ہوئی ہے، اور مجھ سے زیادہ لیا گیا ہے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرما دیا: کہ اگر چہ تمہارے زعم میں وہ ظلم ہی کریں، تب بھی تم اپنا مال ان سے نہ چھپاؤ۔ (اشرف التوضیح: ۲۲۶/ ۲) طیبی: ۱۲/ ۴، مرقاۃ: ۴۱۵/ ۲۔

المصدق: مراد عامل ہے، جو اسلامی حکومت کی طرف سے زکوٰۃ وصول کرتا ہے، اس کو مصدق اس لئے کہتے ہیں کہ وہ سب کچھ دیکھ بھال کر صحت اور ادائے زکوٰۃ کی تصدیق کر دیتا ہے۔

زکوٰۃ دینے والے کے لئے دعاء

{۱۶۸۵} وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِیْ اَوْفٰی رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتَاهُ قَوْمٌ بِصَدَقَتِهِمْ قَالَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی آلِ فُلَانٍ فَاَتَاهُ اَبِیْ بِصَدَقَتِهٖ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی آلِ اَبِیْ اَوْفٰی۔ ﴿متفق علیہ﴾ وَفِیْ رِوَایَةٍ اِذَا اَتَی الرَّجُلُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِصَدَقَتِهٖ قَالَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَیْهِ۔

حوالہ: بخاری شریف: ۱/ ۲۰۳، باب صلوٰۃ الامام ودعائہ لصاحب الصدقۃ، حدیث

نمبر:۱۴۷۵۔مسلم شریف: ۱/۳۴۵، باب الدعاء لمن اتی بصدقته، حدیث نمبر:۱۰۷۸۔

حل لغات: بصدقته: صدقۃ بمعنی خیرات، ج: صدقات۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب لوگ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس اپنی زکوٰۃ لے کر آتے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کو دعاء دیتے: ''اے اللہ! آپ فلاں خاندان پر رحمت نازل فرما'' پس میرے باپ اپنی زکوٰۃ لے کر آئے تو جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعاء دی: ''اے اللہ! ابواوفی کے خاندان پر رحمت نازل فرما'' (بخاری ومسلم) دوسری روایت میں ہے کہ جب لوگ جناب نبی کریم ﷺ کے پاس اپنی زکوٰۃ لے کر آتے تو آنحضرت ﷺ دعاء دیتے: ''اے اللہ! اس پر رحمت نازل فرما۔''

تشریح: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول شریف یہ تھا کہ جو شخص بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنی زکوٰۃ لے کر آتا تو لوگوں کو احکام خداوندی پر عمل کرتے ہوئے دیکھ کر خوش ہوتے، اور اس کو دعاء سے نوازتے تھے، یہ دعاء درحقیقت اللہ تعالیٰ کے فرمان "وَصَلِّ عَلَيۡهِمۡ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمۡ" کی امتثال اور بجاآوری تھی، اب یہاں یہ سوال اٹھتا ہے کہ عامل اور ساعی کے لئے زکوٰۃ ادا کرنے والے کے حق میں دعاء کرنا کیسا ہے؟ ہمارا مشہور مذہب اور دیگر علماء کا مذہب یہ ہے کہ عامل اور مصدق کے لئے زکوٰۃ ادا کرنے والوں کے حق میں دعا کرنا مستحب ہے، واجب نہیں ہے، اہل ظاہر یہ کہتے ہیں کہ دعا کرنا واجب ہے، اس لئے کہ قرآن کریم میں دعاء کا حکم صیغۂ امر کے ساتھ وارد ہوا ہے، جمہور علماء یہ کہتے ہیں کہ صیغہ امر ہمارے حق میں استحباب اور ندب کے لئے ہے، اس لئے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا تھا، اور ان کو دعا کا حکم نہیں دیا تھا، اگر دعا کرنا واجب ہوتا تو حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روانہ کرتے وقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود اس کا حکم دیتے، اسلئے اس کو واجب نہیں کہا جاسکتا، اگر اس کا اہل ظاہر یہ جواب دیں گے کہ آیت کریمہ ''وصل علیھم'' کے ذریعہ ان کو وجوب دعاء کا حکم معلوم تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خاص طور پر ان کو الگ سے حکم دینے کی ضرورت

نہیں سمجھی، لہٰذا ان کو الگ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دعا کا حکم نہ دینا دعاء کے عدم وجوب کی دلیل نہیں کہا جاسکتا ہے، اس کا جواب جمہور نے یہ دیا ہے کہ یہ حکم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ خاص تھا، اس لئے کہ آیت کریمہ کے اگلے الفاظ "اِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ" اس کی طرف اشارہ کررہے ہیں، اور ابن بطال رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ جب زکوٰۃ ادا کرنے والے کی وفات ہوجائے تو ان کی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے، اس لئے آیت کریمہ سے مصدق کیلئے متصدق کے حق میں وجوب دعاء کیلئے استدلال کرنا درست نہیں ہے۔ (فتح الملہم: ۱۷۰/ ۶، عمدۃ القاری: ۹۴/ ۵، جز: ۹)

غیر نبی پر درود شریف

یہاں پر دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ مستقلاً کسی شخص کیلئے لفظ صلوٰۃ کے ساتھ دعا کرنا سوائے انبیاء کے جائز ہے یا نہیں؟ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور بعض علماء کے نزدیک مستقلاً لفظ صلوٰۃ کے ذریعہ دعا کرنا جائز ہے، وہ حضرات اسی حدیث باب سے استدلال کرتے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زکوٰۃ لے کر آنے والوں کیلئے ان الفاظ کے ذریعہ دعا دیتے تھے: "اللهم صل على آل فلان" لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے اصحاب، اور امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور اکثر علماء کے نزدیک مستقلاً غیر انبیاء کے لئے لفظ صلوٰۃ کے ساتھ دعاء کرنا جائز نہیں ہے، ہاں انبیاء کے ساتھ تبعاً کسی پر صلوٰۃ بھیجا جائے تو جائز ہے، چنانچہ "اللهم صل على آل ابى بكر يا اللهم صلى على آل عمر" کہنا صحیح نہیں ہے، ہاں تبعا کہنا صحیح ہے، چنانچہ "اللهم صلى على محمد و على آل محمد و ازواجه و ذرياته واتباعه" کہا جاسکتا ہے، دلیل یہ ہے کہ لفظ "صلوۃ"، سلف کی زبان میں انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے، جیسا کہ "عزوجل" اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہے، لہٰذا "محمد عزوجل" کہنا صحیح نہیں ہے، اگرچہ معنی کے اعتبار سے صحیح ہے، اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عزیز اور جلیل ہے تو جس طرح عزوجل کہنا اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کیلئے جائز نہیں، اسی طرح صلوٰۃ کا لفظ بھی غیر انبیاء کے لئے کہنا جائز نہیں ہے، اب حضرات انبیاء علیہم السلام

کے علاوہ کسی اور شخص کے لئے مستقلاً لفظ صلوٰۃ کہنے کی ممانعت کیسی ہے، اس میں ہمارے اصحاب کے درمیان اختلاف ہے، اور اس میں تین قول ہیں:

(۱)......نہی تنزیہی ہے۔

(۲)......حرام ہے۔

(۳)......خلاف ادب ہے۔

مشہور اور صحیح قول پہلا ہے، کہ مکروہ تنزیہی ہے، اس لئے کہ یہ اہل بدعت کا شعار ہے، اور تشبہ باہل البدع ممنوع ہے، اور امام محمد کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ لفظ صلوٰۃ آنحضرت ﷺ کا حق ہے، اور صاحب حق کو یہ اختیار ہے کہ وہ اپنا حق جس کو چاہے دیدے، لیکن غیر صاحب حق کو یہ اختیار اور حق نہیں ہے کہ وہ کسی غیر کا حق کسی دوسرے شخص کو دیدے، لہٰذا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کسی کو "اللھم صل علی آل فلان" یا "اللھم صل علی آل ابی اوفی" کے ذریعہ دعا دینا جائز اور درست ہے، اس لئے کہ یہ اپنے حق میں سے دینا ہے، لہٰذا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عمل سے کسی اور کیلئے مستقلاً لفظ صلوٰۃ کے ذریعہ دعاء کرنے پر استدلال کرنا درست نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری: ۹۵/ ۵، جز تاسع، فتح الملہم: ۱۷۱/ ۶، فتح الباری: ۲۸۶/ ۳)

زکوٰۃ وصول کرنے سے قبل حالت کی تحقیق

{۱۶۸۶} وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُمَرَ عَلَى الصَّدَقَةِ فَقِيْلَ مَنَعَ ابْنُ جَمِيْلٍ وَخَالِدُ بْنُ الْوَلِيْدِ وَالْعَبَّاسُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَنْقِمُ ابْنُ جَمِيْلٍ اِلَّا اَنَّهٗ كَانَ فَقِيْرًا فَاَغْنَاهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَاَمَّا خَالِدٌ فَاِنَّكُمْ تَظْلِمُوْنَ خَالِدًا قَدِ احْتَبَسَ اَدْرَاعَهٗ وَاَعْتُدَهٗ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاَمَّا الْعَبَّاسُ فَهِيَ عَلَيَّ وَمِثْلُهَا مَعَهَا ثُمَّ قَالَ يَا عُمَرُ! اَمَا شَعَرْتَ اَنَّ

عَمَّ الرَّجُلِ صِنْوُ اَبِیْهِ۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۹۸/۱، باب قول اللہ تعالیٰ وفی الرقاب والغارمین، حدیث نمبر: ۱۴۴۷۔ مسلم شریف: ۳۱۶/۱، باب فی تقدیم الزکوٰۃ ومنعها، حدیث نمبر ۹۸۹۔

حل لغات: بعث: بعث الشیء (ف) بعثا: بھیجنا، ینقم: نقم (ض، س) نقما: بہت مکروہ جاننا، احتبس: حبس له (ض) حبس المال علی کذا: وقف کرنا، ادراعه: جمع ہے 'درع' کی، بمعنی زرہ۔ اعتده: جمع ہے 'عتاد' کی، بمعنی سامان جنگ۔ شعرت: شعر (ن، ک) شعرا: جاننا، محسوس کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا تو حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہا گیا ابن جمیل، خالد بن ولید اور عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا، تو حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ابن جمیل (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے اسلئے منع کیا کہ وہ غریب تھا، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے اس کو غنی کر دیا، اور بہر حال خالد! تو خالد رضی اللہ عنہ پر تم لوگوں نے ظلم کیا، انہوں نے اپنی زرہ اور تمام آلات حرب کو راہِ خدا میں وقف کر دیا ہے، اور بہر حال عباس (رضی اللہ عنہ) تو ان کی زکوۃ مجھ پر ہے، اور اس کے ساتھ اس کے برابر ہے، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے عمر! کیا آپ نہیں جانتے کہ چچا باپ کے برابر ہوتا ہے۔

تشریح: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عامل علی الصدقۃ بنا کر بھیجا تا کہ لوگوں کی زکوٰۃ وصول کریں، چنانچہ انہوں نے اس خدمت کو انجام دیا اور واپس آ کر تین شخصوں کی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی، ایک ابن جمیل رضی اللہ عنہ دوسرے خالد بن الولید رضی اللہ عنہ تیسرے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہ انہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا، ابن جمیل رضی اللہ عنہ کا نام معلوم نہیں اصح قول یہی ہے اسی لئے حافظ ذہبی نے اس کو "فیمن عرف بابیه ولم یسم" کے ذیل میں ذکر کیا ہے، "وقیل اسمه عبداللہ وقیل حمید"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تینوں میں سے ہر ایک کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار فرمایا:

ما ینقم ابن جمیل ﷺ الخ: ابن جمیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اس کے لئے زکوٰۃ ادا کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں ہوسکتی ہے، (اور کوئی عذر اس کے پاس نہیں ہے) سوائے اس کے کہ وہ شروع میں فقیر تھا پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس کو غنی بنادیا اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اس کو غنی بنانا منع زکوٰۃ کا سبب اور عذر ہرگز نہیں ہوسکتا ہے، پس خلاصہ یہ ہوا کہ کوئی بھی سبب اور عذر منع زکوٰۃ کا اس کے پاس نہیں ہے۔

فصحاءعرب بعض مرتبہ کسی شیء کی نفی میں مبالغہ اس طور پر کرتے ہیں کہ بجائے اس شیء کی نفی کرنے کے اس کی جگہ ایسی شیٔ رکھتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں جس میں اس محل کی صلاحیت بالکل نہیں ہوتی، پس اگر ایسا کرنا مقام مدح میں ہوتو علم بیان میں اس کو تاکید المدح بمایشبہ الذم سے تعبیر کرتے ہیں، اور اگر مقام مذمت میں ہوتو اس کو تاکید الذم بمایشبہ المدح کہتے ہیں، اول کی مثال: ؎

ولا عیب فیہم غیر ان سیوفہم

بہن فلول من قراع الکتائب

اور ثانی کی مثال میں یہی حدیث پیش کی جاسکتی ہے، (قسطلانی شرح بخاری) عام طور سے شراح نے تو اس حدیث کو بھی تاکید المدح بما یشبہ الذم لکھا ہے، لیکن علامہ قسطلانی نے وہ تفصیل لکھی ہے جو ہم نے اوپر نقل کی، فجزاہ اللہ خیرا، ایسے ہی حضرت مولانا شاہ اسعد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی تحقیق بھی یہی ہے کہ یہ تاکید الذم بمایشبہ المدح ہے۔

میں کہتا ہوں اور اسی قبیل سے ہے باری تعالیٰ کا قول: "أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ"

بعض شراح نے لکھا ہے کہ یہ ابن جمیل منافق شخص تھا بعد میں تائب ہوگیا تھا اس آیت کے نزول کے بعد "وَمَا نَقَمُوا إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ فَإِنْ يَتُوبُوا يَكُ خَيْرًا لَهُمْ" کہنے لگا: استتابنی ربی، فتاب فصلحت حالہ۔

واما خالد بن الولید فانکم تظلمون: خالد ابن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ انہوں نے تو اپنا جنگی سامان سب کی سب زرہیں اور دیگر ہتھیار دواب (جو تجارت کے لئے تھے ان کو سال پورا ہونے سے قبل) وقف فی سبیل اللہ کردیا ہے، یعنی پھر ان پر زکوٰۃ واجب کہاں؟ لہٰذا تمہارا ان سے زکوٰۃ کا مطالبہ کرنا یہ ان پر ظلم ہے، اور دوسرا مطلب اس جملہ کا یہ لکھا ہے کہ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سخاوت کا جب یہ حال ہے (جو اوپر مذکور ہوا) تو وہ زکوٰۃ واجبہ دینے سے کیسے انکار کرسکتے ہیں، بلکہ تم کو کچھ غلط فہمی ہورہی ہے، (خالد رضی اللہ عنہ کی کسی بات سے) تیسرا مطلب یہ لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ ہے کہ خالد رضی اللہ عنہ نے جو سامان جہاد کے لئے وقف کیا ہے اسی کو ان کی زکوٰۃ واجبہ میں محسوب کرلیا جائے اس لئے کہ فی سبیل اللہ یعنی جہاد یہ خود مصارف زکوٰۃ میں سے ہے، (تو یوں سمجھو کہ انہوں نے اپنی زکوٰۃ خود ہی ادا کردی ہے)

و اما العباس عم الخ: حدیث شریف کے اس قطعہ کی شرح میں دو قول ہیں، ایک یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی ضرورت یا بیت المال کی ضرورت سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے دو سال کی زکوٰۃ پیشگی قبل الوقت لے لی تھی، اس لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دو سال کی زکوٰۃ میرے ذمہ ہے، میں اس کو اداء کرونگا، بعض روایات میں اس کی تصریح بھی ہے: "انا کنا احتجنا فتعجلنا من العباس صدقة ماله سنتین" (دارقطنی)

اور دوسرا مطلب اس کا یہ لکھا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ میرے عم محترم ہیں، ان کے مجھ پر حقوق ہیں، لہٰذا میں ان کی زکوٰۃ اپنے ذمہ میں لیتا ہوں، اس مطلب کی تائید اس جملہ سے ہورہی ہے: "اما شعرت ان عم الرجل صنو ابیه" یا مطلب یہ ہے کہ ان کی اس سال اور آئندہ سال کی زکوٰۃ میں خود وصول کرچکا ہوں، پھر اب دوبارہ وہ زکوٰۃ کیوں دیں؟ لیکن عَلَیَّ کا لفظ اس مطلب کے بظاہر منافی ہے۔

صنو ابیه: صِنو بمعنی مثل، دراصل صنو اس کھجور کے درخت کو کہتے ہیں جو کسی دوسری کھجور کی

جڑ سے نکل آئے، ان دونوں کو صنوان کہتے ہیں اور ہر ایک کو صنو۔

اس حدیث شریف سے علماء نے بہت سے مسائل وفوائد استنباط کئے ہیں، منجملہ ان کے ایک وقف منقول ہے جوکہ اختلافی ہے۔ اس کے لئے کتب فقہ کی طرف رجوع کیا جائے، یہاں بیان کرنا مقصود نہیں ہے، بلکہ صرف اشارہ مقصود ہے۔

تعجیل زکوٰۃ میں مذاہب ائمہ

نیز تعجیل زکوٰۃ کا مسئلہ بھی اختلافی ہے، ائمہ ثلاثہ حنفیہ شافعیہ حنابلہ کے نزدیک ملک نصاب کے بعد حولانِ حول سے قبل اخراج زکوٰۃ جائز ہے، حسن بصری سفیان ثوری داوٗد ظاہری کے نزدیک تعجیل جائز نہیں، یہ حضرات فرماتے ہیں زکوٰۃ کا ایک وقت متعین ہے جس طرح نماز کا وقت متعین ہوتا ہے نہ قبل الوقت وہ جائز ہے، نہ یہ، یہی مذہب مالکیہ کا ہے، لیکن ایک روایت میں وہ یہ فرماتے ہیں کہ تقدیم یسیر جائز ہے، پھر یسیر کے مصداق میں ان کے یہاں چند قول ہیں ایک ماہ، نصف ماہ، پانچ دن، تین دن کذا قال العینی: ۹/۴۷، اور حاشیہ کوکب: ۲۴۵، میں حنابلہ کا مسلک یہ لکھا ہے کہ ان کے یہاں صرف دو سال کی تقدیم جائز ہے، والحدیث اخرجہ ایضا احمد والبخاری ومسلم والنسائی والدار قطنی۔ (منہل، مرقاۃ، بذل، فتح الملہم، التعلیق) (الدر المنضود: ۳/۹۲)

فوائد: (۱)...... زکوٰۃ کی وصولیابی کے لئے عاملین کا تقرر کرنا۔

(۲)...... عاملین امیر المومنین سے شکایت کر سکتے ہیں۔

(۳)...... امیر المومنین محض شکایت پر عمل درآمد نہ کرے بلکہ اپنی تحقیق پر عمل کرے۔

(۴)...... امیر المومنین اپنی تحقیق سے اپنے ماتحتوں کو مطلع کر سکتا ہے۔

(۵)...... کسی فاسق اور نافرمان کی نافرمانی اور اس کی وجہ بیان کی جا سکتی ہے، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابن جمیل کی حالت بیان فرمائی۔

(۶)...... چچا کا مقام معلوم ہوا کہ وہ باپ کے قریب قریب ہے۔

(۷)......وقف منقول کا جواز معلوم ہوا۔گو وہ مختلف فیہ ہے۔وغیرہ

عاملین کو ہدیہ کا حکم

{۱۶۸۷} وَعَنْ اَبِیْ حُمَیْدِ السَّاعِدِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ اسْتَعْمَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَجُلًا مِّنَ الْاَزْدِ یُقَالُ لَہٗ ابْنُ اللُّتْبِیَّۃِ عَلَی الصَّدَقَۃِ فَلَمَّا قَدِمَ قَالَ ہٰذَا لَکُمْ وَھٰذَا اُھْدِیَ لِیْ فَخَطَبَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَحَمِدَ اللّٰہَ وَاَثْنٰی عَلَیْہِ ثُمَّ قَالَ اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّیْ اَسْتَعْمِلُ رِجَالًا مِنْکُمْ عَلٰی اُمُوْرٍ مِّمَّا وَلَّانِیَ اللّٰہُ فَیَأْتِیْ اَحَدُھُمْ فَیَقُوْلُ ھٰذَا لَکُمْ وَھٰذِہٖ ھَدِیَّۃٌ اُھْدِیَتْ لِیْ فَھَلَّا جَلَسَ فِیْ بَیْتِ اَبِیْہِ اَوْ بَیْتِ اُمِّہٖ فَیَنْظُرُ اَیُہْدٰی لَہٗ اَمْ لَا، وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَا یَأْخُذُ اَحَدٌ مِنْہُ شَیْئًا اِلَّا جَاءَ بِہٖ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ یَحْمِلُہٗ عَلٰی رَقَبَتِہٖ اِنْ کَانَ بَعِیْرًا لَہٗ رُغَاءٌ اَوْ بَقَرًا لَہٗ خُوَارٌ اَوْ شَاۃً تَیْعِرُ ثُمَّ رَفَعَ یَدَیْہِ حَتّٰی رَأَیْنَا عُفْرَۃَ اِبْطَیْہِ ثُمَّ قَالَ اَللّٰھُمَّ ھَلْ بَلَّغْتُ اَللّٰھُمَّ ھَلْ بَلَّغْتُ۔ ﴿متفق علیہ﴾ قَالَ الْخَطَّابِیُّ وَفِیْ قَوْلِہٖ ھَلَّا جَلَسَ فِیْ بَیْتِ اُمِّہٖ اَوْ فَیَنْظُرُ اَیُہْدٰی اِلَیْہِ اَمْ لَا دَلِیْلٌ عَلٰی اَنَّ کُلَّ اَمْرٍ یُتَذَرَّعُ بِہٖ اِلٰی مَحْظُوْرٍ فَھُوَ مَحْظُوْرٌ وَکُلُّ دَخِیْلٍ فِی الْعُقُوْدِ یُنْظَرُ ھَلْ یَکُوْنُ حُکْمُہٗ عِنْدَ الْاِنْفِرَادِ کَحُکْمِہٖ عِنْدَ الْاِقْتِرَانِ اَمْ لَا ھٰکَذَا فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ۔

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۱۰۶۴، باب ھدایا العمال۔کتاب الاحکام، رقم الحدیث: ۶۸۸۹۔ مسلم شریف: ۲/۱۲۳، باب تحریم ھدای العمال، کتاب الامارۃ، رقم الحدیث: ۱۸۳۲۔

حل لغات: أھدی: ماضی مجہول ہے، اھدی اھداء لفلان: ہدیہ بھیجنا، فخطب (ن) خطبۃ: تقریر کرنا، ولانی: ولی (تفعیل) تولیۃ: والی مقرر کرنا، رقبتہ: جمع: رقاب، بمعنی گردن، رغاءٌ: رغا

(ن) رغائ: پہنچنا، البعیر: اونٹ کی آواز، خوار: مصدر ہے، بمعنی گائے کی آواز، یعر: یعرت الشاۃ: بکری کا ممیانا، تذرع (تفعل) بذریعۃ: وسیلہ بنانا۔

ترجمہ: حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے قبیلہ ازد کے ایک شخص کو زکوٰۃ وصول کرنے کا عامل بنایا، جسے ابن لتبیہ کہا جاتا تھا، وہ واپس آیا تو اس نے کہا یہ آپ کے لئے ہے، اور یہ مجھے ہدیہ ملا ہے، تو جناب نبی کریم ﷺ نے تقریر فرمائی، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بہرحال حمد وثنا کے بعد میں آپ حضرات میں سے کچھ لوگوں کو ان معاملات پر عامل بناتا ہوں جن کا مجھے اللہ تعالیٰ نے والی بنایا ہے، تو ان میں سے ایک شخص آکر کہتا ہے یہ آپ کے لئے ہے، اور یہ وہ ہدیہ ہے جو مجھے ملا ہے، تو وہ شخص اپنے باپ یا اپنی ماں کے گھر بیٹھ کر دیکھے کہ اسے ہدیہ مل رہا ہے یا نہیں؟ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے جس شخص نے بھی اس میں سے کچھ لیا تو قیامت کے دن اس کو اپنی گردن پر لاد کر لائے گا، اگر وہ اونٹ ہوگا تو اونٹ کی طرح چلائے گا، اگر گائے ہوگی تو گائے کی طرح چلائے گا، یا اگر بکری ہوگی تو بکری کی طرح ممیائے گا، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ اتنے اوپر اٹھائے کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بغل کی سفیدی دیکھی، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے اللہ! کیا میں نے نہیں پہنچا دیا؟ اے اللہ! کیا میں نے نہیں پہنچا دیا۔ (بخاری ومسلم) خطابی نے کہا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "**ھلا جلس فی بیت امہ و ابیہ فینظر ایھدی الیہ ام لا**" اس کی دلیل ہے کہ ہر وہ معاملہ جس کو کسی ناجائز چیز تک رسائی کے لئے وسیلہ بنایا جاسکتا ہے وہ ناجائز ہے، اور ہر وہ عقد جو عقدوں میں داخل ہے دیکھا جائے گا کہ کیا اس کا حکم جدائی کے وقت ایسا ہی ہے جیسا کہ ملاپ کے وقت یا نہیں؟ شرح السنہ میں ایسا ہی ہے۔

تشریح: استعمل النبی ﷺ رجلا من الازد: یعنی حضور اقدس ﷺ نے ایک شخص کو عامل علی الصدقۃ بنایا، جس کا نام عبداللہ تھا، ازد قبیلہ کا نام ہے، اور اس کی ماں کا نام لتبیہ تھا، اسی ماں

کی طرف منسوب ہوکر ابن لتبیہ کہلاتا تھا، جب وہ صدقات وغیرہ وصول کرکے واپس مدینہ منورہ آیا تو کہنے لگا یہ مال تو صدقہ کا ہے، اور یہ اتنا مال مجھے بطور ہدیہ اور تحفہ میں ملا ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت شریفہ چونکہ ایسے موقعہ پر ایک عام نصیحت فرمانے کی ہوتی تھی بلا تخصیص کے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر پر تشریف لے گئے، اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد یہ تنبیہ فرمائی کہ بعض عامل ایسے ہیں کہ ہم ان کو صدقہ وصول کرنے کے لئے بھیجتے ہیں، پھر وہ آکر ہم سے کہتا ہے کہ یہ مال تو صدقہ کا ہے، اور یہ مال مجھے ہدیہ میں ملا ہے، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آگے ارشاد فرمایا: کہ یہ شخص اپنے ماں کے یا اپنے باپ کے گھر کیوں نہ بیٹھا پھر دیکھتا کہ اس کو ہدیہ کیا جاتا ہے یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ وہ اگر اپنے گھر بیٹھا رہتا اور عامل نہ ہوتا تو کوئی شخص بھی اس کے پاس ہدیہ لیکر نہیں آتا، اور نہ ہی اس کو ہدیہ دیتا، وہ عامل بن کر گیا صدقہ وصول کرنے کے لئے اس لئے اس کے عامل ہونے کی حیثیت سے ہدیہ دیا جارہا ہے، اس لئے جو بھی زکوٰۃ دینے والے عاملین کو ہدایا اور تحائف پیش کرتے اور دیتے ہیں وہ حرام اور رشوت ہے، وہ دوسرے ہدایا کی طرح نہیں ہے، بلکہ ہدایا دینے والوں کی غرض فاسد ہوتی ہے، کہ عاملین زکوٰۃ وصول کرنے میں تخفیف کریں، اور پورا حق واجب ان سے وصول نہ کریں، اس لئے عاملین کو زکوٰۃ دینے والے کے ہدایا قبول کرنا جائز نہیں ہے، البتہ اگر کسی عامل کے تعلقات پہلے سے کسی سے ہوں اور اس کا معمول عامل کو دوستانہ مراسم کی وجہ سے پہلے ہی ہدیہ اور تحفہ دینے کا ہو تو اب عامل ہونے کے بعد اس دوستانہ مراسم کی وجہ سے اس کا ہدیہ قبول کرنا جائز اور درست ہے، یہ مسئلہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ قاضی کے ہدیہ اور تحفہ کے بارے میں کتب فقہ میں صراحت ہے کہ قاضی کو وہ ہدیہ اور ضیافت قبول کرنا حرام اور ناجائز ہے جس کا سبب محض عہدۂ ولایت اور قضاء کی بنا پر ہو، البتہ اس ہدیہ اور تحفہ کا قبول کرنا قاضی کے لئے جائز اور درست ہے کہ کوئی شخص اس کا قریبی محرم ہو یا جس کی عادت پہلے سے ہدیہ دینے کی رہی ہو، اور وہ اپنی سابقہ عادت کے بقدر قاضی کو ہدیہ دے تو اس ہدیہ کا قبول کرنا قاضی کے لئے جائز ہے۔ (الدر المختار مع الشامی زکریا: ۸/۵۴۴ / ۴)

قال الخطابی وفی قولہ ھلا جلس الخ: امام خطابیؒ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کے اس ارشاد سے دو ضابطے مستنبط فرمائے ہیں:

(۱)...... پہلا ضابطہ علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اخذ فرمایا کہ جو چیز خود تو محظور اور ممنوع نہ ہو لیکن وہ وسیلہ بن رہی ہو کسی محظور کا تو وہ وسیلہ بننے والی چیز بھی ناجائز ہوگی، جیسے یہاں پر ہدیہ وصول کرنا فی نفسہ تو جائز ہے، لیکن ایسے موقعوں پر غیر واقف سے ہدیہ وصول کرنا ذریعہ بن سکتا ہے فرائض منصبی میں کوتاہی کا، اس لئے ممنوع ہوا۔

(۲)...... دوسرا ضابطہ علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مستنبط فرمایا ہے کہ ایک عقد دوسرے کے ساتھ ملا کر کیا جارہا ہو تو اس کے جواز یا عدم جواز معلوم کرنے کا ایک ضابطہ یہ بھی ہے کہ دیکھا جائے کہ وہ عقد اگر اکیلا کیا جائے تو اس صورت میں اس کی وہی حیثیت باقی رہتی ہے جو حالت اقتران میں تھی یا بدل جاتی ہے، اگر وہی رہتی ہے تو عقد جائز ہے ورنہ ناجائز ہے۔

اس ضابطہ کو ایک مثال سے سمجھا جاسکتا ہے، ایک شخص دوسرے شخص سے قرض لیتا ہے، دائن اس پر سود وصول کرنا چاہتا ہے، لیکن حیلہ کے ساتھ، حیلہ یہ کرتا ہے کہ شرط لگا دیتا ہے تم مجھ سے مثلاً بیس روپے قیمت کی کوئی چیز سو روپے میں خریدو، اب ایک عقد دوسرے میں دخیل ہوگیا، یہ ان دونوں عقدوں کی حالت اقتران ہے، اس کے جواز یا عدم جواز کا فیصلہ کرنے کے لئے دیکھا جائے گا کہ حالت انفراد میں بھی اس عقد کی یہی حالت رہتی ہے یا نہیں؟ اگر یہی حالت نہیں رہتی تو عقد ناجائز ہوگا، مثلاً یہ شخص جو چیز سو روپے کی بیچ رہا ہے اور مدیون اسے خرید رہا ہے اس کے متعلق دیکھا جائے گا کہ اگر مدیون کو قرض کی ضرورت نہ ہوتی اور وہ قرض نہ لیتا تب بھی وہ اس چیز کو سو روپے میں خریدنے کے لئے تیار ہوجاتا ہے یا نہیں؟ اگر ایسی صورت میں وہ شخص سو روپے میں وہ چیز لینے کے لئے تیار نہ ہوتا ہو بلکہ اس کی قیمت مثلاً بیس روپے ادا کرتا ہو تو یہ عقد ناجائز ہوگا، کیونکہ حالت انفراد میں عقد کی وہ حالت نہ رہی جو حالت اقتران میں تھی۔

حدیث شریف میں بھی جس ہدیہ کی وصولی پر انکار فرمایا گیا ہے اس کی وجہ یہی ارشاد فرمائی گئی ہے کہ یہ ہدیہ اس خاص منصب کی وجہ سے ملا ہے، اگر یہ نہ ہوتا تو یہ ہدیہ نہ ملتا، گویا یہ عقد ہبہ اور عامل ہونا یہ

دو چیزیں مقترن ہوگئی ہیں، حدیث کے مطابق اس میں دیکھا جائے گا کہ اس ہدیہ کی حیثیت حالت انفراد میں بھی یہی رہتی ہے یا نہیں؟ اگر حالت انفراد میں بھی یہی حیثیت رہتی ہے یعنی ہدیہ دینے والے کے ساتھ پہلے سے اتنی جان پہچان ہے پتہ ہے کہ اگر یہ منصب نہ ہوتا تب بھی وہ اسی طرح ہدیہ دیتا تو یہ ہدیہ قبول کرنا جائز ہے، اور اگر حالت انفراد میں اس کی حیثیت بدل جاتی ہے یعنی اس منصب پر نہ ہونے کی صورت میں اس کے ہدیہ دینے کی توقع نہیں تھی تو ناجائز ہے۔ یہ ضابطہ علامہ خطابیؒ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے مستنبط فرمایا ہے "ھلا جلس فی بیت ابیه او بیت امه فینظر ھل یھدی الیه ام لا" (اشرف التوضیح: ۲/۲۲۷) مرقاۃ: ۷/۴۱۷/۲۔

فائدہ: (۱)......حاکم کو چاہئے کہ اپنے ماتحتوں کی پوری نگرانی رکھے۔

(۲)......ماتحتوں سے حساب بھی لینا چاہئے۔

(۳)......ماتحتوں کی کوتاہی پر ان کو تنبیہ وتادیب کرنا بھی درست ہے۔

(۴)......ماتحتوں کی کوتاہی کو دوسروں کی تعلیم کی خاطر دوسروں کے سامنے بیان کرنا بھی درست ہے۔

خیانت کا وبال

{۱۶۸۸} وَعَنْ عَدِيِّ بْنِ عَمِيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اسْتَعْمَلْنَاهُ مِنْكُمْ عَلٰى عَمَلٍ فَكَتَمَنَا مِخْيَطاً فَمَا فَوْقَهُ كَانَ غُلُوْلًا يَأْتِيْ بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۲/۱۲۴، باب ھدایا العمال۔ کتاب الامارۃ، حدیث نمبر: ۱۸۳۳۔

حل لغات: فکتمنا: کتم (ن) کتما: چھپانا، مخیطا: بمعنی سوئی، خاطه (ض) خیطا الثوب: سینا، غلولا: خیانت کرنا، غله (ن) غلا الشی: چپکے سے لینا۔

ترجمہ: حضرت عدی بن عمیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "کہ آپ لوگوں میں سے جن کو ہم نے عامل بنایا کسی کام میں پھر اس نے ایک سوئی یا اس سے

کم بھی چھپایا یہ خیانت ہے، جسے وہ قیامت کے دن لے آئے گا۔

تشریح: کان غلولا یأتی به یوم القیام: یعنی جو شخص کسی کام کے لئے یا تحصیل زکوٰۃ کیلئے عامل بنایا جائے تو اس شخص کو چاہئے کہ اس مال زکوٰۃ میں ذرا سی بھی خیانت وغیرہ نہ کرے، اور نہ ہی اس کو چھپائے، اسلئے کہ اگر اس نے ایسی حرکت کی تو قیامت کے دن جب کہ تمام لوگوں کا اجتماع ہوگا تو وہ ان خیانت شدہ چیزوں کو لیکر آئیگا اور لوگوں کے سامنے اس کی بڑی ذلت اور رسوائی ہوگی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں خود ارشاد فرمایا ہے کہ "ومن یغلل یأت بما غل یوم القیامة" الآیة۔ (سورۃ آل عمران:۱۶۱) [یعنی جو کوئی چھپائے گا وہ لائے گا اپنی چھپائی چیز قیامت کے دن۔] خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جب کسی کو عامل بننے کا موقعہ ملے تو اسے چاہئے کہ مکمل دیانتداری کا ثبوت دے، اور کسی طرح کی کوئی خیانت نہ کرے، ورنہ یہ خیانت قیامت کے دن اس کیلئے سخت ذلت ورسوائی کا ذریعہ ہوگی۔

﴿الفصل الثانی﴾

مال جمع کرنے کا حکم

{۱۶۸۹} وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ ہٰذِہِ الْاٰیَۃُ وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّہَبَ وَالْفِضَّۃَ کَبُرَ ذٰلِکَ عَلَی الْمُسْلِمِیْنَ فَقَالَ عُمَرُ اَنَا اُفَرِّجُ عَنْکُمْ فَانْطَلَقَ فَقَالَ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ اِنَّہٗ کَبُرَ عَلٰی اَصْحَابِکَ ہٰذِہِ الْاٰیَۃُ فَقَالَ اِنَّ اللّٰہَ لَمْ یَفْرِضِ الزَّکٰوۃَ اِلَّا لِیُطَیِّبَ مَابَقِیَ مِنْ اَمْوَالِکُمْ وَاِنَّمَا فَرَضَ الْمَوَارِیْثَ وَذَکَرَ کَلِمَۃً لِتَکُوْنَ لِمَنْ بَعْدَکُمْ فَقَالَ فَکَبَّرَ عُمَرُ ثُمَّ قَالَ لَہٗ اَلَا اُخْبِرُکَ بِخَیْرِ مَایَکْنِزُ الْمَرْءُ اَلْمَرْءَۃُ الصَّالِحَۃُ اِذَا نَظَرَ اِلَیْہَا سَرَّتْہُ وَاِذَا اَمَرَہَا اَطَاعَتْہُ وَاِذَا غَابَ عَنْہَا حَفِظَتْہُ۔ ﴿رواہ ابوداؤد﴾

حوالہ: ابوداؤدشریف: ۲۳۵، باب حقوق المال، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۱۶۶۴۔

حل لغات: یکنزون: کنز (ض) کنزا المال: جمع کرنا، زمین میں دفن کرنا، (الذھب: مصدر ہے، بمعنی سونا، اس کی جمع 'اذھاب' اور 'ذھوب' آتی ہے، الفضۃ: بمعنی چاندی، افرج: فرجا وفرج (تفعیل) الشی: کھولنا، فانطلق: طلق (س) طلقا: دور ہونا، وانطلق (انفعال) انطلاقا: جانا، لیطیب: طاب (ض) طیبا وطیبۃ: اچھا اور عمدہ ہونا، وطیب الشیئ: اچھا کرنا، المواریث: جمع ہے 'میراث' کی، بمعنی ترکہ، سرتہ: سرہ (ن) سرورا: خوش کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ جولوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں، یہ آیت مسلمانوں پر بھاری ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میں آپ لوگوں سے یہ دشواری دور کردونگا، چنانچہ انہوں نے جاکر کہا اے اللہ کے رسول! یہ آیت آپ کے اصحاب پر گراں گذری ہے، تو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ اس لئے فرض کی ہے تاکہ پاک کرے ان مالوں کو جو تمہارے پاس باقی رہ گئے ہیں، اور میراث بھی فرض کی ہے، اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کلمہ ذکر کیا (جو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو یاد نہ رہا) تاکہ یہ میراث بعد والوں کے لئے ہو، چنانچہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا عمر نے ''اللہ اکبر'' کہا، پھر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا میں آپ کو اس سے اچھی چیز سے باخبر نہ کردوں جو لوگ جمع کرتے ہیں (وہ چیز) نیک عورت ہے، جب شوہر اس کو دیکھے تو وہ اس کو خوش کردے، اور جب شوہر حکم کرے تو وہ اس کی فرمانبرداری کرے اور جب شوہر اس سے غائب ہو تو وہ عورت اس کی حفاظت کرے۔

تشریح: قال لما نزلت ھذہ الآیۃ: صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اولاً اس آیت کا مطلب یہ سمجھتے تھے کہ ضرورت سے زائد مال جمع کرنا مطلقاً مذموم ہے، اور اسی پر وعید بیان کی گئی ہے، لیکن حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وضاحت فرمادی کہ ضرورت سے زائد مال جمع کرنا مطلقاً مذموم نہیں، بلکہ مذموم اس وقت ہے جب کہ اس کے حقوق اداء نہ کئے جائیں۔

04 Kitabuz Zakat

ان اللہ لم یفرض الزکوۃ الا لیطیب: یعنی اگر مال جمع کرنا مطلقاً مذموم ہوتا تو زکوۃ کا چالیسواں حصہ تم پر مقرر نہ ہوتا، بلکہ حکم ہوتا کہ ضرورت سے زائد سارا مال فقراء کو دے دو، زکوۃ فرض کی ہی اس لئے گئی ہے، کہ تم زکوۃ ادا کردو گے تو تمہارا مال پاک وصاف ہوجائے گا، اور تم آیت میں بیان کردہ وعید کے مصداق نہ رہوگے۔

وانما فرض المواریث: یعنی اگر ضرورت سے زائد مال جمع کرنا مطلقاً مذموم ہوتا تو حق تعالیٰ میراث کے احکام نازل نہ فرماتے، میراث کے احکام نازل فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ ضرورت سے زائد مال جمع کرنے کی فی الجملہ اجازت ہے۔

لتکون لمن بعدکم: ای لتکون طیبۃ لمن بعدکم۔ یہ تعلیل ہے، "فرض المواریث" کی یعنی میراث کے احکام نازل اس لئے کئے گئے ہیں کہ یہ مال تمہارے ورثہ کے لئے جائز اور پاکیزہ مال ہو خواہ ان کے پاس پہلے سے ضرورت کی بقدر مال موجود ہو یا نہ ہو، درمیان میں "ذکر کلمۃ" یہ جملہ معترضہ ہے، اور راوی کا کلام ہے، یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس موقعہ پر ایک اور بات بھی فرمائی جو انہیں یاد نہیں رہی۔ (اشرف التوضیح) مرقاۃ: ۲/ ۴۱۱۔

نیک بیوی

الا اخبرک بخیر مایکنز المرأ المرأۃ الصالحۃ: یعنی حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب یہ دیکھا کہ مذکورہ آیت کی وضاحت کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خوشی اور مسرت سے نعرۂ تکبیر یعنی "اللہ اکبر" کی صدا بلند کی تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دنیا کی چیزوں میں ایسی چیز کی طرف توجہ دلائی جو قابل رغبت اور ذخیرہ کی جانے والی چیزوں میں سب سے عمدہ اور بہترین چیز ہے، اور وہ نیک عورت اور صالح بیوی ہے، لہٰذا اگر قدر اور رغبت کرنی ہو تو اس چیز کی کرو، اس لئے کہ مال و دولت سے نفع تو تمہیں اسی وقت حاصل ہوگا جبکہ تم اس کو خرچ کرو، اور وہ تم سے جدا ہوجائے برخلاف بیوی کے کہ اس کا نفع بے انتہا ہے، اس لئے کہ وہ تمہارے ساتھ جب تک ہے تمہاری

ساتھی اور رفیق اور دم ساز ہے، جب تمہارے سامنے آئے اور تم اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھو تو اپنے حسن صورت اور حسن سیرت سے تمہیں خوش کر دے، شوہر کی فرماں بردار ہو، شہوت کے وقت اس سے اپنی قضاء حاجت پوری ہو، تمہارے راز اور بھیدوں کو چھپانے والی ہو، اور جب تم کہیں جاؤ تو وہ تمہارے گھر کی اور بال بچوں کی حفاظت کرنے والی ہو۔ (مرقاۃ: ۴۱۹/۲)

فوائد: (۱)......زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد مال صاف ستھرا اور پاکیزہ ہو جاتا ہے۔ اس کے جمع کرنے میں مضائقہ نہیں۔

(۲)......دنیا کے تمام مال و اسباب کے مقابلہ میں اچھی عورت زیادہ قابل رغبت اور قابل قدر ہے۔

(۳)......اچھی عورت کے صفات کا علم ہوا۔

زکوٰۃ دینے والے کے لئے دعاء کرنا

{۱۶۹۰} **وَعَنْ** جَابِرِ بْنِ عَتِيْكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَيَأْتِيْكُمْ رُكَيْبٌ مُبْغَضُوْنَ فَإِذَا جَاءُوْكُمْ فَرَحِّبُوْا بِهِمْ وَخَلُّوْا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَايَبْتَغُوْنَ فَإِنْ عَدَلُوْا فَلِأَنْفُسِهِمْ وَإِنْ ظَلَمُوْا فَعَلَيْهِمْ وَأَرْضُوْهُمْ فَإِنَّ تَمَامَ زَكٰوتِكُمْ رِضَاهُمْ وَلِيَدْعُوْا لَكُمْ۔ ﴿رواہ ابوداؤد﴾

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۲۲۴/۱، باب رضاء المتصدق، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۱۵۸۸۔

ترجمہ: حضرت جابر بن عتیک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ عنقریب تمہارے پاس چھوٹا سا قافلہ آئے گا، جو دشمن سمجھا جاتا ہے، جب وہ تمہارے پاس آئے اسے خوش آمدید کہو، اس قافلہ کا اور جس کی تلاش میں آئے ہیں اس چیز کا راستہ خالی کر دو، اگر وہ انصاف کریں تو ان ہی لوگوں کا فائدہ ہے، لیکن اگر ظلم کریں تو ان لوگوں کا نقصان ہے، اور انہیں خوش رکھو اس لئے کہ زکوٰۃ کی تکمیل ان ہی لوگوں کی رضامندی میں ہے، اور ان لوگوں کو چاہئے کہ

تمہارے حق میں دعاء کریں۔

تشریح: سیأتیکم رکیب مبغضون: اس حدیث شریف میں آنحضرت ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ تمہارے پاس ایسے قافلے اور سوار آئیں گے جو تمہارے نزدیک مبغوض ہوں گے، زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو مبغوض اس لئے فرمایا کہ وہ انسان سے ایسی چیز لینے آتے ہیں جو اس کو طبعاً محبوب ہے، یعنی مال، تو گویا یہ لوگ اس لحاظ سے طبعاً مبغوض ہوئے اور یہ مطلب نہیں کہ وہ شرعاً بھی قابل بغض ہیں، اس لئے کہ شرعاً مبغوض تو وہ اس وقت ہو سکتے ہیں جب وہ واقعی زکوٰۃ لینے میں ظلم وزیادتی کریں، اور یہاں یہ بات ہے نہیں اس لئے کہ یہ ان عمال کے بارے میں کہا جارہا ہے، جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں تھے، اور ظاہر ہے کہ وہ ظلم کر نہیں سکتے، اور بعض شراح نے اس حدیث کو ہر زمانہ کے لئے عام مانتے ہوئے اور ظلم کو اس کے ظاہر پر رکھتے ہوئے یہ کہا کہ آنحضرت ﷺ نے باوجود ظلم کے پوری زکوٰۃ دینے کا امر اس لئے فرمایا: کہ پوری نہ دینے میں مخالفت سلطان ہے، اس لئے کہ عامل اس کا نائب ہوتا ہے، اور مخالفت سلطان میں فتنہ ہے، لیکن اس کو رد کر دیا گیا کہ اگر یہ بات ہوتی تو آنحضرت ﷺ کتمانِ مال کی اجازت دے دیتے، ظلم سے بچنے کے لئے اور اس صورت میں مخالفت بھی نہ پائی جاتی، حالانکہ آنحضرت ﷺ نے ارباب اموال کو کتمان کی اجازت نہیں دی۔ (الدر المنضود:۵۶/۳) مرقاۃ:۴۱۹/۲، التعلیق:۲۸۷/۲۔

فوائد: (۱)......زکوٰۃ وصول کرنے والوں کا خوش دلی سے استقبال کرنا چاہئے۔

(۲)......زکوٰۃ کا حسن وکمال یہ ہے کہ زکوٰۃ خوش دلی سے دی جائے۔

(۳)......زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو بھی چاہئے کہ زکوٰۃ دینے والوں کے لئے دعا کریں۔

عاملین کو راضی رکھا جائے

{۱۶۹۱} وَعَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ جَاءَ

نَاسٌ یَعْنِیْ مِنَ الْاَعْرَابِ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا اِنَّ نَاساً مِنَ الْمُصَدِّقِیْنَ یَاْتُوْنَا فَیَظْلِمُوْنَا فَقَالَ اَرْضُوْا مُصَدِّقِیْکُمْ قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! وَاِنْ ظَلَمُوْنَا قَالَ اَرْضُوْا مُصَدِّقِیْکُمْ وَاِنْ ظُلِمْتُمْ۔ ﴿رواہ ابوداؤد﴾

حوالہ: ابوداؤدشریف: ۱/۲۲۴، باب رضاء المتصدق، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر:۱۵۸۹۔

حل لغات: الاعراب: جمع ہے، اعرابی: یعنی عرب دیہات کے باشندے۔

ترجمہ: حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ دیہات کے لوگوں نے حضرت رسول اکرم ﷺ کے پاس آ کر کہا کہ زکوٰۃ وصول کرنے والے لوگ ہمارے پاس آتے ہیں، اور ظلم کرتے ہیں، تو جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو تم لوگ راضی رکھو، ان دیہاتیوں نے کہا: یارسول اللہ! اگر چہ وہ لوگ ہمارے اوپر ظلم کریں، جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو تم لوگ راضی رکھو اگر چہ تم پر ظلم ہو۔

تشریح: قال ارضوا مصدقیکم و ان ظلمتم: یعنی زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو اپنی طرف سے راضی کرنے میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرو، اگر چہ تمہیں ایسا لگے کہ وہ تم پر ظلم کر رہے ہیں، تمہارے مال کی محبت کی وجہ سے، پھر بھی ان کو پوری پوری زکوٰۃ ادا کر کے ان کو راضی اور خوش کرو۔ چونکہ آدمی کو مال سے محبت ہوتی ہے، اس بنیاد پر اگر چہ مال کا واجبی حق لیا جاتا ہے، پھر بھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ زیادہ لے کر ظلم کیا جارہا ہے، اس شکایت کی یہی حقیقت تھی، اس لئے حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اگر چہ وہ ظلم کریں ان کو راضی رکھنے کی کوشش کرو۔

عامل سے مال چھپایا نہ جائے

{۱۶۹۲} وَعَنْ بَشِیْرِ بْنِ الْخَصَاصِیَّۃِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قُلْنَا

اِنَّ اَھْلَ الصَّدَقَةِ يَعْتَدُّوْنَ عَلَيْنَا اَفَنَكْتُمُ مِنْ اَمْوَالِنَا بِقَدْرِ مَايَعْتَدُوْنَ قَالَ لَا۔ ﴿رواہ ابوداؤد﴾

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۲۲۴، باب رضاء المتصدق، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر:۱۵۸۶۔

حل لغات: يعتدون: عدا (ن) عدوا عليه: ظلم کرنا، اعتدى (افتعال) اعتداء على فلان: ظلم کرنا، افنکتم: کتم (ن) کتما: پوشیدہ کرنا، چھپانا۔

ترجمہ: حضرت بشیر بن خصاصیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت رسول اکرم ﷺ سے کہا کہ صدقہ وصول کرنے والے لوگ ہمارے اوپر ظلم کرتے ہیں، تو کیا ان کے ظلم کرنے کے بقدر ہم اپنے مالوں کو چھپالیں؟ حضرت نبی کریم ﷺ نے جواب دیا کہ نہیں۔

تشریح: افنکتم من اموالنا بقدر ما یعتدون علینا: یعنی زکوٰۃ وصول کرنے والے جب ہمارے پاس زکوٰۃ کی وصولیابی کے لئے آتے ہیں تو جتنی مقدار زکوٰۃ ہم پر فرض ہوتی ہے اس مقدار سے زائد ہم سے وصول کرتے ہیں، تو کیا جب یہ شکل ہو اور ہمیں یہ علم ہو کہ زکوٰۃ وصول کرنے والے مثلاً پانچ اونٹ کی زکوٰۃ میں ہم سے دو بکری وصول کریں گے، جب کہ پانچ اونٹ میں ایک بکری واجب ہوتی ہے تو اگر ہمارے پاس مثلاً دس اونٹ ہوں تو کیا ہمارے لئے جائز ہے کہ ہم ان عاملین سے اونٹوں کی تعداد پانچ بتائیں اور پانچ اونٹ کو نہ بتائیں تا کہ وہ ہم سے پانچ اونٹ کی زکوٰۃ دو بکری وصول نہ کریں، اور ہم پر ظلم نہ ہو، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اس استفسار کے جواب میں ارشاد فرمایا: کہ نہیں تمہیں ایسا کرنے کی اجازت نہیں، اور اجازت نہ دینے کی وجہ یہ تھی کہ اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کو مال چھپانے کی اجازت دیدیتے تو بہت سے لوگ اپنے اموال کو بلا وجہ بھی عاملوں سے چھپا لیتے، حالانکہ عمال ان کے اوپر ظلم وزیادتی نہیں کرتے، دوسری بات یہ ہے کہ مال کا چھپانا خیانت ہے، اور خیانت و دھوکہ جھوٹ اور مکروہ ہے۔ (مرقاۃ:۴۲۰/۲)

عاملین کی فضیلت

{۱۶۹۳} وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْعَامِلُ عَلَى الصَّدَقَةِ بِالْحَقِّ كَالْغَازِيْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلٰى بَيْتِهٖ۔ ﴿رواه ابوداؤد والترمذی﴾

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۷/۴۰۷، باب فی العایة علی الصدقة، کتاب الخراج والفیٔ الخ، حدیث نمبر: ۲۹۳۶۔ ترمذی شریف: ۱/۱۴۰، باب ماجاء فی العامل الخ، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۶۴۵۔

حل لغات: الغازی: اسم فاعل ہے، بمعنی جہاد کرنے والا۔ غزا (ن) غزو اًالقوم: بمعنی کسی قوم سے جنگ کے لئے چلنا۔

ترجمہ: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”کہ حق کے مطابق صدقہ وصول کرنے والا اپنے گھر واپس آنے تک غازی فی سبیل اللہ کے مانند ہے۔

تشریح: کالغازی فی سبیل اللّٰہ حتی یرجع: یعنی جو عامل صدق واخلاص اور بنیت ثواب اس کام کو انجام دے اور زکوٰۃ وصول کرنے میں کسی پر ظلم وزیادتی نہ کرے تو ایسے عامل کو غازی فی سبیل اللہ کا ثواب ملتا ہے۔ چونکہ جس طریقے سے مجاہدین دین کی حفاظت اور اس کے فروغ کے لئے کام کرتے ہیں اسی طریقے سے یہ عاملین بھی بیت المال کے لئے کام کرکے دین کی اعانت کرتے ہیں، اس لئے ثواب یکساں ہے۔

فائدہ: اخلاص کے ساتھ مدارس کیلئے چندہ کرنے والے بھی ان شاء اللہ اسی حکم میں ہیں۔

زکوٰۃ لینے دینے کا ادب

{۱۶۹۴} وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنِ

النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَاجَلَبَ وَلَاجَنَبَ وَلَایُؤْخَذُ صَدَقَاتُہُمْ اِلَّا فِیْ دُوْرِھِمْ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤدشریف: ۱/۲۲۵، باب این تصدق الاموال، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۱۵۹۱۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب سے روایت ہے انہوں نے اپنے باپ اور انہوں نے اپنے دادا سے روایت کی کہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کہ نہ الگ کرے، نہ دور کرے، اور صدقہ وصول کرنے والے صدقہ دینے والے کے گھر ہی میں وصول کرے۔

تشریح: لا جلب و لا جنب الخ: دونوں جگہ نفی بمعنی نہی ہے، مطلب یہ ہے کہ نہ جلب کی اجازت ہے، نہ جنب کی، جلب اور جنب یہ دونوں لفظ کتاب الزکوٰۃ میں بھی استعمال ہوتے ہیں، اور کتاب الجہاد میں بھی، دونوں جگہ ان کی تفسیر الگ الگ ہے۔

بعض ساعی اور عامل ایک جگہ بیٹھ جاتے ہیں اور مالکان سے یہ کہتے ہیں کہ اپنے مویشی وغیرہ یہاں لے آؤ، یہیں حساب کر کے زکوٰۃ وصول کر لی جائے گی، اس کو جلب کہتے ہیں، جلب کے لغوی معنی ہیں کھینچنا، یہاں بھی چونکہ جانوروں کو کھینچ کر لایا جاتا ہے، اس لئے اس کو جلب کہدیتے ہیں، حدیث شریف میں اس سے ممانعت کر دی گئی ہے، ساعی کو خود ہر ایک کے ڈیرے پر پہنچنا چاہئے، کیونکہ جلب سے مالکان کو تکلیف ہوتی ہے، اور بعض اوقات مالکان ساعیوں کو تنگ کرنے کے لئے یہ حرکت کیا کرتے ہیں کہ جب اس کے آنے کا وقت ہوتا ہے تو اپنا مال وغیرہ لے کر کہیں دور چلے جاتے ہیں، اس کو جنب کہتے ہیں، جنب کے لغوی معنی ہیں دور لیجانا، جنب بھی ناجائز ہے، کیونکہ اس سے ساعیوں کو تکلیف ہوتی ہے، یہ تفسیر اس وقت ہے جب کہ یہ لفظ کتاب الزکوٰۃ میں استعمال ہو، اس حدیث شریف میں جلب و جنب کی یہی تفسیر ہے، حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے بعد ارشاد فرمایا ہے: ''و لا تو خذ صدقاتہم الا فی دور ھم'' اس میں ''توخذ'' مجہول کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے، اس کی وجہ سے اس کا تعلق جلب اور جنب دونوں کے ساتھ ہو گیا، یعنی زکوٰۃ مالکان کے گھروں ہی میں وصول کی جانی چاہئے، ساعی کو چاہئے کہ وہ گھر میں آ کر وصول کرے، اور مالک کو چاہئے کہ وہ گھر ہی میں ادا کرے۔

جب یہ لفظ کتاب الجہاد میں استعمال ہوتو اس کی اور تفسیر ہوتی ہے، گھوڑ دوڑ میں اور بعض اوقات گھوڑا کبھی ایسا ہوتا ہے جو شور مچائے بغیر زیادہ تیز نہیں چلتا اس لئے بعض اوقات کوئی فریق اپنے ساتھ ایسا آدمی رکھتا ہے جو شور مچاتا رہتا ہے تاکہ گھوڑا تیز دوڑے، اس کو جلب کہتے ہیں، بعض اوقات ایسا کیا جاتا ہے کہ ایک فریق اپنے گھوڑے کے ساتھ ایک زائد گھوڑا رکھ لیتا ہے تاکہ اگر پہلا تھکنے لگے تو دوسرے پر سوار ہوجائے اس کو جنب کہتے ہیں ان دونوں کی بھی اجازت نہیں ہے۔

جلب اور جنب کی تیسری صورت بیع میں ہوتی ہے، جلب کی صورت یہ ہے کہ باہر سے کوئی قافلہ مال تجارت لارہا ہو اور ایک آدمی شہر کے باہر جاکر راستہ میں تمام مال خرید لیتا ہے، اور جنب کی صورت یہ ہے کہ شہر کا کوئی تاجر کسی باہر تاجر کے پاس سب مال بیچ ڈالتا ہے، تو ان دونوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا، کیونکہ اس سے شہر والوں کو ضرر ہوتا ہے، اگر ضرر نہ ہوتو جائز ہے، باقی تفصیل کتاب البیوع میں آئیگی۔

(اشرف التوضیح:۲۲۹/ ۲، الدر المنضود:۶۱/ ۳) مرقاۃ:۴۲۰/ ۲، التعلیق:۴۰۳/ ۶۔

فرضیت زکوٰۃ کے لئے حولان حول ضروری ہے

{۱۶۹۵} وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنِ اسْتَفَادَ مَالًا فَلَا زَکٰوۃَ فِیْہِ حَتّٰی یَحُوْلَ عَلَیْہِ الْحَوْلُ۔ (رواہ الترمذی) وَذَکَرَ جَمَاعَۃً اَنَّہُمْ وَقَفُوْہُ عَلَی ابْنِ عُمَرَ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۱۳۸/ ۱، باب ما جاء لا زکوٰۃ علی المال المستفاد حتی یحول علیہ الحول۔ حدیث نمبر: ۶۳۱۔

حل لغات: یحول: حال (ن) علیھا الحول: پورا سال گذرنا، وقفوہ: وقف (ض) وقفا وقوفا: ٹھہرنا، وقوف کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’جس کو مال ملے اس پر زکوٰۃ نہیں ہے، یہاں تک کہ پورا سال گذر جائے، اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے، اور انہوں نے ایک جماعت کا تذکرہ کیا ہے، جس نے اس کو ابن عمر پر موقوف ٹھہرایا ہے۔

مالِ مستفاد کا حکم

تشریح: مالِ مستفاد پر زکوٰۃ کے وجوب کے لئے حولان حول شرط ہے یا نہیں؟

مال مستفاد کی کئی صورتیں ہیں، بعض کا حکم اتفاقی ہے، بعض میں اختلاف ہے۔

(۱)...... پہلے ایک آدمی مالک نصاب نہیں تھا، اب مالکِ نصاب ہوگیا اس صورت میں بالاتفاق سال کے بعد زکوٰۃ واجب ہوگی۔

(۲)...... پہلے مالک نصاب تھا، درمیان سال میں مثلاً چھ ماہ بعد اور مال مل گیا لیکن یہ دوسرا مال پہلے کی جنس سے نہیں، مثلاً پہلے بکریوں کے نصاب کا مالک تھا، چھ ماہ بعد اونٹوں کے نصاب کا بھی مالک ہوگیا، اس صورت میں بھی بالاتفاق نئے حاصل ہونے والے مال پر وجوبِ زکوٰۃ کے لئے حولان حول شرط ہے، دونوں قسم کے مالوں کا الگ الگ حساب چلے گا، مثلاً بکریوں کے نصاب کا مالک محرم کے شروع میں ہوا تھا، اور رجب کے شروع میں اونٹوں کے نصاب کا مالک ہوگیا تھا، تو بکریوں کی زکوٰۃ کی ادائیگی اگلے سال محرم میں واجب ہوگی، اور اونٹوں کی زکوٰۃ کی ادائیگی رجب میں۔

(۳)...... ایک شخص پہلے مالک نصاب تھا، درمیان سال میں مزید مال مل گیا پہلے مال کی جنس سے، مثلاً پہلے پانچ اونٹ سائمہ تھے، اب دس ہوگئے، اس تیسری صورت کی پھر دو شقیں ہیں:

(الف)... مال مستفاد پرانے مال کی ارباح یا اولاد میں سے ہو مثلاً تجارت کی وجہ سے پانچ

کے دس بن گئے یا پہلے پانچ نے بچے دیئے وہ بچے ملا کر دس بن گئے، یہ صورت بھی اتفاقی ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ اس مال مستفاد میں وجوب زکوٰۃ کے لئے حولانِ حول شرط نہیں بلکہ ان ارباح واولاد کا حساب پہلے مال کے ساتھ ہی ہوگا، جب ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی ان پر بھی واجب ہوجائے گی۔

(ب)... تیسری صورت کی دوسری شق یہ ہے کہ درمیان سال میں حاصل ہونے والا یہ مال پہلے مال کی جنس سے تو ہو لیکن مال قدیم کے ارباح یا اولاد میں سے نہ ہو، بلکہ وہ سبب جدید سے حاصل ہوا ہو، مثلاً پانچ نئے خرید لئے ہوں، کسی نے ہبہ کر دیئے ہوں، یا وراثت میں ملے ہوں وغیرہ وغیرہ۔ اس صورت میں اختلاف ہوا ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ان پر وجوب زکوٰۃ کے لئے حولان حول شرط ہے، پہلے مال کا الگ حساب ہوگا، اور اس مال مستفاد کا الگ، حنفیہ کے نزدیک اس دوسری شق میں بھی وجوب زکوٰۃ کے لئے حولان حول شرط نہیں، بلکہ یہ مال بھی پہلے مال کا تابع ہوگا، اسی کے ساتھ اس کا حساب کیا جائے گا۔

اس حدیث شریف میں ہے **"من استفاد مالا فلا زکوٰۃ علیہ حتی یحول علیہ الحول"** مال مستفاد کی پہلی دو صورتیں بالاتفاق اس حدیث شریف کا مصداق ہیں، اور تیسری صورت کی شق (الف) بالاتفاق اس حدیث کا مصداق نہیں، تیسری صورت کی شق (ب) میں اختلاف ہے، حنفیہ کے نزدیک یہ بھی اس حدیث شریف کا مصداق نہیں، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ شق اس حدیث شریف کا مصداق ہے اور حدیث شریف اس کو شامل ہے۔

شق "الف" کے اس حدیث کا مصداق نہ ہونے یعنی اس کے مالِ قدیم کے تابع ہونے کی علت یہ ہے کہ یہ مال مستفاد پہلے مال کی جنس سے ہے، ایک ہی جنس کے مالوں میں تمیز رکھنا اور ان کا الگ الگ حساب رکھنا مشکل ہے، اس لئے اس نئے مال کو پہلے مال کے تابع کر دیا گیا، اور یہی علت شق "ب" میں بھی پائی جاتی ہے، اس لئے وہ بھی مال سابق کے تابع ہونا چاہئے۔ (اشرف التوضیح: ۲/۲۳۰) التعلیق: ۲/۲۸۸۔ مرقاۃ: ۲/۴۳۱۔

زکوٰۃ کی پیشگی ادائیگی

{۱۶۹۶} وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّ الْعَبَّاسَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ تَعْجِيْلِ صَدَقَتِهٖ قَبْلَ أَنْ تَحِلَّ فَرَخَّصَ لَهٗ فِيْ ذٰلِكَ۔ ﴿رواہ ابوداؤد والترمذی وابن ماجۃ والدارمی﴾

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۲۲۹، باب تعجیل الزکوۃ، حدیث نمبر: ۱۶۲۴۔ ترمذی شریف: ۱/۱۴۶، باب فی تعجیل الزکوۃ، حدیث نمبر: ۶۷۸۔ ابن ماجہ شریف: ۱۲۸، باب تعجیل الزکوٰۃ الخ، حدیث نمبر: ۱۷۹۵۔ دارمی: ۱/۳۸۵، باب فی تعجیل الزکوۃ۔

حل لغات: ان تحل: حل (ض) حلولا علیہ الامر: واجب ہونا۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت رسول اکرم ﷺ سے صدقہ واجب ہونے سے پہلے ادا کرنے کے بارے میں دریافت کیا تو آنحضرت ﷺ نے ان کو اس کی اجازت مرحمت فرمائی۔

تشریح: فی تعجیل صدقتہ: یعنی حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا زکوٰۃ کی ادائیگی سال کے پورا ہونے سے پہلے کی جاسکتی ہے؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو زکوٰۃ کی ادائیگی سال کے پورا ہونے سے پہلے ادا کرنے کی اجازت دیدی، چنانچہ اس حدیث شریف کی وجہ سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سال گذرنے سے پہلے زکوٰۃ کا پیشگی ادا کرنا درست ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ زکوٰۃ کو پیشگی ادا کرنے والا نصاب کا مالک ہو، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پیشگی زکوٰۃ ادا کرنا درست نہیں ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۴۲۲)

یتیم کے مال میں زکوۃ

{١٦٩٧} وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ أَلَا مَنْ وُلِّيَ يَتِيْماً لَهُ مَالٌ فَلْيَتَّجِرْ فِيْهِ وَلَا يَتْرُكْهُ حَتّٰى تَأْكُلَهُ الصَّدَقَةُ۔ ﴿رواه الترمذی﴾ وَقَالَ فِيْ إِسْنَادِهِ مَقَالٌ لِأَنَّ الْمُثَنّٰى بْنَ الصَّبَاحِ ضَعِيْفٌ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ١/ ١٣٩، باب ماجاء فی زکوۃ مال الیتیم، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ٦٤١۔

حل لغات: ولی: ولی (س) ولایة: والی ہونا، وَلّٰی (تفعیل) تولیة: والی مقرر کرنا۔ فلیتجر: تجر (ن) تجرا و اتجر (افتعال) سوداگری کرنا، یترکہ: ترک (ن) ترکا: چھوڑنا۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب سے روایت ہے انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے اپنے دادا سے روایت کی کہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے تقریر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: خبردار! جو شخص یتیم کا والی مقرر ہوا، اور یتیم کا مال ہو تو اس کی تجارت کرے، اور اس کو چھوڑ نہ دے، یہاں تک کہ صدقہ اس کو کھا جائے۔ (ترمذی) اور کہا ہے کہ اس کی سند میں کلام ہے، اس لئے کہ مثنی بن صباح ضعیف ہیں۔

تشریح: الا من ولی یتیما له مال: حدیث ہذا میں یتیم سے نابالغ بچہ مراد ہے، خواہ اس کا والد زندہ رہے یا مر جائے۔ کمافی عرف الشذی۔ نابالغ بچہ کے مال میں زکوۃ واجب ہونے نہ ہونے میں اختلاف ہے، چنانچہ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ امام مالکؒ واحمدؒ واسحاقؒ کے نزدیک زکوۃ واجب ہے، اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت عمر، حضرت علی، وحضرت عائشہ، وابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی مذہب تھا، اور امام ابوحنیفہؒ وسفیان ثوریؒ وابراہیم نخعیؒ کے نزدیک نابالغ کے مال میں زکوۃ واجب نہیں، یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا مذہب تھا، اور

کبار تابعین میں سعید ابن جبیرؒ حسن بصریؒ اور سعید بن المسیبؒ کا قول ہے۔

فریق اول نے حدیث مذکور سے دلیل پیش کی، اور صدقہ سے زکوٰۃ مراد لی ہے، کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ نابالغ بچے کے مال میں تجارت کرکے بڑھاتے رہو، ورنہ صدقہ یعنی زکوٰۃ دیتے دیتے مال ختم ہو جائیگا، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ استدلال کرتے ہیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے کہ آپ نے فرمایا: "رفع القلم عن ثلاثة عن النائم حتی یستیقظ وعن الصبی حتی یحتلم وعن المجنون حتی یعقل" (رواہ ابو داؤد: ۶۰۴ / ۲، ترمذی شریف: ۲۶۳ / ۱)

تو جب صبی سے ہر قسم کا مواخذہ معاف ہے تو زکوٰۃ کس طرح واجب ہوگی، دوسری دلیل حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اثر ہے: "انه سئل عن مال الیتیم فقال احصن ماله ولا تزکیه" (رواه محمد فی کتاب الاٰثار)

تیسری دلیل حسن بصریؒ کا قول ہے: "لیس فی مال الیتیم زکوٰة و قال علیه اجماع الصحابة رضی الله عنهم هکذا قال سعید بن المسیب لا تجب الزکوٰة الا علی من وجبت علیه الصلوٰة والصیام"

دوسری بات یہ ہے کہ باتفاق امت نابالغ پر دوسرے ارکان واجب نہیں، حتی کہ خود ایمان بھی اس پر واجب نہیں، تو پھر زکوٰۃ کس طرح واجب ہوگی، یہ قیاس کے خلاف ہے، انہوں نے جو حدیث شریف پیش کی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو وہ حدیث ضعیف ہے، جیسا کہ خود امام ترمذی روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "فی اسناده مقال لان المثنی بن الصباح ضعیف" اسی طرح امام احمد ونسائی ضعیف قرار دیتے ہیں، دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں صدقہ سے مراد زکوٰۃ نہیں، بلکہ اس سے نفقۃ الیتیم والولی مراد ہے، کہ اگر نہ بڑھاؤ تو کھاتے کھاتے مال ختم ہو جائے گا، اور احادیث میں کھانے پر بھی صدقہ کا اطلاق ہوا ہے، جیسا کہ "صدقة المرأ علی نفسه وعیاله صدقة" لہٰذا حدیث ہذا سے استدلال صحیح نہیں ہوا۔ (درس مشکوۃ: ۱۶۸ / ۲) مرقاۃ: ۴۲۲ / ۲، التعلیق: ۲۸۹ / ۲۔

نیز یہاں صدقہ سے زکوٰۃ مراد لینا بہت مشکل ہے، اس لئے کہ حدیث شریف میں لفظ ہیں "حتی

تأکلہ الصدقۃ'' اکل کا متبادر مفہوم یہ ہے کہ اس صدقہ کی وجہ سے پورا مال ختم ہوجائے، اور یہ بات زکوٰۃ میں متحقق نہیں ہوسکتی اس لئے کہ زکوٰۃ تو چالیسواں حصہ نکالی جاتی ہے، ہر سال چالیسواں حصہ نکالتے نکالتے بلوغ تک اس کا مال کیسے ختم ہوسکتا ہے، نیز زکوٰۃ نکالتے نکالتے ایک وقت آئے گا کہ وہ مال نصاب سے کم رہ جائے گا، اب زکوٰۃ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بھی واجب نہیں رہے گی، اکل متحقق نہ ہوا، اس لئے بہتر یہی ہے کہ صدقہ سے مراد زکوٰۃ نہ لی جائے، بلکہ اس سے مراد نفقہ لیا جائے۔(اشرف التوضیح:۲/۲۳۲)

الفصل الثالث

ارتداد اور منع زکوٰۃ کے فتنے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی عزیمت

{۱۶۹۸} وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ لَمَّا تُوُفِّیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاسْتُخْلِفَ اَبُوْبَکْرٍ بَعْدَهٗ وَکَفَرَ مَنْ کَفَرَ مِنَ الْعَرَبِ قَالَ عَمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ لِاَبِیْ بَکْرٍ کَیْفَ تُقَاتِلُ النَّاسَ وَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَقُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَمَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ عَصَمَ مِنِّیْ مَالَهٗ وَنَفْسَهٗ اِلَّا بِحَقِّهٖ وَحِسَابُهٗ عَلَی اللّٰهِ فَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ وَاللّٰهِ لَاُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَیْنَ الصَّلٰوةِ وَالزَّکٰوةِ فَاِنَّ الزَّکٰوةَ حَقُّ الْمَالِ وَاللّٰهِ لَوْ مَنَعُوْنِیْ عَنَاقاً کَانُوْا یُؤَدُّوْنَهَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلٰی مَنْعِهَا قَالَ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ فَوَاللّٰهِ مَاهُوَ اِلَّا رَأَیْتُ اَنَّ اللّٰهَ شَرَحَ صَدْرَ اَبِیْ بَکْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ لِلْقِتَالِ فَعَرَفْتُ اَنَّهُ الْحَقُّ۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۱۸۸، باب وجوب الزکوۃ، کتاب الزکوۃ، حدیث

نمبر: ۱۳۹۹۔مسلم شریف: ۱/۳۷، باب الامر بقتال الناس، کتاب الایمان، حدیث نمبر ۲۰۔

حل لغات: توفی: وفی (ض) وفاء: پورا کرنا، وفی (تفعیل) توفیه: پورا کرنا، اسی سے ہے: 'الوفاۃ'، جمع: وفیات، بمعنی فوت۔ امرت: ماضی مجہول کا صیغہ ہے، امر (ن) امرا: حکم دینا۔ عصم: (ض) عصما الشی: روک لینا، عناقا: بکری کا وہ بچہ جس کی عمر ایک سال سے کم ہو، ج: اعنق اور عنوق۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوگیا، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ بنائے گئے، تو عرب لوگوں میں جو کافر ہونے والے تھے وہ کافر ہو گئے، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: آپؓ ان لوگوں سے کیسے قتال کریں گے، حالانکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں، یہاں تک کہ وہ "لا الہ الا اللہ" کہیں، تو جس شخص نے "لا الہ الا اللہ" کہا اس نے اپنی جان اور اپنا مال مجھ سے بچا لیا، سوائے اسلام کے حق کے، اور اس کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے (حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ بات سن کر) فرمایا: قسم ہے اللہ کی، میں ہر اس شخص سے ضرور قتال کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ کے درمیان تفریق کرے، کیونکہ (جس طرح نماز جان کا حق ہے اسی طرح) زکوٰۃ (بھی) مال کا حق ہے، اور (اے عمر سنو!) اللہ کی قسم اگر وہ لوگ بکری کا وہ ایک بچہ جو حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے اب مجھ کو نہ دیں گے تو میں (اس بچہ کے لئے بھی) ان سے قتال کروں گا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: خدا کی قسم حقیقت حال سے میں واقف ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینے کو قتال کے لئے کھول دیا، چنانچہ میں سمجھ گیا کہ وہی حق ہے۔

تشریح: واستخلف ابوبکر بعدہ وکفر من کفر من العرب: یہ حدیث شریف کافی محتاج تشریح وتوضیح ہے، شراح نے اس پر خوب لکھا ہے، ہم کوشش کریں گے کہ حسب ضرورت اس کا خلاصہ یہاں آجائے۔ واللہ المستعان!

مناظرۂ شیخین والی حدیث کی تشریح

اس حدیث شریف میں دو جزء ہیں ایک ''کفر من کفر من العرب'' یہ تو تاریخی چیز ہے، اور جزءِ ثانی اس کا مناظرۂ شیخین ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اشکال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ''کیف تقاتل الناس'' یہ اصولی اور فقہی مسئلہ ہے، جزءِ اول پر بعض شراح نے تفصیلی کلام کیا ہے، اور بعض نے مختصراً علامہ قسطلانی نے شرح بخاری میں اس پر مختصر ا ہی لکھا ہے ہم پہلے اسی کو لیتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوئ حدیث مناظرۂ شیخین کی تمہید میں فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے اور بعض قبائل عرب مرتد ہو گئے (جس پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے قتال کا ارادہ فرمایا) تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا ''کیف تقاتل الناس الخ''

حدیث شریف کا جزءِ اول مرتدین کی تعیین

علامہ قسطلانی ''کفر من کفر'' پر لکھتے ہیں، بعض تو ان میں سے کافر ہوئے، عبادتِ اوثان کی وجہ سے اور بعض مسیلمہ کذاب کے اتباع کی وجہ سے اہل یمامہ وغیرہ، اور بعض اپنے ایمان پر قائم رہے، لیکن وہ زکوٰۃ دینے سے انکار کر بیٹھے، (اس تاویل باطل کے ذریعہ) کہ زکوٰۃ تو عہد نبوی کے ساتھ خاص تھی، ''لقولہ تعالیٰ خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم وتزکیھم بھا'' الآیۃ۔ دیکھئے اس آیت میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خطاب ہے کہ آپ ان سے زکوٰۃ لیجئے، اور زکوٰۃ لے کر ان کو گناہوں کے اثرات سے پاک کیجئے، نیز ان کے حق میں دعاء بھی کیجئے، بے شک تمہاری دعاء ان کے لئے موجب سکون وطمانینت ہے، اور یہ شان عالی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کی تھی کہ آنحضرت ﷺ کی دعاء باعث سکون تھی، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غیر کو یہ صفت کہاں حاصل ہے کہ وہ زکوٰۃ لے۔

اورامام نوویؒ نے شرح مسلم میں خطابی سے اس پر تفصیلی کلام نقل فرمایا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اہل ردت کی دوصنف تھیں،

صنف اول: وہ لوگ جو بالکل ہی اسلام سے پھر گئے تھے، اس صنف میں دوطرح کے لوگ تھے، بعض وہ تھے جوجھوٹے مدعیان نبوت مسیلمہ واسود عنسی وغیرہ کے اصحاب میں شامل ہو گئے تھے، اور بعض وہ تھے جو اپنی جاہلیت سابقہ کی طرف لوٹ گئے تھے، یعنی عبادت اصنام اور کفر وشرک (اوراس ارتداد میں اتنا عموم وابتلاء ہوا کہ) بسیط ارض پر صرف تین مسجدیں ایسی رہ گئی تھیں جن میں اللہ تعالیٰ کی عبادت ہوتی تھی، مسجد مکہ، مسجد مدینہ، اور مسجد عبدالقیس بحرین کے قریہ جواثی میں۔

صنف ثانی: وہ لوگ تھے جو صلوٰۃ اور دیگر شرائع اسلام کو تو مانتے تھے، لیکن زکوٰۃ کی فرضیت اوراس کے اداء الی الامام کا انکار کرتے تھے، یہ لوگ درحقیقت مرتد اور کافر نہیں تھے، بلکہ باغی تھے، مرتدین کی کثرت کی وجہ سے ان میں خلط ہو گئے تھے۔ اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ اس زمانہ میں راہِ حق سے بھٹکنے والے دوقسم کے تھے: (۱) مرتدین جس میں دوطرح کے لوگ تھے، کما سبق۔ (۲) فارقین بین الصلوٰۃ والزکوٰۃ جن کو باغی کہنا چاہئے۔

خطابی کے کلام سے معلوم ہو رہا ہے کہ فتنۂ ارتداد کی وباء تمام بلادِ عرب میں پھیل گئی تھی، جس نے عموم وشیوع کی شکل اختیار کر لی تھی، اس پر حضرت شیخ نے حاشیۂ بذل میں اشارۃً اور شاہ صاحب نے فیض الباری میں صراحۃً نقل کیا ہے کہ اس طرح نقل کرنے میں دینی مضرت کے علاوہ یہ ہے کہ یہ بات خلاف واقع بھی ہے، "وقد مر منی عن ابن حزم" (فی کتابہ الملل والنحل) انہ لم یرتد الا شرذمۃ "قلیلۃ" (فیض الباری)

حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کا مضمون "اشاعت اسلام" میں اس ارتداد سے متعلق قابل مطالعہ ہے۔

اس میں حضرت مولانا لکھتے ہیں فتح مکہ اور وفات رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں تقریباً ڈیڑھ سال کا زمانہ ہے، (کذافی الاصل والصواب علی الظاہر ڈھائی سال) اس عرصہ میں سارے ملک عرب میں اسلام

پھیل گیا، اور غالباً قبائل عرب میں کوئی قبیلہ بھی ظاہراً اسلام سے منحرف نہ رہا، لیکن ان نومسلموں میں بہت سے ایسے تھے جو فی الواقع مسلمان نہ ہوئے تھے، بلکہ اپنی قوم کی دیکھا دیکھی احکام اسلام ادا کرنے لگے، اور زمرۂ مسلمانان میں داخل ہو گئے تھے، (پھر آگے اس کو حضرت مولانا نے شواہد سے ثابت کیا ہے) اور بہت سے ایسے تھے کہ ایمان ان کے اندر راسخ نہ ہوا تھا، ایسے ہی لوگوں کے بارے میں ارشاد ہے: "قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا ؕ قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ" الآیۃ۔ ان لوگوں کے اندر ایمان راسخ نہ ہونے پایا تھا، وہ اسلام کی برکات کا ذائقہ چکھنے نہ پائے تھے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کا سانحہ پیش آ گیا اس لئے ان دونوں گروہوں میں فوراً ایک تحریک پیدا ہوگئی اور ارتداد کی ایسی تند و تیز ہوا چلی کہ اکثر قبائل اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے، (پھر آگے اس میں اس کی تفصیل ہے جو اس کتاب میں دیکھی جا سکتی ہے)

اور صاحب منہل "وکفر من کفر من العرب" کی شرح میں لکھتے ہیں یعنی دین سے پھر گئے وہ لوگ جن کے کفر کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا اور شرائع اسلام کے منکر ہو گئے، صلوٰۃ و زکوٰۃ سب کو چھوڑ دیا اور اپنی حالت سابقہ جو جاہلیت میں تھی اس کی طرف لوٹ گئے اور بعض جھوٹے مدعیانِ نبوت بھی ظاہر ہوئے، مسیلمۂ کذاب بنوحنیفہ سے اور طلیحۃ الاسدی اور سجاع بنت الحارث اور اسود عنسی یمن میں ان مرتد ہونے والوں میں یہ قبائل تھے، اسد، غطفان، بنوحنفیہ یمامہ میں اور اہل بحرین اور ازدعمان وقضاعہ اور اکثر بنوتمیم اور بعض بنوسلیم اور پھر آگے لکھتے ہیں: وثبت علی السلام اھل المدینۃ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اسلام پر جمائے رکھا، ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی برکت سے، اور اسی طرح باقی رہے، اہل مکہ سہیل بن عمرو کی بدولت، اس لئے کہ انہوں نے بھی اہل مکہ کو ایسا ہی خطبہ دیا جیسا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیا تھا، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے موقعہ پر اور طائف میں قبیلۂ ثقیف بھی قائم رہا، اسلام پر عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کی بدولت، انہوں نے بھی ان کو اسی طرح خطبہ دیکر سمجھایا جیسا کہ سہیل نے دیا تھا، اہل مکہ کو۔

نیز اسلام پر قائم رہنے والوں میں یہ قبائل بھی ہیں: اسلم وغفار وجہینہ ومزینہ واشجع وہوازن جشم

واہل صنعاء وغیرہم۔

اور بعض وہ تھے جو صلوٰۃ وغیرہ امور دین کو مانتے تھے، لیکن زکوٰۃ کو منع کرتے تھے، ایک شبہ کی وجہ سے اور یہ لوگ دراصل اہل بغی تھے، ان پر کفر کا اطلاق تغلیظ ہے، اور کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو فرضیت زکوٰۃ ہی کے منکر ہو گئے تھے، اور بعض لوگ ایسے تھے جو خود تو زکوٰۃ دینا چاہتے تھے لیکن ان کے رؤساء ان کو اداء کرنے سے روکتے تھے، جیسے بنی یربوع چنانچہ انہوں نے اپنے صدقات کو جمع کر کے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیجنے کا ارادہ کیا تو ان کو مالک بن نویرہ نے منع کر دیا اور اس نے ان صدقات کو اپنے ہی قبیلہ والوں پر تقسیم کر دیا، یہ صورت حال مسلمانوں پر بڑی سخت گذری تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑی سرعت کے ساتھ اس صورت حال کے انسداد کے لئے گیارہ لواء (جھنڈے) تیار کرائے اور ان کیلئے گیارہ ہی قائد مقرر فرمائے، جن میں خالد بن الولید اور عکرمۃ بن ابی جہل اور عمرو بن العاص بھی تھے۔ ’’فقاتلوا اهل الردة حتى رجعوا الى الاسلام وقاتلوا المتنبيين حتى قتل مسيلمة باليمامة والاسود العنسى بصنعاء وهرب طليحة الاسدى وسجاح بنت الحارث واسلما بعد ذلك وقاتلوا مانعى الزكوة حتى ادوها وقطع دابر القوم الذين ظلموا والحمد لله رب العالمين۔‘‘

اسود عنسی کا قتل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ہی میں ہو گیا تھا، فیروز نامی صحابی رضی اللہ عنہ نے اس کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کے حکم سے قتل کیا تھا، جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ’’فاز فیروز‘‘ اس کے مقتول ہو جانے کی اطلاع آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی کی گئی تھی، حضرت فیروز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قتل کرنے کے بعد اس کے قتل کی خبر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں جس قاصد کے ذریعہ کرائی تھی، اس کے مدینہ منورہ پہنچنے سے ایک دن قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی تھی، البتہ وحی کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہو گئی تھی جس کا تذکرہ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرما دیا تھا، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے دریافت کیا کہ کس نے قتل کیا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک

مبارک شخص نے "فاز فیروز"

اسود عنسی کذاب اور مسیلمہ کذاب دونوں کے قتل کے واقعہ کو مؤرخین نے ١١ھ کے وقائع میں ذکر کیا ہے، اسود کے قتل کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے قبل اور مسیلمہ کے قتل کو وفات کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے قتالِ مرتدین جنگ یمامہ میں۔

حدیث شریف کا جزء ثانی: حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا اشکال

کیف تقاتل الناس: حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب مانعین زکوٰۃ سے قتال کا ارادہ فرمایا تو اس پر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اشکال کیا کہ یہ لوگ کلمہ گو ہیں، مسلمان ہیں، اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مجھے لوگوں سے قتال کا حکم دیا گیا ہے، یہاں تک کہ وہ شہادتین کا اقرار کریں۔

اس حدیث شریف میں اقرار شہادت کو قتال کی غایت قرار دیا گیا ہے، اور یہ کہ شہادت کے بعد آدمی معصوم الدم والمال ہوجاتا ہے، اور اس کی جان ومال سے تعرض جائز نہیں رہتا، پھر آپؓ! ان سے قتال کا ارادہ کیسے فرمارہے ہیں؟ اس پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: "واللہ لاقاتلن من فرق بین الصلوٰۃ والزکوٰۃ فان الزکوٰۃ حق المال" کہ واللہ میں ضرور قتال کروں گا ان لوگوں سے جو فرق کرتے ہیں، صلوٰۃ اور زکوٰۃ کے درمیان کہ صلوٰۃ کے تو قائل ہیں اور زکوٰۃ کے نہیں اور دلیل میں یہ فرمایا کہ زکوٰۃ حقوق اسلام میں سے حق المال ہے، اس کا مقابل بقرینہ مقام سمجھ میں آرہا ہے، یعنی "کما ان الصلوٰۃ حق البدن" یعنی جس طرح حق البدن کے تارک سے قتال کیا جاتا ہے، اسی طرح حق المال کے تارک سے بھی ہونا چاہئے، اس سے بظاہر یہ معلوم ہورہا ہے کہ تارکِ صلوٰۃ کے بارے میں سب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ذہن میں یہ تھا کہ اس سے قتال کیا جائیگا۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے جواب کا ماحصل

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جواب کا حاصل یہ ہوا کہ خود یہی حدیث شریف جس کو آپ پیش کر رہے ہیں دلالت کر رہی ہے کہ مقاتلہ بحق الاسلام و بحق الکلمہ جائز ہے، یعنی جو شخص باوجود کلمہ گو ہونے کے حقوق اسلام میں سے کسی ایک حق کو ترک کرے اور پھر خلیفہ کی طرف سے اس کے مطالبہ پر قتال کے لئے آمادہ ہو جائے تو اس سے قتال کیا جائے گا، شراح لکھتے ہیں کہ خلیفۂ ثانی نے یا تو ''الا بحقہ'' اس استثناء کی طرف التفات نہیں فرمایا تھا، جس کی وجہ سے اشکال ہوا، اور یا ان کے اشکال کی وجہ یہ تھی وہ سمجھ رہے تھے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ قتال ان لوگوں کے کفر کی وجہ سے کر رہے ہیں، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جواب سے معلوم ہوا کہ یہ ارادۂ قتال کفر کی وجہ سے نہیں، بلکہ فرق بین الصلوٰۃ والزکوٰۃ کی وجہ سے ہے، اور اس فرق کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں: ایک یہ کہ فرضیت زکوٰۃ ہی سے انکار ہو، دوسری یہ کہ انکار صرف اداء الی الامام سے ہو، اول صورت بھی اگرچہ کفر ہی کی ہے، لیکن شرک کی طرح کفر صریح نہیں، اور قتال جس طرح کفر صریح کی وجہ سے ہوتا ہے اسی طرح کفر غیر صریح کی وجہ سے بھی، اور صورت ثانیہ یعنی اداء الی الامام سے انکار یہ کفر نہیں بلکہ بغاوت ہے، اور بغاۃ سے بھی قتال مشروع ہے۔

شیخین کا اختلاف ومناظرہ کس گروہ کے بارے میں تھا؟

بعض مصنفین کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مناظرہ مرتدین اور مانعین زکوٰۃ سب ہی کے بارے میں تھا، یہ تو غلط ہے، چنانچہ اکثر شراح حدیث نے اس مناظرہ کو صرف فارقین بین الصلوٰۃ والزکوٰۃ پر محمول کیا ہے، خواہ وہ فارقین جاحدین زکوٰۃ ہوں یا مانعین زکوۃ، لیکن ہمارے مشائخ فرماتے ہیں کہ یہ مناظرہ واختلاف جاحدین میں بھی نہیں تھا، اس لئے کہ وہ تو کافر ہیں، (کیونکہ ضروریات دین میں سے کسی چیز کا انکار کفر ہے) ان کے قتال میں کیا اشکال ہو سکتا ہے؟ بلکہ صرف مانعین اداء الی الامام میں تھا، جو

باغی تھے، اور اس کی تائید حدیث شریف کے اس جملہ سے بھی ہو رہی ہے، ”واللہ لو منعونی عقالا کانوا یؤدونہ الی رسول اللہ لقاتلتھم علی منعہ“ یہی بات حضرت نے بذل میں لکھی ہے۔ وتبعہ صاحب المنہل۔

یہاں سوال ہوتا ہے کہ راوی تو اس مناظرہ کی تمہید میں خود کہہ رہا ہے ”وکفر من کفر من العرب“ جس کا بظاہر تقاضا یہی ہے کہ یہ اختلاف ومناظرہ سب کے بارے میں تھا؟ جواب یہ ہے کہ بظاہر غلط فہمی اسی لفظ سے ہو رہی ہے، حالانکہ راوی کی غرض اس جملہ سے اس وقت کی عام حالت اور فضا کو بیان کرنا ہے، نہ اس بات کو بیان کرنا کہ مناظرہ ان لوگوں کے بارے میں تھا، اور اگر اس کا تعلق ان ہی لوگوں سے مانا جائے جن میں مناظرہ تھا تو یہ بھی ہو سکتا ہے اس لئے کہ ان مانعین زکوٰۃ میں بعض جاحدین زکوٰۃ تھے، اور بعض صرف منکرین اداء، سو قسم اول تو واقعۃً کافر ہیں، اور قسم ثانی جو باغی تھے ان پر کفر کا اطلاق تغلیباً ہے۔

منشاء اشکال

شراح نے لکھا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ حدیث شریف صرف اتنی ہی پہنچی تھی یا اس وقت ان کو صرف اتنی ہی مستحضر تھی، ”حتی یقولوا لا الہ الا اللہ“ ورنہ صحیح بخاری میں خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ”حتی یشھدوا ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ ویقیموا الصلوٰۃ ویؤتوا الزکوۃ“ موجود ہے، بلکہ صحیح مسلم کی ایک حدیث شریف میں جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے یہ ہے ”حتی یشھدوا ان لا الہ الا اللہ ویؤمنوا بی وبما جئت بہ“ اگر ان کو یہ پوری حدیث مستحضر رہتی تو پھر اشکال ہی نہیں ہوتا، اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی غالباً اتنی ہی یاد تھی، ورنہ زکوٰۃ کو صلوٰۃ پر قیاس کرنے کی، یا یہ کہئے کہ ”الا بحقہ“ سے استنباط کرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی، اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے علم میں پوری حدیث شریف ہو لیکن دلیل نظری سے ثابت

کرنا چاہتے تھے، اور گویا تنبیہ تھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو، کہ اگر آپ اپنی بیان کردہ حدیث میں غور کرتے تو اشکال نہ آتا۔

فقہی مسئلہ

یہاں سوال ہوتا ہے کہ مانع زکوٰۃ کے بارے میں فقہاء کیا فرماتے ہیں؟ جواب یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری: ١٠٢٣، میں ”کتاب استتابة المرتدين“ میں ایک باب مستقل اسی مسئلہ کے لئے قائم فرمایا ہے، ”باب قتل من ابی قبول الفرائض“ اور اس میں امام بخاریؒ نے یہی حدیث مناظرۂ شیخین والی ذکر فرمائی ہے، اس باب کے ذیل میں علامہ عینی وغیرہ شراح نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص فرائض اسلام میں سے کسی فرض کا انکار کرے پس اگر نفس فرضیت ہی کا انکار ہو تو وہ مرتد ہو جائے گا، مرتد کے احکام اس پر جاری ہوں گے، یعنی قتل بعد الاستتابۃ اور اگر فرضیت کا تو قائل ہو لیکن اداء کا انکار کرتا ہو تو پھر حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ اس کو نہ قتل کیا جائے گا، اور نہ اس سے قتال کیا جائے گا، بلکہ قہراً زکوٰۃ لی جائے گی، بشرطیکہ وہ جتھے والا نہ ہو، اور مقابلہ پر نہ آئے، اور اگر وہ جتھے والا ہے اور محاربہ کے لئے تیار ہے تو پھر امام المسلمین اس کے ساتھ قتال کرے گا، پس حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان مانعین زکوٰۃ کے ساتھ جو قتال کیا تھا وہ اسی نصب قتال کی وجہ سے تھا (کہ یہ مانعین زکوٰۃ قتال کے لئے خود ہی آمادہ تھے) تارکِ صلوٰۃ کا حکم کتاب الصلوٰۃ کے شروع میں بالتفصیل گذر چکا، اس کو بھی دیکھا جائے۔

اس حدیث شریف میں ہے: ”الا بحقه“ یہ ضمیر اسلام کی طرف راجع ہے، جو قرینۂ مقام سے سمجھ میں آ رہا ہے، اور بخاری شریف کی ایک روایت میں اس کی تصریح بھی ہے، اور علامہ طیبیؒ نے ضمیر راجع کی ہے قول کی طرف، جس پر ”فمن قال“ دال ہے، یعنی ”بحق هذا القول ای قول لا اله الا الله“

وحسابه على الله: یعنی جو شخص کلمۂ توحید 'لا اله الا الله' پڑھے گا اور اپنا اسلام ظاہر کرے گا تو ہم اس سے مقاتلہ ترک کر دیں گے، اور اس کے باطن حال کی تفتیش نہیں کریں گے، کہ آیا وہ مخلص ہے یا منافق، باطن کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی طرف مفوض ہے، البتہ بحق الاسلام قتال ضرور کریں گے،

مثلاً حدود وقصاص اور منع عن الصلوٰۃ والزکوٰۃ وغیرہ۔

واللّٰہ لو منعونی عقالا: مزید برآں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا: کہ اگران لوگوں نے زکوٰۃ کی ایک رسی بھی مجھے دینے سے انکار کیا تو میں اس پر بھی ان سے قتال کروں گا۔
"عقال" کی تفسیر میں چند قول ہیں:

(۱)......بعضوں نے اس کو اس کے ظاہر پر رکھا ہے، یعنی رسی کا ٹکڑا، اب یہ کہ رسی زکوٰۃ میں کہاں لیجاتی ہے تو انہوں نے کہا کہ یہ مبالغہ کے طور پر ہے، کہ اگر کوئی شخص اپنی زکوٰۃ میں سے قدرِ قلیل (جو قیمت میں رسی کے برابر ہو) ادا نہیں کرے گا چہ جائیکہ پوری زکوۃ۔

(۲)......عقال کا اطلاق "صدقۃُ عامٍ" (ایک سال کی زکوۃ) پر ہوتا ہے، اور دو سال کی زکوٰۃ کو عقالان کہتے ہیں، یہ قول بعض اکابر اہل لغت نضر بن شمیل، ابوعبیدہ مبرد وغیرہ سے منقول ہے۔

(۳)......اس سے مراد وہ رسی ہے جس میں حیوان کو باندھ کر زکوٰۃ میں ساعی کو دیتے ہیں، اس لئے کہ حیوان کی زکوٰۃ میں تسلیم کا تحقق عادۃً بغیر اس کے نہیں ہوتا۔

(۴)......ایک قول یہ ہے کہ عقال کہتے ہیں قلوص (جوان اونٹنی) کو مطلب یہ ہوا کہ اگر ایک اونٹنی دینے سے انکار کریں گے تو اس پر بھی قتال کرونگا، چہ جائیکہ اس سے زائد۔

(۵)......اس سے زکوٰۃ ہی کی رسی مراد ہے، جیسے کوئی شخص رسی ہی کی تجارت کرتا ہو تو ظاہر ہے کہ اس کی زکوٰۃ میں رسی ہی واجب ہوگی، اسلئے کہ عروض تجارت میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، لیکن یہ قول بس ایسا ہی ہے اس لئے کہ اس میں رسی کی کیا تخصیص ہے؟

فعرفت انہ الحق: حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمارہے ہیں مجھے یقین ہوگیا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے حق ہے یہ یقین کیسے ہوا، ظاہر ہے کہ اسی دلیل سے جو ان کے کلام اور اس مناظرہ میں مذکور ہے جس کی تشریح گذر چکی اور یہ مطلب نہیں کہ میں نے ان کے سامنے ہتھیار ڈالدیئے اور ان کی بات کو تقلیداً تسلیم کرلیا اس لئے کہ ایک مجتہد کیلئے دوسرے مجتہد کی تقلید جائز نہیں۔ (الدر المنضود: ٦ / تا١٢)

فوائد: (۱)......حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کمال عزیمت، کمال شجاعت، کمال علم ومعرفت کا علم ہوا۔

(۲)......حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کمال اتباع حق کا علم ہوا کہ جو چیز خلاف حق معلوم ہوئی اس پر امیر المومنین کے سامنے اشکال پیش کیا اور امیر المومنین کے جواب سے جب اشکال ختم ہوگیا اور اطمینان ہوگیا تو فوراً تسلیم کرلیا، اپنی بات کی پیچ نہیں کی۔

(۳)......حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سامنے صرف اتباع حق ہوتا تھا، حق کے مقابلہ میں وہ کسی کی پرواہ نہیں کرتے تھے، اور حق کے لئے ہر قربانی کے لئے تیار رہتے تھے۔

(۴)......حق تعالیٰ شانہ کی ذات عالی پر کمال اعتماد کا علم ہوا، اور اسی کمال اعتماد کا نتیجہ تھا کہ دنیوی اسباب پر زیادہ نظر نہیں تھی، اور دشمن کی قوت وشوکت اور کثرت سے کبھی مرعوب نہیں ہوئے۔ مگر آہ! افسوس صد ہزار افسوس کہ آج اسلام کے نام لیوا ان ہی حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان اقدس میں گستاخیاں کرتے ہیں، اور ان میں کیڑے نکالتے ہیں، اور پھر اس کو دین کی اہم خدمت سمجھتے ہیں۔ ”فیاللعجب واللہ المستعان واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر وعید

{۱۶۹۹} **وَعَنْہُ** قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَکُوْنُ کَنْزُ اَحَدِکُمْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ شُجَاعًا اَقْرَعَ یَفِرُّ مِنْہُ صَاحِبُہٗ وَھُوَ یَطْلُبُہٗ حَتّٰی یُلْقِمَہٗ اَصَابِعَہٗ۔ (رواہ احمد)

حوالہ: مسند احمد: ۲/۵۳۰۔

حل لغات: کنز: مصدر ہے، کنز (ض) کنز المال: جمع کرنا، زمین میں دفن کرنا، شجاعا: ایک قسم کا سانپ، جمع: شجعاع، اقرع: قرع (س) قرع الرجل: گنجا ہونا، یفر: فر (ض)

فرا: بھاگنا، یلقمه: لقم (س) لقما الطعام: جلدی کھانا، القم (افعال) القاما: لقمہ لقمہ کھانا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کہ تم میں ایک کا خزانہ قیامت کے دن گنجا سانپ بن جائے گا اس کا مالک اس سے بھاگے گا، اور وہ اس کو طلب کرے گا، یہاں تک کہ اس کی انگلیاں منہ میں ڈالے گا۔ (احمد)

تشریح: حتی یلقمه اصابعه: کنز سے مراد وہ مال ہے جس کو جمع کر کے رکھا جائے اور اس میں جو زکوٰۃ واجب ہوتی ہو وہ ادا نہ کی جائے، نیز اسی کنز کے مفہوم میں ہر وہ حرام مال داخل ہے، جس کو حرام اور ناجائز طریقہ سے کمایا جائے، حدیث کے آخری جملہ ''حتی یلقمه اصابعه'' کے شراح حدیث نے دو مطلب بیان فرمائے ہیں:

(۱)...... یہ کہ وہ گنجا سانپ اس خزانہ کے مالک کی انگلیوں کو اپنا لقمہ بنا کر اسے کاٹے گا، اس لئے کہ اس خزانہ کے مالک نے انہی ہاتھوں کے ذریعہ مال کمایا لیکن اس کا حق یعنی زکوٰۃ ادا نہیں کی، اس صورت میں 'اصابعه' کی ضمیر سے بدل ہوگا۔

(۲)...... یہ ہے کہ خزانہ کا مالک خود اپنی انگلیوں کو لقمہ بنا کر سانپ کے منہ میں ڈالدے گا لیکن اس دوسرے مطلب پر شراح نے اعتراض بھی کئے ہیں۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں القام اصابع کا ذکر ہے، جب کہ اس سے پہلے حدیث شریف میں یہ گذرا ہے کہ ''ان الشجاع یاخذ بلھزمتیه'' تو اس کا راز یہ ہے کہ خزانہ جمع کر کے زکوٰۃ ادا نہ کرنے والا مال اپنے ہاتھ سے کماتا ہے، اور اپنے جبڑے کے ذریعہ فخر کرتا ہے، اس لئے دونوں کو خاص طور سے ذکر کیا، اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ خزانہ جمع کرنے اور اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کے بارے میں جو مختلف سزائیں احادیث میں وارد ہوئی ہین یہ مختلف اشخاص اور بخلاء کے اعتبار سے بیان کی گئی ہیں، یعنی کسی کو داغنے کی سزا دی جائے گی، اور کسی کو گنجا سانپ گردن میں طوق کے طور پر ڈالنے کی، اور کسی کو انگلیوں کو گنجے سانپ کا لقمہ بنائے جانے کی، یہ بھی احتمال ہے کہ ہر مانع زکوٰۃ کو وہ تمام سزائیں دی جائیں گی، جو احادیث میں منقول ہیں، اور اس کی شکل یہ ہوگی کہ کبھی تو اس کے مال کو تختوں کی شکل میں بنا کر جہنم

کی آگ میں تپایا جائے گا، اور پھر اس سے داغا جائے گا، کبھی اس کے مال کو گنجے سانپ کی شکل میں تبدیل کرکے اس کی گردن میں ڈالدیا جائیگا، اور کبھی اس کے مال کو گنجے سانپ کی شکل بنا کر اس کے تعاقب میں لگادیا جائیگا، اور مانع زکوٰۃ اس سے بھاگتا پھرے گا، اور وہ سانپ اس کو تلاش کرکے جب اس کو پالے گا تو اس کی انگلیوں کو لقمہ بنا کر چبائیگا۔ (مرقاۃ: ۴۲۴/۲)

قیامت کے دن مال کا سانپ بننا

{۱۷۰۰} وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ رَجُلٍ لَايُؤَدِّيْ زَكٰوةَ مَالِهٖ اِلَّا جَعَلَ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْ عُنُقِهٖ شُجَاعاً ثُمَّ قَرَأَ عَلَيْنَا مِصْدَاقَهٗ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ "وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا آتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ" الآيَة۔
(رواه الترمذی والنسائی وابن ماجة)

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/۱۳۱، باب تفسیر سورۃ آل عمران، کتاب التفسیر، حدیث نمبر: ۳۰۱۲۔ نسائی شریف: ۱/۲۶۰، باب التغلیظ فی حبس الزکوۃ، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۲۴۴۳۔ ابن ماجہ شریف: ۱۲۸، باب ماجاء فی منع الزکوۃ، حدیث نمبر: ۱۷۸۴۔

حل لغات: لایؤدی: ادی (ض) ادیا اور ادی (تفعیل) تأدیۃ: ادا کرنا، عنقه: گردن، جمع: اعناق۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جو شخص اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن گنجا سانپ بنا کر اس کی گردن میں ڈال دے گا، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے قول کی موافقت میں قرآن کریم کی یہ آیت پڑھی: "و لا تحسبن الذین الخ" [اور نہ خیال کریں وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اس چیز پر جو اللہ تعالیٰ نے ان کو دی ہے اپنے فضل سے۔]

تشریح: اس حدیث شریف کا خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص صاحب نصاب ہونے کے باوجود زکوٰۃ

ادا نہیں کرتا ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسی مال کو نہایت زہریلا سانپ بنا کر اس کے گلے میں ڈال دیگا۔ مزید اس کی توضیح وتشریح پیچھے گذر چکی۔

زکوٰۃ ادا نہ کرنے کا نقصان

{۱۷۰۱} وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا خَالَطَتِ الزَّكٰوةُ مَالاً قَطُّ اِلَّا اَهْلَكَتْهُ۔ ﴿رواه الشافعي﴾ وَالْبُخَارِيُّ فِيْ تَارِيْخِهٖ والْحُمَيْدِيُّ وَزَادَ قَالَ يَكُوْنُ قَدْ وَجَبَ عَلَيْكَ صَدَقَةٌ فَلَا تُخْرِجُهَا فَيُهْلِكُ الْحَرَامُ الْحَلَالَ وَقَدِ احْتَجَّ بِهٖ مَنْ يَرىٰ تَعَلُّقَ الزَّكٰوةِ بِالْعَيْنِ هٰكَذَا فِي الْمُنْتَقٰى وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ عَنْ اَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ بِاِسْنَادِهٖ اِلٰى عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا وَقَالَ اَحْمَدُ فِيْ خَالَطَتْ فِيْ تَفْسِيْرِهٖ اِنَّ الرَّجُلَ يَأْخُذُ الزَّكٰوةَ وَهُوَ مُوْسِرٌ اَوْ غَنِيٌّ وَاِنَّمَا هِيَ لِلْفُقَرَاءِ۔

حوالہ: مسند شافعی: ۳۵، کتاب الزکوۃ، مطبوعہ علمیہ۔

حل لغات: خالطت: خالط (مفاعلة) مخالطة: ملنا۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: کہ میں نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ زکوٰۃ جب بھی کسی مال کے ساتھ ملتی ہے تو اس کو ہلاک کر دیتی ہے، (مسند شافعی) اور امام بخاری ؒ نے اپنی تاریخ میں روایت کیا ہے، اور حمیدی نے زیادہ کیا ہے کہ حضرت امام بخاری ؒ نے فرمایا: کہ تجھ پر زکوٰۃ واجب ہوئی اور تو زکوٰۃ نہیں نکالتا ہے تو حرام حلال کو ہلاک کر دے گا، اور ان لوگوں نے اس سے استدلال کیا ہے جن کی رائے یہ ہے کہ زکوٰۃ کا تعلق عین مال سے ہے، ایسے ہی منتقیٰ میں ہے اور بیہقی نے شعب الایمان میں احمد بن حنبل سے اسی سند سے روایت کی ہے، اور امام احمد نے 'خالطت' کی تفسیر میں کہا ہے کہ آدمی کشادہ دست یا مالدار ہونے کی صورت میں

زکوٰۃ لیتا ہے حالانکہ یہ غریبوں کے لئے ہے۔

تشریح: ماخالطت الزکوٰۃ مالا قط الا اھلکتہ: اس حدیث شریف کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں:

(١)......امام بخاریؒ نے اس حدیث شریف کا مطلب یہ بیان فرمایا ہے کہ ایک شخص مالک نصاب زکوٰۃ ہو اور اس پر زکوٰۃ نکالنا واجب ہو پھر بھی وہ اپنے مال کی زکوٰۃ نہ نکالے تو چونکہ زکوٰۃ کی اتنی مقدار جو اس کے کل مال میں واجب ہے وہ اس کے حق میں حرام ہے، اس طرح اس نے گویا کہ حرام مال کو حلال مال سے مخلوط کر دیا۔

(٢)......دوسرا مطلب جو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے یہ ہے کہ ایک شخص مالدار صاحب نصاب ہے جس کی وجہ سے وہ زکوٰۃ لینے کا مستحق نہیں ہے، پھر بھی وہ کسی صاحب نصاب سے زکوٰۃ کا مال لے لے، اور اس کو اپنے مال زکوٰۃ میں لے کر ملالے۔

ان دونوں صورتوں میں چونکہ وہ مال اس کے لئے حرام ہوتا ہے، اور ان حرام مال کو وہ اپنے اصل مال کے ساتھ ملاتا ہے، اس لئے اس مال حرام کے وبال سے اصل مال اور حلال مال بھی ہلاک اور برباد ہوجاتا ہے، چاہے وہ اس کا اپنا زکوٰۃ نہ نکالا ہوا مال ان مال میں ملا رہے، یا کسی صاحب نصاب سے زکوٰۃ میں لیا ہوا ہو، مال حرام حلال مال سے ملے، اب اس کے ہلاک اور برباد ہونے کی مختلف شکلیں ہوسکتی ہیں۔

(١)......یہ حرام مال ملنے کی وجہ سے حلال وحرام دونوں مال حقیقۃً کسی طرح ضائع اور برباد ہوجائیں۔

(٢)......یا پورا مال تو تباہ و برباد نہ ہو، مگر اس میں نقصان اور کمی ہوجائے، مثلاً تجارت میں نقصان اٹھانے کی وجہ سے مال میں کمی واقع ہوجائے۔

(٣)......یا اس طرح کہ اس مال میں خیر و برکت ختم ہوجائے۔

(٤)......یا یہ کہ اب یہ مال اس کے لئے قابل انتفاع نہ رہا، اس لئے کہ حرام مال حلال مال میں مخلوط ہوکر حلال مال کو بھی حرام کر دیتا ہے، اور مال حرام سے نفع اور فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے، اس

لئے اب صاحب مال کو اس سے انتفاع درست نہیں ہے۔

دراصل اگر غور کیا جائے تو یہ شکل مال کی سب سے بڑی ہلاکت اور بربادی ہے کہ مال موجود ہے لیکن انتفاع حاصل نہیں کرسکتا ہے۔(مرقاۃ: ۴۲۴/۲)

قیمت سے زکوٰۃ کی ادائیگی

وقد احتج به من یری تعلق الزکوٰۃ بالعین: اس عبارت میں ایک اختلافی مسئلہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کا تعلق عین مال سے ہے، یا ذمہ سے یعنی قیمت کی ادائیگی سے بھی ہے، یعنی جس مال میں زکوٰۃ واجب ہوئی ہے، اسی مال میں سے زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے، یا اس مال کے بقدر اتنی قیمت ادا کی جاسکتی ہے؟

ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ جس مال میں زکوٰۃ واجب ہوئی ہے اسی مال سے بقدر واجب زکوٰۃ نکالنا لازم ہے، اس حدیث شریف میں جو لفظ 'خالطت' ہے اس میں زکوٰۃ کے مال کی مخالطت مراد ہے، معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کا تعلق عین مال سے ہے، نیز امام بخاریؒ نے اس کی جو تفسیر بیان کی ہے اس سے بھی ائمہ ثلاثہ کے مذہب کی تائید ہوتی ہے، امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جس مال میں زکوٰۃ واجب ہوئی ہے اسی مال سے زکوٰۃ کا نکالنا لازم نہیں ہے، بلکہ صاحب مال اسی مال کے بقدر قیمت دے تو یہ بھی جائز ہے۔

احناف کی دلیل: حدیث ”تصدقن ولو من حلیکن وفیه فکانت المرأۃ تلقی من سخابها الخ“ اس حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عورتوں سے صدقہ یعنی زکوٰۃ دینے کا حکم فرمایا ہے، اور اس بات کی اجازت دی ہے کہ وہ زکوٰۃ میں چاہیں تو زیور بھی دے سکتی ہیں، اور غیر زیور کا اس میں استثناء نہیں کیا ہے، چنانچہ عورتوں نے اس کے بعد اپنے ہار جو مسک وغیرہ سے بنے ہوئے ہوتے تھے زکوٰۃ میں ڈالنا شروع کردیا، اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کو اٹھا کر جمع کرلیا، اور کوئی تفصیل نہیں پوچھی، اور بغیر تفصیل معلوم کئے قبول کرلیا، معلوم ہوا کہ زکوٰۃ میں قیمت دینا جائز ہے۔

دوسری دلیل: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے "فان لم تکن عندہ بنت مخاض علی وجهها وعنده ابن لبون فانه یقبل منه ولیس معه شیئ" (مشکوۃ:۱۵۸) اس حدیث شریف میں بھی بنت مخاض نہ ہونے کی صورت میں ابن لبون کو دینے کی اجازت دی گی ہے، اور ظاہر ہے کہ ابن لبون اونٹ کی زکوٰۃ میں بطور قیمت مراد ہے، اس لئے کہ اونٹوں کی زکوٰۃ میں نر جانور کہیں نہیں ہے، نیز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب لوگوں کو عطیات تقسیم کرتے تو ان سے سوال کرتے کہ کیا تمہارے پاس مال ہے، جس میں زکوٰۃ واجب ہے؟ اگر لوگ کہتے کہ ہاں ہمارے پاس مال ہے اور اس میں زکوٰۃ واجب ہے تو دونوں حضرات ان سے اسی کے بقدر مال ان کے عطایا سے ان کے پاس موجود مال کی زکوٰۃ وصول کر لیتے اور اگر وہ جواب دیتے کہ نہیں ہمارے پاس مال نہیں ہے، تو پھر وہ دونوں حضرات ان کی عطایا ان کو سونپ دیتے، معلوم ہوا وہ حضرات بھی زکوٰۃ میں قیمت لینے اور دینے کو درست اور جائز سمجھتے تھے، ائمہ ثلاثہ کے مستدل کا جواب یہ ہے کہ جب اس حدیث شریف کے محدثین نے متعدد معانی بیان فرمائے ہیں، تو اس حدیث شریف سے استدلال کرنا درست نہیں ہے، اسلئے کہ اصول ہے کہ "اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال" لہٰذا آپ کا اس حدیث شریف سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔ (اعلاء السنن: ۳۵، ۳۸/ ۹، التعلیق: ۲۹۲/ ۲)

05 Bab ma Yajibu

باب ما یجب فیہ الزکوٰۃ

(کتنے مال میں زکوٰۃ واجب ہے)

رقم الحدیث: ۱۷۰۲ تا ۱۷۲۲

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

باب مایجب فیہ الزکوٰۃ

(کتنے مال میں زکوٰۃ واجب ہے؟)

اس باب کے الفاظ اور ترجمہ میں دو معانی کا احتمال ہے:

(۱)......ان اشیاء کا بیان جن میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

(۲)......مال کی اس مقدار کا بیان جس میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔یعنی نصاب زکوۃ۔

چنانچہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا حاشیہ بذل میں اسی کی طرف میلان ہے،اور صاحب بذل نے دوسرے معنیٰ کو اختیار کیا ہے۔(بذل:۶/۳۱۰)

جن چیزوں میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اس کی قدرے تفصیل یہ ہے: کہ سونا چاندی اور اموال تجارت،مویشی یعنی اونٹ گائے بکری بھینس بھیڑ،دنبہ،زمینی پیداوار یعنی غلے میں زکوٰۃ کے فرض ہونے کے بارے میں ائمہ کا اتفاق ہے،البتہ زمین کی کچھ پیداوار کے بارے میں حضرات ائمہ کے درمیان کچھ اختلاف بھی ہے۔

ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک زمین کی پیداوار میں زکوٰۃ یعنی عشر کے واجب ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ سال بھر ٹھہرنے والی ہوں،یعنی سال بھر تک رہنے کے باوجود وہ سڑے گلے نا،تو ان میں عشر واجب ہے،لہٰذا ان کے نزدیک سبزیوں اور وہ پھل جو سال بھر تک سالم نہ رہ سکتے ہوں ان میں عشر واجب نہیں،البتہ کشمش اور کھجور میں عشر ان کے نزدیک واجب ہے،جب کہ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک زمین کی تمام پیداوار میں عشر واجب ہے،سوائے بانس گھاس وغیرہ چند چیزوں کو چھوڑ کر،نیز امام صاحب زمین کی پیداوار میں نصاب کے قائل نہیں ہیں،جب کہ ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے

نزدیک نصاب شرط ہے، اور وہ پانچ وسق ہے، (وسق کی تشریح آگے آرہی ہے) ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک گھوڑے میں بھی زکوٰۃ فرض نہیں ہے، جب کہ امام صاحب کے نزدیک گھوڑے میں بھی زکوٰۃ فرض ہے۔ (مستفاد: الدر المنضود: ۳/۱۴، مظاہر حق جدید: ۲/۵۸۴)

﴿الفصل الاول﴾

نصاب زکوٰۃ

{۱۷۰۲} وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْسَ فِیْمَا دُوْنَ خَمْسَۃِ اَوْسُقٍ مِنَ التَّمرِ صَدَقَۃٌ وَلَیْسَ فِیْمَا دُوْنَ خَمْسِ اَوَاقٍ مِّنَ الْوَرِقِ صَدَقَۃٌ وَلَیْسَ فِیْمَا دُوْنَ خَمْسِ ذَوْدٍ مِنَ الْاِبِلِ صَدَقَۃٌ۔ ﴿متفق علیہ﴾

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۰۱، باب لیس فیما خمس الخ، کتاب الزکوٰۃ، حدیث نمبر: ۱۴۶۲۔ مسلم شریف: ۱/۳۱۵، باب لیس فیما دون خمسۃ اوسق صدقۃ، کتاب الزکوٰۃ، حدیث نمبر: ۹۷۹۔

حل لغات: أوسق: جمع ہے 'وسق' کی، ساٹھ صاع کے برابر وزن کی ایک مقدار۔ (جو تقریبا پانچ من بیٹھتا ہے) التمر: جمع: تمور، بمعنی کھجور، اواق: جمع ہے 'اوقیۃ' کی، چالیس درہم کے برابر کا ایک وزن، الورق: بکسر الراء او بفتحھا۔ چاندی کا سکہ، جمع: اوراق۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''پانچ وسق سے کم کھجور میں زکوٰۃ نہیں ہے، پانچ اوقیہ سے کم چاندی میں زکوٰۃ نہیں ہے، اور پانچ اونٹوں سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

تشریح: لیس فیما دون خمسۃ اوسق: وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے، اور پانچ

وسق تین سوصاع کا ہوتا ہے، جوتقریباً پچیس من بیٹھتا ہے۔

اس حدیث شریف کے تین جملے ہیں، آخری دو جملے تو بالکل واضح ہیں، ان کی تشریح میں اختلاف بھی نہیں، پہلے جملہ کی تشریح میں اختلاف ہوا ہے، تشریح سمجھنے سے پہلے ایک اختلافی مسئلہ سمجھ لیں۔

عشر کا نصاب مع اختلاف ائمہ

مذاہب: زرعی پیداوار سے جوعشر وصول کیا جاتا ہے، اس کا کوئی نصاب مقرر ہے یا نہیں؟ امام صاحبؒ کے نزدیک عشر کا کوئی نصاب مقرر نہیں، عشری زمین میں جتنی بھی پیداوار ہو، خواہ کم یا زیادہ اس میں عشر واجب ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عشر کا نصاب مقرر ہے، پانچ وسق سے کم مقدار میں پیداوار ہوتو اس میں عشر واجب نہیں، پانچ وسق یا اس سے زیادہ ہوتو اس میں زکوٰۃ (یعنی عشر) ہے۔

امام صاحب کے دلائل: (۱)......قرآن پاک کی آیت کریمہ: "یَا أَیُّھَا الَّذِینَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَیِّبَاتِ مَا کَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَکُمْ مِنَ الْأَرْضِ" "وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَکُمْ" سے مراد زرعی پیداوار ہے، اس میں خرچ کرنے یعنی عشر دینے کا امر ہے، اس میں "ما" عام ہے، جو قلیل وکثیر دونوں کو شامل ہے۔

(۲)......قرآن کریم میں ہے: "وَآتُوا حَقَّهُ یَوْمَ حَصَادِهِ" 'حصاد' کا معنی ہے کھیتی کاٹنا، کھیتی کاٹنے کے وقت جوحق واجب ہوتا ہے وہ عشر ہے، اس آیت میں بھی کٹی ہوئی کھیتی میں سے عشر کا حکم دیا گیا ہے، مطلقاً بغیر نصاب کی تعیین کے۔

(۳)......آگے بخاری شریف کے حوالہ سے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی مرفوع حدیث آرہی ہے:

"فیما سقت السماء والعیون او کان عثریا العشر وما سقی بالنضح نصف العشر"

(بخاری شریف: ۱/ ۲۰۱) جس زمین کی کھیتی بارش سے ہوتی ہو یا چشمہ کے پانی سے سیراب کی جاتی ہو یا عشری ہو اس میں پیداوار کا دسواں حصہ واجب ہے، اور جس زمین کو خود

اونٹوں وغیرہ سے سیراب کیا جائے اس میں بیسواں حصہ واجب ہے، یہاں بھی "ما" دونوں جگہ عام ہے۔

قیاسی دلیلیں: (۴)......قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ عشر کا نصاب نہیں ہونا چاہئے، اس لئے کہ کفار سے زرعی پیداوار میں سے خراج لیا جاتا ہے، اس میں کوئی نصاب مقرر نہیں، لہٰذا عشر میں بھی نصاب مقرر نہیں ہونا چاہئے۔

(۵)......وجوب زکوٰۃ کے لئے دو شرطیں ہیں: (۱) ملکیت نصاب۔ (۲) حولان حول۔ عشر میں حولان حول کی شرط کسی کے نزدیک بھی نہیں، اس پر قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ دوسری شرط بھی ساقط ہو جائے۔

ایک مصلحت

دلائل کے علاوہ اس وقت عالمی مصالح کا تقاضا بھی یہ ہے کہ عشر کے مسئلہ میں امام صاحب کے موقف کو اختیار کیا جائے، کیونکہ اس وقت پوری دنیا اقتصادی بحرانوں کی شکار ہے، جس کی وجہ سے افلاس زدہ طبقہ اشتراکیت وغیرہ کی طرف مائل ہو رہا ہے، اگرچہ یہ ان کی حماقت ہے، لیکن اگر امام صاحب کے مسلک کے مطابق ہر قلیل و کثیر پیداوار میں سے عشر نکالا جائے، اور اس کو صحیح انداز سے مستحقین تک پہنچایا جائے، تو افلاس کے ختم کرنے میں کافی مدد مل سکتی ہے، لیکن یہ ایک مصلحت ہے، امام صاحب کے موقف کو ہم دلائل کی بنیاد پر ترجیح دے رہے ہیں، مصلحت کی بنیاد پر نہیں۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: ائمہ ثلاثہ و صاحبین زیر بحث حدیث کے پہلے جملہ سے استدلال کرتے ہیں:

"لیس فیما دون خمسة اوسق من التمر صدقة" اس سے ان کا استدلال دو باتوں پر موقوف ہے۔

(۱)......صدقہ سے مراد عشر ہے زکوٰۃ نہیں۔

(۲)......تمر سے مراد اپنے باغ کی کھجوریں ہیں، تجارت وغیرہ کی کھجوریں مراد نہیں، ان دو باتوں کو لے

کر یہ حضرات استدلال کرتے ہیں اس بات پر کہ پانچ وسق سے کم اپنے باغ کی کھجوریں ہوں تو ان پر عشر واجب نہیں ۔

جوابات: امام صاحب کی طرف سے اس استدلال کے کئی جوابات دیئے گئے ہیں ۔

(ا)......صاحب ہدایہ نے یہ جواب دیا ہے کہ اس حدیث شریف میں تمر سے مراد اپنی زمین کی کھجوریں نہیں، بلکہ تجارت کی کھجوریں ہیں، اور صدقہ سے مراد زکوٰۃ ہے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا مقصود ہے کہ اگر کسی شخص نے تجارت کے لئے کھجوریں رکھی ہوئی ہوں تو ان پر کب زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، اس میں دوسری احادیث کی روشنی میں اصول یہ ہے کہ جب کھجوروں کی قیمت دوسو درہم کے برابر ہوجائے تو زکوٰۃ واجب ہے، لیکن اس زمانہ میں عام طور پر دوسو درہم کی کھجوریں پانچ وسق ہوتی تھیں اسلئے فرمادیا کہ پانچ وسق سے کم کھجوروں میں زکوٰۃ واجب نہیں، صدقہ سے مراد زکوٰۃ لینے کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ اس کے بعد والے دو جملوں میں سب کے نزدیک صدقہ سے مراد زکوٰۃ ہے ۔

(۲)......مان لیں کہ "التمر" سے مراد اپنی پیداواری کھجوریں ہیں، اور صدقہ سے مراد عشر ہے لیکن حدیث شریف کا یہ مطلب نہیں کہ اگر کھجوریں یا دوسری زرعی پیداوار پانچ وسق سے کم ہو تو اس میں عشر واجب نہیں، جیسا کہ ائمہ ثلٰثہ اور صاحبین نے یہی مطلب لیا ہے ۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ حکومت کو اس میں سے وصول نہیں کرنا چاہئے، حکومت کو عشر تبھی وصول کرنا چاہئے جب کہ پیداوار کی مقدار پانچ وسق یا اس سے زیادہ ہو، اس سے کم ہو تو مالک کو خود عشر ادا کرنا چاہئے ۔

(۳)......صدقہ سے مراد نوائب اور عوامی چندے ہیں، بعض اوقات اسلامی حکومت کو کسی ہنگامی ضرورت کیلئے مثلاً دفاعی ضروریات کیلئے مالداروں سے چندہ وصول کرنے کی ضرورت پڑتی ہے، یہ حدیث شریف اس کے متعلق ہے، یعنی ایسے حالات میں یہ چندہ انہی زمینداروں سے وصول کرنا چاہئے جن کی پیداوار پانچ وسق سے کم نہ ہو ۔

(۴)......حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث شریف عرایا پر محمول ہے، یعنی عرایا میں سے عشر

نہ لیا کرو، عرایا عریہ کی جمع ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ عربوں کا یہ دستور تھا کہ جب کسی باغ کے میوے پکنے کا وقت آتا تو چند درختوں پر لگے ہوئے میوے کسی فقیر کو دے دیتے، عام طور پر ایسا ہوتا تھا مالکِ باغ کے اہل وعیال بھی باغ ہی میں رہتے تھے، اور یہ فقیر بھی اپنے درختوں کی دیکھ بھال کے لئے بار بار آتا جس کی وجہ سے مالک کو تکلیف ہوتی، اس کا حل یہ کرتے تھے کہ فقیر سے کہہ دیتے تھے کہ سودا کرلو درخت پر لگے ہوئے پھل ہمیں دے دو اور اس کی جگہ ہم سے اتری ہوئی کھجوریں لے لو، نیز عربوں کی یہ بھی عادت تھی کہ زیادہ سے زیادہ پانچ وسق کا اس طرح صدقہ کیا کرتے تھے، اب حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ کسی فقیر کو اس طرح سے پانچ وسق بطور عریہ دے دیئے جائیں تو اس سے عشر وصول نہ کیا جائے۔ (اشرف التوضیح: ۲/۲۳۴) بذل: ۶/۳۱۳، مرقاۃ: ۲/۴۲۵۔

ولیس فیما دون خمس اواق من الورق صدقۃ: چاندی کا نصاب پانچ اوقیہ ہے، اور ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے۔ اس طرح پانچ اوقیہ میں دوسو درہم بیٹھتے ہیں، معلوم ہوا کہ دوسو درہم میں زکوٰۃ فرض ہے، اس سے کم میں نہیں، اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے، ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ اوقیہ یہ وقایہ سے ماخوذ ہے، اور اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ دراہم کی اتنی مقدار آدمی کو محتاجگی سے بچاتی ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۴۲۵)

اگر کسی شخص کے پاس چاندی نہ ہو بلکہ اس کے پاس روپئے پیسے ہوں تو دیکھا جائے گا کہ اس کے پاس جو پیسے موجود ہیں وہ اگر اس کی ضرورت اصلیہ سے زائد ہوں اور اتنی مقدار میں موجود ہوں کہ ان کے ذریعہ سے ساڑھے باون تولہ چاندی خریدی جاسکتی ہے، اور اس پر پورا ایک سال گذر گیا ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور اس کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں نکالنا واجب ہوگا، اس حدیث شریف میں سونے کے نصاب کا تذکرہ نہیں ہے، تو اس بارے میں بھی ائمہ کا اتفاق ہے کہ بیس مثقال سونے کا نصاب ہے، جو ہمارے یہاں کے حساب سے ساڑھے سات تولہ سونا بیٹھتا ہے، لہٰذا اگر کسی کے پاس ساڑھے سات تولہ سونا ہو، اور اس پر پورا سال گذر جائے تو اس میں سے چالیسواں حصہ بطور زکوٰۃ

نکالنا فرض ہے۔(مرقاۃ:٢/٤٢٥)

و لیس فیما دون خمس ذود من الابل صدقۃ: ذود کا اطلاق تین سے لیکر دس کی جماعت پر ہوتا ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ دو سے لیکر نو تک پر ہوتا ہے، اس حدیث شریف میں اونٹ کا نصاب خمس ذود بتایا ہے، اور خمس ذود کو دو طرح پڑھا گیا ہے، اضافت کے ساتھ "خمسِ ذودٍ" اور خمس کی تنوین کے ساتھ "خمسٍ ذودٍ" اس صورت میں ذود خمس سے بدل ہو جائے گا، اور خمس ذود سے مراد خمس ابل من الذود ہے، یعنی اونٹوں میں سے پانچ، خمسۃ اذواد مراد نہیں ہے، اس لئے کہ پانچ ذود پندرہ اونٹ ہو جائیں گے، جو یہاں مراد نہیں ہے، بہرحال یہ مسئلہ بھی اجماعی ہے کہ اونٹ کا نصاب پانچ اونٹ ہے۔(مرقاۃ:٢/٤٢٦)

گھوڑے اور غلام میں زکوۃ

{١٧٠٣} وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِ صَدَقَةٌ فِیْ عَبْدِهٖ وَلَا فِیْ فَرَسِهٖ وَفِیْ رِوَايَةٍ قَالَ لَيْسَ فِیْ عَبْدِهٖ صَدَقَةٌ اِلَّا صَدَقَةُ الْفِطْرِ۔ ﴿متفق علیہ﴾

حوالہ: بخاری شریف: ١/١٩٧، باب لیس علی المسلم فی عبدہ صدقۃ، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ١٤٦٣۔ مسلم شریف: ١/٣١٦، باب لازکوۃ علی المسلم فی عبدہ الخ۔ کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ٩٨٢۔

حل لغات: فرس: گھوڑا، اس کی جمع غیر لفظ سے 'خَیْلٌ' آتی ہے، اور اسی سے 'اَفْرَاسٌ' آتی ہے۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "کہ مسلمانوں پر اس کے اپنے گھوڑے اور اپنے غلام کی زکوۃ نہیں ہے، اور

ایک روایت میں ہے کہ مسلمان کے غلام میں زکوٰۃ فرض نہیں ہے مگر صدقۂ فطر۔

تشریح: لیس علی المسلم صدقۃ فی عبدہ و لا فی فرسہ: غلام کی زکوٰۃ کے بارہ میں اتفاق ہے کہ غلام دو قسم کے ہیں، خدمت کے غلام اس میں کسی کے نزدیک بھی زکوٰۃ واجب نہیں، دوسرے وہ غلام جو تجارت کے لئے رکھے گئے ہوں، ان میں بالاتفاق زکوٰۃ واجب ہے۔

گھوڑوں کی زکوۃ

گھوڑے تین قسم کے ہوتے ہیں:

(۱)......وہ گھوڑے جو عام سواری یا جہاد کے لئے رکھے گئے ہوں، اس کو فرس الرکوب یا فرس الغازی کہتے ہیں، اس میں بالاتفاق زکوٰۃ واجب نہیں۔

(۲)......وہ گھوڑے جو تجارت کے لئے ہوں، ان میں بالاتفاق زکوٰۃ واجب ہے۔

(۳)......وہ گھوڑے جو نہ رکوب کے لئے ہوں، نہ تجارت کے لئے صرف توالد تناسل کے لئے رکھے گئے ہوں، اس تیسری قسم میں اختلاف ہوا ہے، ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک ان پر زکوٰۃ واجب نہیں، امام صاحب کے نزدیک اس میں زکوٰۃ ہے۔

امام صاحب کے مذہب کی وضاحت

امام صاحب کے مذہب کے متعلق دو وضاحتوں کی ضرورت ہے۔

(۱)......گھوڑے رکھنے کی تین صورتیں ہیں:

(الف)......ذکور و اناث مخلوط ہوں۔

(ب)......صرف اناث ہوں۔

(ج)......صرف ذکور ہوں۔

ان میں سے کونسی صورت میں زکوٰۃ ہے؟ کونسی میں نہیں؟ اس میں امام صاحب کی تین روایتیں

ہیں، مشہور اور راجح روایت یہ ہے کہ صرف اختلاط والی صورت میں زکوٰۃ واجب ہے، انفرادِ اناث یا انفرادِ ذکور والی صورت میں واجب نہیں، دوسری روایت یہ ہے کہ اختلاط اور انفرادِ اناث کی صورت میں زکوٰۃ واجب ہے، انفرادِ ذکور کی صورت میں نہیں، تیسری روایت یہ ہے کہ تینوں صورتوں میں واجب ہے، تیسری روایت سب سے زیادہ مرجوح ہے۔

(۲)...... دوسری وضاحت یہ ضروری ہے کہ امام صاحب کے نزدیک گھوڑے کی زکوٰۃ دینے کا طریقہ کیا ہے؟ اس میں مالک کو دو اختیار ہیں، یا تو ہر گھوڑے کے بدلہ میں سالانہ ایک دینار دے دیا کرے، یا کل گھوڑوں کی قیمت کا چالیسواں حصہ۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: قائلین بعدم الزکوٰۃ دلیل پیش کرتے ہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مذکورہ حدیث سے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”لَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِ فِيْ عَبْدِهٖ وَلَا فِيْ فَرَسِهٖ صَدَقَةٌ۔ (متفق علیه والترمذی: ۱/۱۳۶) اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: ”قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قَدْ عَفَوْتُ عَنِ الْخَيْلِ وَالرَّقِيْقِ“ (الترمذی: ۱/۱۳۴، وابوداؤد: ۱/۲۲۱)

امام صاحب کی دلیل: قائلین بوجوب الزکوٰۃ دلیل پیش کرتے ہیں، مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طویل حدیث سے جس میں یہ ٹکڑا ہے: ”اَلْخَيْلُ ثَلَاثَةٌ ... اَمَّا الَّذِيْ هِيَ لَهٗ سِتْرٌ فَالرَّجُلُ يَتَّخِذُهَا تَكَرُّمًا وَتَجَمُّلًا وَلَا يَنْسَى حَقَّ ظُهُوْرِهَا وَبُطُوْنِهَا“ (ص: ۱/۳۱۹) تو یہاں حق سے مراد زکوٰۃ ہے، جیسا کہ دوسرے اموال زکوٰۃ میں بھی حق مال سے مراد زکوٰۃ ہے۔

دوسری دلیل: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث دار قطنی: ۹۶/۲ ر میں ہے: ”اَنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ فِي الْخَيْلِ فِيْ كُلِّ فَرَسٍ دِيْنَارٌ“

تیسری دلیل: مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ نہ دینے والوں کے عذاب میں ایک طویل حدیث ارشاد فرمائی، جس

یں گھوڑوں کے بارے میں ارشاد فرمایا: ”فلا اعرفن احدکم یاتی یوم القیامۃ یحمل فرسا لہ حمحمۃ ینادی یا محمد یا محمد فاقول لا املک لک من اللہ شیئا قد بلغت“

چوتھی دلیل: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہوگیا تھا، چنانچہ طحاوی، دارقطنی، مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہا کتابوں میں مختلف روایات مذکور ہیں، کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روم وشام وغیرہ بلاد کے لوگوں سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورہ سے خیل کی زکوٰۃ لی، کسی نے اس میں اختلاف نہیں کیا، ان دلائل سے واضح ہوگیا کہ گھوڑوں میں زکوٰۃ واجب ہے۔

جواب: فریق اول نے جو دلائل پیش کئے ان کا جواب یہ ہے کہ اس میں خیل سے خیل غازی مراد ہے، چنانچہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یہ حدیث شریف سنی تو ارشاد فرمایا: ”صدق النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم ولکنہ اراد فرس الغازی۔ نقلہ ابو زید الدبوسی فی الاسرار“ یا اس سے خدمت و رکوب کا خیل مراد ہے، کیونکہ اس حدیث شریف میں جو عبد مذکور ہے اس سے باتفاق ائمہ اربعہ عبد خدمت مراد ہے تاکہ دونوں جملہ میں تطابق ہوجائے۔ ”قالہ انور شاہ و العینی و صاحب البذل“ اصل بات یہ ہے کہ عہد رسالت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں اہل عرب خیل کو یا تو رکوب کیلئے پالتے تھے، یا تجارت کے لئے، تناسل کیلئے نہیں پالتے تھے، اور خیل میں زکوٰۃ کے لئے تناسل شرط ہے، بنابریں فریق اول کی پیش کردہ احادیث میں خیل میں زکوٰۃ کی نفی کی گئی۔

پھر عہد فاروقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں جب ایران اور روم کے علاقے مکمل فتح ہوگئے اور وہاں کے لوگ خیل کو تناسل کے لئے رکھتے تھے، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے صدقۂ خیل لینا شروع کیا، چنانچہ نصب الرایہ للزیلعی میں اس کی تفصیل موجود ہے، لہٰذا جن احادیث میں زکوٰۃ کی نفی ہے وہاں خیل رکوب وخیل جہاد مراد ہے، علامہ ابن ہمام نے اور ایک جواب دیا ہے کہ اہل

وغنم کی زکوٰۃ تو ساعی وصول کریگا بیت المال کی طرف سے، اور خیل کی زکوٰۃ خود مالک اداء کریگا، ساعی کا حق نہیں ہے، لہٰذا نفی زکوٰۃ سے مراد بیت المال میں دینے کی نفی ہے، مطلق زکوٰۃ کی نفی مراد نہیں ہے۔ (درس مشکوۃ: ۱۷۲/ ۲، واشرف التوضیح: ۲۳۶/ ۲) التعلیق: ۲۹۳/ ۲، مرقاۃ: ۴۲۶/ ۲)

زکوٰۃ کے بارے میں ہدایت نامہ

{۱۷۰۴} **وَعَنْ** اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ اَبَابَکْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کَتَبَ لَہٗ ھٰذَا الْکِتَابَ لَمَّا وَجَّھَہٗ اِلَی الْبَحْرَیْنِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ھٰذِہٖ فَرِیْضَۃُ الصَّدَقَۃِ الَّتِیْ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَی الْمُسْلِمِیْنَ وَالَّتِیْ اَمَرَ اللّٰہُ بِھَا رَسُوْلَہٗ فَمَنْ سُئِلَھَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ عَلٰی وَجْھِھَا فَلْیُعْطِھَا وَمَنْ سُئِلَ فَوْقَھَا فَلَا یُعْطِ فِیْ اَرْبَعٍ وَعِشْرِیْنَ مِنَ الْاِبِلِ فَمَا دُوْنَھَا مِنَ الْغَنَمِ مِنْ کُلِّ خَمْسٍ شَاۃٌ فَاِذَا بَلَغَتْ خَمْساً وَعِشْرِیْنَ اِلٰی خَمْسٍ وَّثَلٰثِیْنَ فَفِیْھَا بِنْتُ مَخَاضٍ اُنْثٰی فَاِذَا بَلَغَتْ سِتًّا وَثَلٰثِیْنَ اِلٰی خَمْسٍ وَاَرْبَعِیْنَ فَفِیْھَا بِنْتُ لَبُوْنٍ اُنْثٰی فَاِذَا بَلَغَتْ سِتًّا وَاَرْبَعِیْنَ اِلٰی سِتِّیْنَ فَفِیْھَا حِقَّۃٌ طَرُوْقَۃُ الْجَمَلِ فَاِذَا بَلَغَتْ وَاحِدَۃً وَّسِتِّیْنَ اِلٰی خَمْسٍ وَسَبْعِیْنَ فَفِیْھَا جَذَعَۃٌ فَاِذَا بَلَغَتْ سِتًّا وَسَبْعِیْنَ اِلٰی تِسْعِیْنَ فَفِیْھَا بِنْتَا لَبُوْنٍ فَاِذَا بَلَغَتْ اِحْدٰی وَتِسْعِیْنَ اِلٰی عِشْرِیْنَ وَمِائَۃٍ فَفِیْھَا حِقَّتَانِ طَرُوْقَتَا الْجَمَلِ فَاِذَا زَادَتْ عَلٰی عِشْرِیْنَ وَمِائَۃٍ فَفِیْ کُلِّ اَرْبَعِیْنَ بِنْتَ لَبُوْنٍ وَفِیْ کُلِّ خَمْسِیْنَ حِقَّۃٌ وَمَنْ لَّمْ یَکُنْ مَعَہٗ اِلَّا اَرْبَعٌ مِّنَ الْاِبِلِ فَلَیْسَ فِیْھَا صَدَقَۃٌ اِلَّا اَنْ یَّشَاءَ رَبُّھَا فَاِذَا بَلَغَتْ خَمْساً فَفِیْھَا شَاۃٌ وَمَنْ بَلَغَتْ عِنْدَہٗ مِنَ الْاِبِلِ صَدَقَۃَ الْجَذَعَۃِ وَلَیْسَتْ عِنْدَہٗ جَذَعَۃٌ وَعِنْدَہٗ حِقَّۃٌ فَاِنَّھَا تُقْبَلُ مِنْہُ الْحِقَّۃُ وَیَجْعَلُ مَعَھَا شَاتَیْنِ اِنِ

اسْتَيْسَرَ تَالَهُ اَوْ عِشْرِيْنَ دِرْهَماً وَمَنْ بَلَغَتْ عِنْدَهُ صَدَقَةُ الْحِقَّةِ وَلَيْسَتْ عِنْدَهُ الْحِقَّةُ وَعِنْدَهُ الْجَذَعَةُ فَاِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ الْجَذَعَةُ وَيُعْطِيْهِ الْمُصَدِّقُ عِشْرِيْنَ دِرْهَماً اَوْ شَاتَيْنِ وَمَنْ بَلَغَتْ عِنْدَهُ صَدَقَةَ الْحِقَّةِ وَلَيْسَتْ عِنْدَهُ اِلَّا بِنْتُ لَبُوْنٍ فَاِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ بِنْتُ لَبُوْنٍ وَيُعْطِيْ شَاتَيْنِ اَوْ عِشْرِيْنَ دِرْهَمًا وَمَنْ بَلَغَتْ صَدَقَتُهُ بِنْتَ لَبُوْنٍ وَعِنْدَهُ حِقَّةٌ فَاِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ الْحِقَّةُ وَيُعْطِيْهِ الْمُصَدِّقُ عِشْرِيْنَ دِرْهَماً اَوْ شَاتَيْنِ وَمَنْ بَلَغَتْ صَدَقَتُهُ بِنْتَ لَبُوْنٍ وَلَيْسَتْ عِنْدَهُ وَعِنْدَهُ بِنْتُ مَخَاضٍ فَاِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ بِنْتُ مَخَاضٍ وَيُعْطِيْ مَعَهَا عِشْرِيْنَ دِرْهَماً اَوْ شَاتَيْنِ وَمَنْ بَلَغَتْ صَدَقَتُهُ بِنْتَ مَخَاضٍ وَلَيْسَتْ عِنْدَهُ وَعِنْدَهُ بِنْتُ لَبُوْنٍ فَاِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ وَيُعْطِيْهِ الْمُصَدِّقُ عِشْرِيْنَ دِرْهَماً اَوْ شَاتَيْنِ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ عَنْدَهُ بِنْتُ مَخَاضٍ عَلٰى وَجْهِهَا وَعِنْدَهُ ابْنُ لَبُوْنٍ فَاِنَّهُ يُقْبَلُ مِنْهُ وَلَيْس مَعَهُ شَيْئٌ وَفِيْ صَدَقَةِ الْغَنَمِ فِيْ سَائِمَتِهَا اِذَا كَانَتْ اَرْبَعِيْنَ اِلٰى عِشْرِيْنَ وَمِائَةٍ شَاةٌ فَاِذَا زَادَتْ عَلٰى عِشْرِيْنَ وَمِائَةٍ اِلٰى مِائَتَيْنِ فَفِيْهَا شَاتَانِ فَاِذَا زَادَتْ عَلٰى مِائَتَيْنِ اِلٰى ثَلٰثِ مِائَةٍ فَفِيْهَا ثَلٰثُ شِيَاةٍ فَاِذَا زَادَتْ عَلٰى ثَلٰثِ مِائَةٍ فَفِيْ كُلِّ مِائَةٍ شَاةٌ فَاِذَا كَانَتْ سَائِمَةُ الرَّجُلِ نَاقِصَةً مِّنْ اَرْبَعِيْنَ شَاةً وَّاحِدَةً فَلَيْس فِيْهَا صَدَقَةٌ اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ رَبُّهَا وَلَا تُخْرَجُ فِي الصَّدَقَةِ هَرِمَةٌ وَلَا ذَاتُ عَوَارٍ وَّلَا تَيْسٌ اِلَّا مَا شَاءَ الْمُصَدِّقُ وَلَا يُجْمَعُ بَيْنَ مُتَفَرِّقٍ وَلَا يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ خَشْيَةَ الصَّدَقَةِ وَمَا كَانَ مِنْ خَلِيْطَيْنِ فَاِنَّهُمَا يَتَرَاجَعَانِ بَيْنَهُمَا بِالسَّوِيَّةِ وَفِي الرِّقَّةِ رُبْعُ الْعُشْرِ فَاِنْ لَمْ تَكُنْ اِلَّا تِسْعِيْنَ وَمِائَةً فَلَيْس فِيْهَا شَيْئٌ اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ رَبُّهَا۔ ﴿رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ﴾

حوالہ: بخاری شریف: ۱۹۵/۲، باب زکوٰۃ الغنم، کتاب الزکوٰۃ، حدیث نمبر: ۱۴۳۳۔

حل لغات: وجھہ: وجہ (ض) وجھا: منہ پر مارنا، وجہ: (تفعیل) کسی کے پاس بھیجنا، البحرین: ایک ملک کا نام ہے۔ فلیعطھا: عطا (ن) عطوا الشیء لینا، اعطی (افعال) اعطاء: دینا، بنت مخاض: اونٹنی کی وہ بچی جس کی عمر ایک سال مکمل ہو کر دوسرا سال لگ گیا ہو۔ بنت لبون: اونٹنی کی وہ بچی جس کی عمر دو سال مکمل ہو کر تیسرا سال لگ گیا ہو۔ حقۃ: اونٹنی کی وہ بچی جس کی عمر تین سال مکمل ہو کر چوتھا سال لگ گیا ہو، جذعۃ: وہ اونٹنی جو پورے چار سال کی ہو کر پانچویں سال میں لگ چکی ہو۔ شأۃ: بکری۔ جمع: شیاہ وضأن، سائمتھا: سائمۃ: چرنے والا اونٹ، سوائم: ہر چرنے والے جانور کو سوائم کہا جاتا ہے۔ ھریمۃ: مؤنث ہے 'الھرم' کی، نہایت بوڑھی۔ العوار: عیب دار، تیس: نر بکرا (بوتو) جمع: تیوس، الرقۃ: بمعنی درہم، یہ اصل میں 'ورق' بمعنی چاندی ہے، واو کو حذف کر کے اس کے اخیر میں تا کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جب انہیں بحرین (موجودہ نام احسائی) کی طرف بھیج رہے تھے، تو (زکوٰۃ کے نصاب و مقادیر سے متعلق) ان کے لئے یہ حکم نامہ لکھا:

''شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ یہ وہ نوشتہ ہے جس میں اس صدقۂ فرض (زکوۃ) کا بیان ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور نصاب کی تعیین و تفصیل کی صورت میں) مسلمانوں پر فرض کیا ہے، اور یہ وہی صدقۂ فرض ہے جس کی تنفیذ و تبلیغ کا حکم اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا، پس جس مسلمان سے اس (نوشتہ) کے مطابق زکوٰۃ کا جو مطالبہ کیا جائے اس کو چاہئے کہ اس (مطالبہ) کی ادائیگی کرے، اور جس سے اس (ماوجب) سے زائد کا مطالبہ کیا جائے تو وہ اس (مقدار زائد) کی ادائیگی نہ کرے۔

چوبیس اونٹوں میں اور چوبیس سے کم اونٹوں میں (بطور زکوۃ) بکری واجب ہوتی ہے، اس طرح سے کہ ہر پانچ اونٹوں پر ایک بکری، پھر جب اونٹ پچیس ہو جائیں تو پینتیس تک پر سال بھر کی ایک بوتی

مادہ۔ پھر جب اونٹ ۳۶ر ہوجائیں تو ۴۵ر تک پر پورے دوسال کی ایک بوتی مادہ۔ پھر جب اونٹ ۴۶ر ہوجائیں تو ساٹھ تک پر ایک حقہ یعنی اونٹ کے چڑھنے (جفتی کرنے) کے قابل پورے تین سال کی بوتی۔ پھر جب اونٹ ۶۱ر ہوجائیں تو پچھتر تک پر ایک وہ بوتی جو پورے چارسال کی ہوکر پانچویں سال میں لگ گئی ہو۔ پھر جب اونٹ ۷۶ر ہوجائیں تو نوے تک پر دو دوسال کی دو بوتیاں۔ پھر جب اونٹ ۹۱ر ہوجائیں تو ۱۲۰ر تک پر ایک اونٹ کے چڑھنے کے قابل پورے تین تین سال کی دو بوتیاں۔ پھر اونٹ جب ۱۲۰ر سے زیادہ ہوجایں تو ہر چالیس اونٹوں پر دوسال کی ایک بوتی اور ہر پچاس اونٹوں پر پورے تین سال کی ایک بوتی۔

اور وہ شخص کہ جس کے پاس چار ہی اونٹ ہوں تو ان (چار اونٹوں) پر کوئی زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی، اِلَّا یہ کہ مالک از خود دینا چاہے (تو نفلی صدقہ کے طور پر کچھ دیدے) اونٹ جب پانچ ہوتے ہیں تو ان میں (زکوٰۃ کے طور پر) ایک بکری واجب ہوتی ہے۔ اور وہ شخص کہ جس کے پاس اونٹوں کی ایسی تعداد ہو (یعنی ۶۱ر سے ۷۵ر تک) جس میں ایک وہ بوتی واجب ہوتی ہو جو چارسال کی ہوکر پانچویں سال میں لگ چکی ہو، اور اس شخص کے پاس چارسال کی بوتی (زکوٰۃ میں دینے کے لئے) موجود نہ ہو، البتہ اس کے پاس تین سال کی بوتی موجود ہو تو اس سے وہی تین سال کی بوتی (زکوٰۃ میں) قبول کی جائے گی، مگر زکوٰۃ دینے والے کو اس (تین سال کی بوتی) کے ساتھ دو بکریاں بھی دینا ہوں گی، اگر اس کو میسر ہوں یا پھر ۲۰ر درہم دینے ہوں گے۔ اور وہ شخص کہ جس کے پاس اونٹوں کی ایسی تعداد ہو (یعنی ۴۶ر سے ساٹھ تک) جس میں تین سال کی بوتی واجب ہوتی ہو اور اس شخص کے پاس تین سال کی بوتی (زکوٰۃ میں دینے کے لئے) موجود نہ ہو، البتہ اس کے پاس چارسال کی بوتی موجود ہو تو اس سے وہی چارسال کی بوتی (زکوٰۃ میں) قبول کی جائے گی، مگر زکوٰۃ وصول کرنے والا اس شخص کو ۲۰ر درہم واپس کریگا، یا دو بکریاں۔ اور وہ شخص کہ جس کے پاس اونٹوں کی ایسی تعداد ہو جس میں تین سال کی بوتی واجب ہوتی ہو اور اس شخص کے پاس تین سال کی بوتی موجود نہ ہو البتہ دوسال کی بوتی موجود ہو تو اس سے وہی دوسال کی بوتی قبول کی جائے گی، مگر (زکوٰۃ دینے والے) اس شخص کو (اس دوسال کی بوتی کے ساتھ) دو بکریاں بھی دینی ہوں گی، یا ۲۰ر درہم

05 Bab ma Yajibu

دینے ہوں گے، اور وہ شخص کہ جس کے پاس اونٹوں کی ایسی تعداد ہو (یعنی ۳۶/ سے ۴۵/ تک) جس میں دو سال کی بوتی واجب ہوتی ہو اور اس کے پاس دو سال کی بوتی موجود نہ ہو البتہ اس کے پاس تین سال کی بوتی موجود ہو تو اس سے وہی تین سال کی بوتی قبول کی جائے گی، مگر زکوٰۃ وصول کرنے والا اس شخص کو یا تو ۲۰/ درہم واپس کرے یا دو بکریاں۔ اور وہ شخص کہ جس کے پاس اونٹوں کی ایسی تعداد ہو جس میں دو سال کی بوتی واجب ہوتی ہو اور اس کے پاس دو سال کی بوتی موجود نہ ہو البتہ اس کے پاس ایک سال کی بوتی ہو تو اس سے وہی ایک سال کی بوتی قبول کی جائے گی، مگر (زکوٰۃ دینے والے) اس شخص کو اس کے ساتھ ۲۰/ درہم بھی دینے ہوں گے، یا دو بکریاں۔ اور وہ شخص کہ جس کے پاس اونٹوں کی ایسی تعداد ہو (یعنی ۲۵/ سے ۳۵/ تک) جس میں ایک سال کی بوتی واجب ہوتی ہو اور وہ (ایک سال کی بوتی) اس کے پاس موجود نہ ہو البتہ اس کے پاس دو سال کی بوتی موجود ہے تو اس سے وہی دو سال کی بوتی قبول کی جائے گی، مگر زکوٰۃ وصول کرنے والا اس شخص کو یا تو ۲۰/ درہم واپس کرے یا دو بکریاں۔ اور اگر اس کے پاس دینے کے قابل ایک سال کی بوتی موجود نہ ہو البتہ دو سال کا بوتہ اس کے پاس موجود ہو تو اس سے وہی دو سال کا بوتہ قبول کیا جائے گا، اور اس صورت میں کچھ اور لینا یا دینا واجب نہ ہوگا۔

اور چرنے والی بکریوں میں زکوٰۃ اس طرح ہے کہ بکریاں جب چالیس ہوں تو ایک سو بیس تک میں ایک بکری واجب ہوتی ہے۔ جب ایک سو بیس سے زائد ہوں تو دو سو تک میں دو بکریاں، اور تعداد جب دو سو سے زیادہ ہو جائے تو تین بکریاں واجب ہوں گی، یہاں تک کہ تعداد تین سو ہو جائے۔ اور جب تعداد تین سو سے (پوری سو) زیادہ ہو جائے (یعنی چار سو ہو جائے) تو پھر ہر سو میں ایک بکری ہے۔ اور جس شخص کے پاس چالیس سے ایک بھی کم چرنے والی بکریاں ہوں ان میں کوئی زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ الا یہ کہ ان بکریوں کا مالک از خود دینا چاہے۔ (تو نفلی صدقہ کے طور پر کچھ دیدے) اور (یہ امر ملحوظ رہے کہ) زکوٰۃ میں نہ تو بڑھیا دی جائے نہ عیب دار۔ (یعنی زکوٰۃ میں نکالی جانے والی خواہ اونٹنی ہو خواہ بکری اور خواہ گائے، وہ نہ تو بوڑھی ہو اور نہ عیب دار ہو) نیز (بکریوں کی زکوٰۃ میں) بوک یعنی غیر خصی بکرا نہ نکالا جائے۔ الا یہ کہ زکوٰۃ وصول کرنے والا (کسی مصلحت سے) لینا چاہے۔ (تو بوک لے سکتا ہے)

اور زکوٰۃ کے خوف سے الگ الگ جانوروں کو اکٹھا نہ کیا جائے اور اکٹھے جانوروں کو الگ الگ نہ کیا جائے، اور جس نصاب میں دو آدمیوں کا مال ملا ہوا ہو تو وہ آپس میں (اپنے اپنے حصہ کے موافق) حساب برابر کرلیں۔

اور چاندی (کے نصاب دوسو درہم) میں چالیسواں حصہ (زکوٰۃ کے طور پر) دینا فرض ہے، اور جس کے پاس ایک سونوے ہی درہم ہوں (یعنی درہم نصاب سے ذرا بھی کم ہوں) تو ان پر کوئی زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی، الا یہ کہ مالک از خود دینا چاہے۔ (تو نفلی صدقہ کے طور پر کچھ دیدے)۔ (بخاری شریف)

تشریح: اس حدیث شریف میں سوائم کی زکوٰۃ کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں، سائمہ ان جانوروں کو کہتے ہیں جو سال کا اکثر حصہ باہر چریں۔

هذه فريضة الصدقة: یعنی جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بحرین کا عامل بنا کر بھیج رہے تھے صدقات وصول کرنے کے لئے، تو ان کو ایک نوشتہ اور تحریر لکھ کر دی تھی اور یہ وہ نوشتہ تھا، جس میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زکوٰۃ اور صدقات کے نصاب کو مسلمانوں پر متعین فرمایا ہے، اور یہ وہی فریضہ ہے جس کی تبلیغ کا حکم اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو دیا ہے، اس حدیث شریف میں فرض کرنے کی نسبت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف کی گئی ہے، حالانکہ فرض تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس فریضہ کی طرف داعی ہیں، اس لحاظ سے فرض کی نسبت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف مجازاً کردی گئی ہے۔ (بذل: ۶/۳۳۱)

فمن سئلها من المسلمين على وجهها: یعنی جس مسلمان سے بھی زکوٰۃ وصول کرنے والا اس نوشتہ اور تحریر کے مطابق زکوٰۃ کا مطالبہ کرے تو اس کو چاہئے کہ وہ اپنی زکوٰۃ وصول کرنے والے کے حوالہ کردے، اور اگر زکوٰۃ وصول کرنے والا اس نوشتہ کے خلاف مطالبہ کرے یعنی واجب سے زائد کا مطالبہ کرتا ہے تو زائد مقدار اس کو نہ دے، یا مطلب یہ ہے کہ ساعی کو بالکل کچھ نہ

دے، بلکہ اپنی زکوٰۃ خود ہی فقراء کو دیدے، اس لئے کہ مقدار سے زائد کا مطالبہ کرنے سے ساعی خائن ہوگیا، اور خیانت کی وجہ سے اطاعت ساقط ہوجاتی ہے، لہٰذا ساعی کی اطاعت کرکے زائد کا مطالبہ پورا نہ کیا جائے، یہاں پر اب سوال یہ ہوتا ہے کہ اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مصدق زکوٰۃ دینے والے پر ظلم کرے اور زائد کا مطالبہ کرے تو اس کے مطالبہ کو زکوٰۃ دینے والا پورا نہ کرے، جب کہ پیچھے حدیث شریف میں یہ گذرا ہے کہ ''اِرْضُوْا مُصَدِّقِيْكُمْ وَاِنْ ظُلِمْتُمْ'' یعنی مصدق کو راضی کرکے واپس کرو، اور جتنی زکوٰۃ وہ مانگے اس کو دیدو، اگرچہ تم پر ظلم کیا جارہا ہو، بظاہر دونوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پیچھے گذرنے والی حدیث میں ان مصدقین کا ذکر ہے، جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں، اور ظاہر ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم زائد کا مطالبہ کرکے ہرگز ظلم نہیں کرسکتے، یہ الگ بات ہے کہ زکوٰۃ دینے والا اپنے گمان کے مطابق یہ سمجھ رہا ہو کہ مجھ پر ظلم ہورہا ہے، اور واجب سے زیادہ وصول کیا جارہا ہے، اور یہاں جو حدیث شریف ہے، اس میں ایک ضابطہ اور اصول قیامت تک کے لئے بیان کیا گیا ہے، اور اس میں سب طرح کے مصدق ہوسکتے ہیں، عادل بھی، اور ظالم بھی، لہٰذا دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں ہوا، دوسرا تطبیقی جواب یہ ہے کہ ظلم کی صورت میں زکوٰۃ کا دینا مستحب ہے، اور نہ دینا رخصت ہے۔
(مرقاۃ: ۴۲۷/۲، بذل: ۳۳۲/۶)

اونٹوں کی زکوٰۃ کی تفصیل

اونٹوں کی عمریں: اونٹوں کی زکوٰۃ کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے عمروں کے اعتبار سے ان کے مختلف القاب ذکر کئے جائیں گے ان کو سمجھ لینا مناسب ہے۔

بنت مخاض: وہ اونٹنی جو ایک سال کی ہوکر دوسرا سال شروع کرچکی ہو، مخاض حاملہ کو کہتے ہیں، ایک سال کے بعد چونکہ اس کی ماں حاملہ ہوسکتی ہے، اس لئے اس کو بنت مخاض کہدیتے ہیں۔

بنت لبون: وہ اونٹنی جو دو سال کی ہوکر تیسرا سال شروع کرچکی ہو، لبون کہتے ہیں دودھ دینے والی اونٹنی کو، جس وقت اس کی عمر دو سال کی ہوگی تو اس کی ماں دوسرے بچے کے ساتھ دودھ والی

ہوچکی ہوگی، اس لئے اس کو بنت لبون کہہ دیتے ہیں۔

حقہ: وہ انٹنی جو تین سال کی ہوکر چوتھا سال شروع کرچکی ہو، اس کو حقہ اس لئے کہتے ہیں کہ حقہ کے معنی لائق ہونے کا ہے کہ اب یہ سواری اور طروق کے قابل ہوگئی ہے۔

جذعہ: وہ انٹنی جو چار سال کی ہوکر پانچواں سال شروع کرچکی ہو، جذعہ اس انسان یا حیوان کو کہتے ہیں جو قوی اور جوان ہوچکا ہو، اس عمر میں اونٹ یا اونٹنی اپنی قوت کو پہنچ جاتے ہیں۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ اونٹوں کی زکوٰۃ میں بالذات مؤنث ہی واجب ہوتی ہے، اگر مذکر دینا ہوتو قیمت کا حساب کرکے دیا جاسکتا ہے۔

اونٹوں کی زکوٰۃ کے دو حصے ہیں، ایک حصہ ائمہ اربعہ کے یہاں اتفاقی ہے، دوسرا اختلافی۔ اونٹوں کا نصاب پانچ عدد ہیں، اس سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں، پانچ سے لے کر ایک سوبیس تک کے حساب میں ائمہ اربعہ کا کوئی اختلاف نہیں، یہ وہی ہے جو حدیث شریف میں صراحۃً مذکور ہے، یعنی پانچ سے لے کر چوبیس تک ہر پانچ اونٹوں پر ایک بکری۔ پچیس سے لے کر پینتیس تک ایک بنت مخاض، چھتیس سے لے کر پینتالیس تک ایک بنت لبون، چھیالیس سے لے کر ساٹھ تک ایک حقہ، اکسٹھ سے لے کر پچھتر تک ایک جذعہ، چھہتر سے نوے تک دو بنت لبون، اکانوے سے ایک سوبیس تک دو حقے۔

ایک سوبیس تک کا یہ حساب ائمہ اربعہ اور جمہور کے ہاں اتفاقی ہے، ایک سوبیس کے بعد کیا حساب ہوگا؟ اس میں اختلاف ہوا ہے، اس میں کئی مذاہب ہیں، صرف ائمہ اربعہ کے مذاہب نقل کئے جائیں گے۔

حنفیہ کا مذہب: ایک سوبیس کے بعد نیا حساب چلے گا، ایک سو پچاس تک، اس کو استیناف اول کہیں گے، ایک سو پچاس کے بعد ایک سو اکیاون سے پھر نئے سرے سے حساب چلے گا، اس کو استیناف ثانی کہیں گے، استیناف ثانی دو سو تک چلے گا، دونوں کی تفصیل یہ ہے:

استیناف اول: جب اونٹ ایک سوبیس سے پانچ زائد ہوجائیں یعنی ایک سو پچیس ہوجائیں تو دو حقوں کے ساتھ ایک بکری واجب ہوگئی، اسی طرح ہر پانچ کے اضافہ کے ساتھ ایک بکری کا اضافہ ہوتا

رہے گا، چوبیس کے اضافہ تک یعنی ایک سو چوالیس اونٹ ہونے تک، جب پچیس کا اضافہ ہو جائے یعنی ایک سو پینتالیس اونٹ ہو جائیں تو دو حقے اور ایک بنت مخاض، ایک سو انچاس تک، یہی حساب چلے گا، جب ایک سو پچاس ہو جائیں تو تین حقے واجب ہوں گے، ہر پچاس اونٹ پر ایک حقہ ہوا۔

استیناف ثانی: جب اونٹ ایک سو پچاس سے زائد ہو جائیں تو ہر پانچ کے اضافہ پر ایک بکری زیادہ ہوگی، چوبیس کے اضافہ تک یعنی ایک سو چوہتر اونٹ ہونے تک، جب پچیس کا اضافہ ہو جائے یعنی کل اونٹ ایک سو پچھتر ہو جائیں تو تین حقوں کے ساتھ ایک بنت مخاض آئے گی، جب چھتیس زائد ہو جائیں یعنی ایک سو چھیاسی اونٹ ہو جائیں تو تین حقے اور ایک بنت لبون، پینتالیس کی زیادتی تک یعنی ایک سو پچانوے اونٹ ہونے تک جب چھیالیس زیادہ ہو جائیں یعنی کل اونٹ ایک سو چھیانوے ہو جائیں تو ایک حقہ کا اضافہ ہو جائے گا کل چار حقے ہو جائیں گے، دوسو تک یہی حساب رہے گا، دوسو کے بعد پھر استیناف ہوگا، استیناف ثانی کی طرح ہر پچاس کے بعد استیناف ہوتا رہے گا۔

استیناف ثانی کے حساب سے یہ بات معلوم ہوجاتی ہے کہ چھتیس سے لے کر پینتالیس کے اضافہ تک ایک بنت لبون کا اضافہ ہوتا ہے، اس کے ضمن میں یہ بات بھی صادق آ گئی کہ چالیس پر ایک بنت لبون زیادہ ہوئی ہے، پھر چھیالیس کے اضافہ سے لے کر پچاس تک ایک حقہ کا اضافہ ہوگا، اس کے ضمن میں یہ بات بھی آ گئی کہ پچاس کے اضافہ پر حقہ کا اضافہ ہوا۔

ائمہ ثلاثہ کا مذہب: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ایک سوتیس سے اربعینات وخمسینات کا حساب شروع ہوگا، ہر اربعین میں ایک بنت لبون اور ہر خمسین میں ایک حقہ، ایک سو بیس سے ایک سوتیس تک ائمہ ثلاثہ کا آپس میں بھی کچھ اختلاف ہے۔

دلیل ائمہ ثلاثہ: ائمہ ثلاثہ زیر بحث حدیث سے استدلال کرتے ہیں، اس میں ہے: "فاذا زادت علی عشرین ومائة ففی کل اربعین بنت لبون وفی کل خمسین حقة"

جواب: ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ہمارے مذہب پر بھی منطبق ہے۔ کما ذکرنا۔ ہمارے مذہب پر زیادہ سے زیادہ اتنا کہنا پڑے گا کہ یہاں اجمالاً صرف دہائیوں کو ذکر کر دیا گیا ہے، کسور کو حذف کر دیا گیا ہے، اور حذف کسور کلام عرب میں شائع ہے۔ ہمارے مذہب پر اس حدیث شریف کا بالکلیہ ترک لازم نہیں آیا، جب کہ دوسری رائے کے مطابق ان دلائل کا ترک لازم آئے گا، جن سے حنفیہ استدلال کرتے ہیں۔ اور وہ حسب ذیل ہیں:

دلائل حنفیہ: (۱)......ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مراسیل میں، اسحٰق بن راہویہ نے اپنے مسند میں، اور طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے مشکل الأثار میں ایک حدیث نقل کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن حازم کیلئے کتاب الصدقات لکھوائی تھی اس میں اونٹوں کے حساب کے متعلق یہ بھی تھا کہ ایک سوبیس کے بعد نیا حساب چلے گا، اور پچیس سے کم کی زیادتی تک ہر پانچ اونٹ پر ایک بکری (زائد) ہوگی، یہ حدیث شریف صرف حنفیہ کے مذہب پر منطبق ہوتی ہے، حدیث شریف کی سند وغیرہ تفصیلات نصب الرایہ میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

(۲)......طحاوی شریف میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا اثر ہے جس کا مضمون تقریباً یہی ہے۔

(۳)......ابن ابی شیبہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اثر کی تخریج کی ہے: "اذا زادت الابل علی عشرین و مائۃ یستقبل بها الفریضۃ۔"

انصاف کی بات یہ ہے کہ ایک سوبیس کے بعد اونٹوں کی زکوٰۃ کے دونوں طریقے درست ہیں، کیونکہ یہ دونوں طریقے عہد نبوت سے متوارث چلے آرہے ہیں، دونوں پر سلف کا تعامل رہا ہے۔

فائدہ: اس حدیث شریف کے بہت سے اجزاء ایسے ہیں جو جوازِ دفع القیم کے مسئلہ میں حنفیہ کی تائید کرتے ہیں، مثلاً چوبیس اونٹوں تک ہر پانچ اونٹ پر ایک بکری واجب ہے، اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کا تعلق عین مال کے ساتھ نہیں تھا، اسی طرح بہت سی صورتوں میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جس عمر کا جانور فرض تھا وہ اگر مالک کے پاس نہیں ہے تو اس کی جگہ دوسرا لیا جا سکتا ہے، اور قیمت کی کمی بیشی کا حساب دوسرے طریقوں

سے کیا جاسکتا ہے ۔(اشرف التوضیح) بذل:۶/۳۳۶،التعلیق:۲/۲۹۷۔

ومن بلغت عندہ صدقۃ الجذعۃ ولیست عندہ: یعنی جس شخص کے اونٹوں میں زکوٰۃ واجب ہوئی ہے، یہ ضروری نہیں ہے کہ جس عمر کا اونٹ واجب ہوا ہے وہ اس شخص کے پاس موجود ہو، اگر اس عمر کا اونٹ موجود ہے تو پھر کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے، وہی اونٹ زکوٰۃ میں دیدیا جائے گا، اگر اس عمر کا اونٹ موجود نہ ہو تو اس کا حل حدیث شریف میں یہ بتایا گیا ہے کہ جس عمر کا اونٹ زکوٰۃ میں واجب ہے یا تو اس سے ایک سال زیادہ عمر والا اونٹ لے لے، اگر وہ موجود ہو اور اس صورت میں ساعی زکوٰۃ دینے والے کو بیس درہم یا دو بکری دیدے، اور اگر زیادہ عمر والا نہ ہو تو جو واجب ہے اس سے کم عمر والا اونٹ لے لے، اور اس صورت میں زکوٰۃ دینے والا ساعی کو بیس درہم یا دو بکری دیدے، تلافی کی یہ بیان کردہ صورت امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک اصولی ہے، یعنی اس کی تلافی کی یہی صورت متعین ہے، جب کہ حنفیہ کے نزدیک اس میں اصل قیمت ہے، قیمت کے لحاظ سے جو کچھ کمی بیشی ہوگی اس کا اعتبار ہوگا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اس تفاوت کی تلافی دس درہم یا ایک بکری بتائی ہے، اور اس حدیث شریف کی توجیہ جو امام شافعی کا مستدل ہے (یعنی حدیث باب) اس کا جواب یہ ہے کہ کہ ممکن ہے کہ جس وقت کی یہ حدیث ہے اس زمانہ میں قیمت کے لحاظ سے اتنا فرق رہا ہو۔ (بذل:۶/۳۴۱،۳۴۰)

فان لم تکن عندہ بنت مخاض: اوپر جو کچھ بیان ہوا وہ سب عمر کے اعتبار سے تفاوت کی مختلف شکلیں تھیں، یہاں مذکر اور مؤنث کے لحاظ سے تفاوت کو بیان کیا جارہا ہے، اونٹ کے اندر مذکر اور مؤنث کی قیمت میں فرق ہوتا ہے، مونث کی قیمت زیادہ ہوتی ہے، اور مذکر کی قیمت کم ہوتی ہے۔ واضح رہے کہ اونٹوں میں اصالۃً مؤنث ہی واجب ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر کسی شخص کے اونٹوں میں بنت مخاض واجب ہو لیکن وہ اس کے پاس موجود نہ ہو البتہ اس سے ایک سال سے زائد کا مذکر اونٹ ابن لبون موجود ہو، جیسا کہ حدیث شریف میں منقول ہوا تو اس صورت میں ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بنت مخاض کے بجائے ابن لبون لیا جائے گا، اور یہی ان کے یہاں متعین ہے، گویا کہ مؤنث کی تلافی زیادتی عمر سے

کی جائے گی، اور امام صاحب کے نزدیک ابن لبون کا لینا متعین نہیں ہے، بلکہ ان کے نزدیک یہاں بھی قیمت کا اعتبار ہے۔(الدر المنضود: ۳/۳۴۳)

وفی صدقۃ الغنم: یہاں سے بکری کا نصاب شروع ہو رہا ہے، بکری کے حکم میں بھیڑ اور دنبہ بھی داخل ہیں، اس لئے جو حکم بکری کی زکوٰۃ کا ہے، وہی حکم بھیڑ اور دنبہ کا بھی ہے، دوسری بات یہ ہے کہ سائمہ سے مراد یہ ہے کہ جو مویشی سال کا اکثر حصہ جنگلوں اور چراگاہوں میں چرتے ہوں اور وہ افزائش نسل کے لئے ہوں تو ایسے مویشیوں میں زکوٰۃ فرض ہوتی ہے، اور جو سال کا اکثر جنگلوں اور چراگاہوں میں نہیں چرتے تو ان میں زکوٰۃ فرض نہیں ہے، بہر حال جو بکری سائمہ ہو اور اس کی تعداد چالیس ہو تو اس میں ایک بکری بطور زکوٰۃ نکالنا واجب ہے، ایک سو بیس تک ایک ہی بکری واجب ہے، اس کے بعد ایک سو اکیس سے لیکر دو سو تک دو بکری واجب ہوگی، پھر جب بکریوں کی تعداد دو سو سے زائد ہو جائے تو اس میں تین بکریاں واجب ہیں، یہاں تک کہ تعداد تین سو تک پہنچ جائے، پھر جب تعداد تین سو سے زائد ہو جائے تو پھر ہر سو میں ایک بکری واجب ہے، یعنی جب بکریوں کی تعداد تین سو سے پوری سو زیادہ ہو جائے یعنی چار سو ہو جائے تب چار بکری واجب ہوگی، لہٰذا دو سو ایک سے لیکر تین سو ننیانوے تک تین بکری واجب ہوں گی، یہی جمہور کا مسلک ہے، حدیث شریف کے ظاہر الفاظ سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ تین بکریاں دو سو ایک سے لیکر تین سو تک میں واجب ہوں گی، اور جب بکریوں کی تعداد میں ایک کا بھی اضافہ ہو جائے تو تین سو ننیانوے تک چار بکریاں واجب ہوں گی، چنانچہ حسن بن صالح کا یہی مذہب ہے۔ (مرقاۃ: ۴۲۹/۲، بذل: ۶/۳۴۳)

ولا تخرج فی الصدقۃ ھرمۃ ولا ذات عوار: یہاں سے اس بات کا بیان ہے کہ کس قسم کا جانور یا بکری زکوٰۃ میں لینی چاہئے؟ تو جاننا چاہئے کہ کھوسٹ بڈھی بکری یا جانور نہیں لینا چاہئے، اور نہ ہی عیب دار، عیب سے کونسا عیب مراد ہے؟ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ وہ عیب جس کی وجہ سے بیع میں مبیع کو واپس کرنے کا اختیار حاصل ہو جاتا ہے، اور بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ وہ عیب مراد ہے کہ جس کی وجہ سے قربانی کا جانور قربانی کے درست اور جائز ہونے سے مانع ہو، یہ اس صورت میں ہے

جب کہ مالک جانور کے تمام جانور یا اس کے کچھ جانور عیب دار ہونے سے محفوظ ہوں، اور اگر اس کے تمام جانور ہی عیب دار ہوں تو زکوٰۃ وصول کرنے والا اس کے جانوروں میں سے جو اوسط درجہ کا ہو اس کو زکوٰۃ میں وصول کرلے گا۔ (بذل: ۳۴۴/۲، الدرالمنضود: ۳/۳۴)

ولا تیس الا ماشاء المصدق: یعنی بکریوں کی زکوٰۃ میں بوک کو نہ لیا جائے، اور بوک لینے کی ممانعت دو وجہ سے ہوسکتی ہے:

(۱)...... یا تو اس وجہ سے کہ مالک جانور اس کو چراگاہ میں افزائش نسل کے لئے رکھتا ہے، اگر وہ بوک ہی زکوٰۃ میں لے لیا جائے تو مالک کو نقصان ہوگا۔

(۲)...... یا اس وجہ سے کہ بوک کا گوشت بدمزہ اور بدبودار ہوتا ہے۔

یہاں مصدق کو دو طرح پڑھا گیا ہے: "مُصَدِّق" تخفیف صاد کے ساتھ، یعنی زکوٰۃ وصول کرنے والا۔ "مُصَّدِّقْ" تشدید صاد کے ساتھ، پہلی صورت میں استثناء کا تعلق تینوں قسم کے جانور سے ہوگا، اور دوسری صورت میں استثناء کا تعلق صرف اخیر سے یعنی تیس سے ہوگا، یعنی اگر مالک خود زکوٰۃ میں بوک دینا چاہے تو اس کو اختیار ہے، دے سکتا ہے، لیکن ساعی کو لینے کا اختیار نہیں ہے، ساعی کے لئے ممانعت کی وجہ افزائش نسل ہے، دوسری حیثیت اگر دیکھی جائے اور وہ یہ ہے کہ بوک کا گوشت بدبودار اور بدمزہ ہوتا ہے اس لئے کہا گیا ہے کہ اگر ساعی لینا چاہے تو لے سکتا ہے۔ (بذل: ۳۴۴/۶، مرقاۃ: ۴۳۰/۲)

ولا یجمع بین متفرق: حدیث شریف کے اس جملہ میں متفرق کو مجتمع کرنے سے اور مجتمع کو متفرق کرنے سے نہی ہے، مطلب یہ ہے کہ جو جانور متفرق ہوں ان کو متفرق سمجھتے ہوئے ہی زکوٰۃ کا حساب کرنا چاہئے، اور جو جانور مجتمع ہوں ان کو مجتمع سمجھتے ہوئے زکوٰۃ کا حساب کرنا چاہئے، جمع وتفریق کس اعتبار سے مراد ہے؟ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ جمع وتفریق باعتبار مکان کے بھی ہوسکتی ہے، حنفیہ کے نزدیک یہاں جمع وتفریق صرف باعتبار ملک مراد ہے، یہ ہے اس جملہ کا اجمالی سا مطلب، اس کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے پہلے ایک اختلافی مسئلہ سمجھ لینا چاہئے۔

خلطت کے اقسام اور ان کا حکم

خلطت (بضم الخاء) کا معنی ہے شرکت، خلطت کی دو قسمیں ہیں:

(۱)......خلطۃ الشیوع۔ (۲)......خلطۃ الجوار۔

خلطۃ الشیوع کا مطلب یہ ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان مویشی وغیرہ اس طرح سے مشترک ہوں کہ اس کے ہر ہر جزو میں دونوں شریک ہوں، سب مال دونوں میں مشاع ہو۔

خلطۃ الجوار کی صورت یہ ہے کہ دو آدمیوں کی ملکیت میں الگ الگ مویشی ہوں وہ دونوں انتظامی سہولت کی خاطر اپنے جانوروں کو ایک جگہ جمع کر لیتے ہیں، ملکیت دونوں کی جدا جدا ہے، صرف انتظامی امور میں اشتراک کر لیا گیا ہے۔

خلطۃ الشیوع یا خلطۃ الجوار کا حساب زکوٰۃ میں کوئی اعتبار ہے یا نہیں؟ اس میں ائمہ کا اختلاف ہوا ہے، حنفیہ کے نزدیک حسابِ زکوٰۃ میں صرف ملکیت کا اعتبار ہے، خلطت کا اعتبار نہیں، یعنی یہ دیکھا جائے گا کہ کس شخص کی ملکیت میں کتنا مال ہے، اسی حساب سے زکوٰۃ وصول کی جائے گی، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک خلطۃ الشیوع اور خلطۃ الجوار دونوں کا حسابِ زکوٰۃ میں اعتبار ہوگا۔ البتہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف مقدار واجب میں مؤثر ہے، نصاب میں نہیں، بلکہ انکے نزدیک ہر شریک کا صاحب نصاب ہونا ضروری ہے۔

اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک خلطۃ الجوار کے حسابِ زکوٰۃ میں مؤثر ہونے کے لئے کچھ شرطیں ہیں، ان شرائط میں ان حضرات کا آپس میں اختلاف بھی ہے، مندرجہ ذیل امور میں اتحاد کا شرط ہونا منقول ہے۔

(۱)......مرعیٰ۔ (۲)......مسرح۔ (۳)......مراح۔ (۴)......الفحل۔ (۵)......الراعی۔

(۶)......المشرب۔ (۷)......المحلب۔ (دودھ دوہنے کا برتن)۔ (۸) الحالب۔

(۹)......الکلب۔

زیادہ سے زیادہ ان اشیاء میں اتحاد ائمہ ثلاثہ کے نزدیک شرط ہے، اس کے علاوہ نیت الخلطۃ بھی شرط ہے۔(معارف السنن:١٨٦/٥)

حاصل یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک زکوٰۃ قطائع پر ہے، حنفیہ کے نزدیک زکوٰۃ املاک پر ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ دیکھا جائے گا کہ اس ریوڑ میں کتنے جانور ہیں، اس حساب سے زکوٰۃ وصول ہوگی، اور حنفیہ کے نزدیک دیکھا جائے گا کہ ایک مالک کی ملکیت میں کتنے جانور ہیں، اسی حساب سے زکوٰۃ وصول ہوگی۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک شرح حدیث

ائمہ ثلاثہ اور حنفیہ کے درمیان اس اختلاف کے پیش نظر حدیث شریف کے اس جملہ کی تشریح بھی دونوں کے یہاں الگ ہوگی، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک "لایجمع بین متفرق ولایفرق بین مجتمع" میں جمع وتفریق باعتبار مکان کے مراد ہوگی، اور مطلب حدیث کا یہ ہوگا کہ جو مال مکان اور ریوڑ کے اعتبار سے مجتمع ہو اس کو مجتمع سمجھ کر ہی زکوٰۃ کا حساب کیا جائے، متفرق نہ تصور کیا جائے، اور جو مال مکان کے اعتبار سے متفرق ہو اس کی زکوٰۃ کا حساب بھی اسی طرح کیا جائے، اس کو مجتمع کر کے زکوٰۃ کا حساب نہ کیا جائے۔

حنفیہ کے نزدیک حدیث شریف کا مطلب

حنفیہ کے نزدیک اس حدیث شریف میں جس جمع وتفریق سے نہی کی گئی ہے وہ جمع وتفریق باعتبار ملکیت مراد ہے، یعنی جو مال دو یا زیادہ آدمیوں کی ملکیت میں متفرق ہو، اس کو ایک آدمی کی ملکیت میں مجتمع تصور کر کے زکوٰۃ کا حساب نہ کیا جائے، اور جو مال ایک آدمی کی ملکیت میں مجتمع ہو اس کی زکوٰۃ کا حساب بھی اسی طرح کیا جائے، اس کو کئی آدمیوں کی ملکیت میں متفرق سمجھ کر زکوٰۃ کا حساب نہ کیا جائے۔

مثالیں: حدیث شریف میں دو چیزوں سے نہی ہے، ایک جمع بین المتفرق سے۔ دوسری تفریق

بین المجتمع سے۔حنفیہ کے نزدیک دونوں چیزوں سے نہی مالک کو بھی ہے،اور ساعی کو بھی،
اس طرح سے کل چار صورتیں بن گئیں۔

(١)......جمع بین المتفرق سے نہی مالک کو۔

(٢)......جمع بین المتفرق سے نہی ساعی کو۔

(٣)......تفریق بین المجتمع سے نہی مالک کو۔

(۴)......تفریق بین المجتمع سے نہی ساعی کو۔

حنفیہ کی تشریح کے مطابق ان چاروں صورتوں کی مثالیں پیش کی جاتی ہیں،ائمہ ثلاثہ کے مذہب پر مثالیں ادنیٰ تأمل سے معلوم کی جاسکتی ہیں۔

مثال نمبر(١)......فرض کیجئے دو آدمیوں کی ملکیت میں جدا جدا چالیس چالیس بکریاں ہیں،چالیس ایک کی ہیں اور چالیس دوسرے کی،اب قاعدہ کی رو سے ہر مالک سے ایک بکری وصول کی جانی چاہئے،ایسی صورت میں زکوٰۃ کم کرنے کے لئے دونوں مالک مل کر یہ حیلہ کرسکتے ہیں کہ ساعی پر یہ ظاہر کریں کہ یہ اسی (٨٠) بکریاں ایک ہی شخصیت کی ملکیت ہیں،ساعی ان کی بات کو تسلیم کرلے،تو اسی بکریوں میں سے صرف ایک بکری وصول کریگا،جب کہ صحیح بات بتانے کی صورت میں ان اسی بکریوں پر دو بکریاں آتی تھیں،مالکوں نے "متفرق فی الملک" کو "مجتمع فی الملک" ظاہر کیا ہے،زکوٰۃ کے زیادہ ہونے کے خوف سے حدیث میں اس سے نہی ہے۔

مثال نمبر(٢)......دو آدمیوں کی ملکیت میں چالیس بکریاں تھیں،بیس ایک کی اور بیس دوسرے کی،یہ بکریاں متفرق فی الملک ہیں،ان دونوں میں سے کسی پر زکوٰۃ نہیں آنی چاہئے،کیونکہ دونوں کے پاس مال نصاب سے کم ہے،لیکن ساعی آکر انہیں تنگ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ تم غلط بیانی سے کام لے رہے ہو،زکوٰۃ سے بچنے کے لئے تم نے یہ ظاہر کیا ہے کہ یہ بکریاں متفرق فی الملک ہیں،حقیقت کے اعتبار سے یہ چالیس کی چالیس بکریاں ایک ہی آدمی کی ملکیت میں مجتمع ہیں،اس

بناء پر ساعی ایک بکری وصول کر لیتا ہے، یہ ساعی نے جمع بین المتفرق کیا ہے، اس ڈر سے کہ کہیں صدقہ فوت نہ ہو جائے، اور خالی ہاتھ نہ جانا پڑے، حدیث شریف میں اس سے بھی نہی ہے۔

مثال نمبر (٣)...... تفریق بین المجتمع سے نہی ہو مالک کو، اس کی مثال یہ ہے کہ چالیس بکریاں ایک آدمی کی ملک تھیں، یہ مجتمع فی الملک ہوئیں، ان پر قاعدہ کی رو سے زکوٰۃ آنی چاہئے، لیکن مالک زکوٰۃ سے بچنے کے لئے ان کو متفرق فی الملک ظاہر کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ یہ چالیس بکریاں ساری میری نہیں بلکہ بیس (مثلاً) میری ہیں، اور بیس کسی اور کی ہیں، اب اگر ساعی اس کی بات مان لے تو اس سے زکوٰۃ وصول نہیں کرے گا، یہاں مالک نے تفریق بین المجتمع کی ہے، وجوب زکوٰۃ کے خوف سے حدیث شریف میں اس سے بھی نہی ہے۔

مثال نمبر (٤)...... اسی بکریاں ایک آدمی کی ملکیت میں مجتمع تھیں، قاعدہ کی رو سے ان پر ایک ہی بکری آنی چاہئے، لیکن ساعی اس کو تنگ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ حقیقت میں یہ ساری بکریاں تمہاری نہیں ہیں، بلکہ چالیس تمہاری ہیں، اور چالیس فلاں کی ہیں اسی بناء پر ساعی دو بکریاں لے جاتا ہے۔ یہاں ساعی نے مجتمع فی الملک کو متفرق کر دیا، زکوٰۃ کے کم ہونے کے ڈر سے حدیث شریف میں اس سے بھی نہی ہے۔

خشیۃ الصدقۃ: یہ مفعول لہ ہے، اس کا تعلق ان چاروں صورتوں کے ساتھ ہوگا، ہر صورت میں مضاف محذوف ہوگا، صورت اولیٰ میں تقدیر عبارت: ''خشیۃ زیادۃ الصدقۃ'' دوسری صورت میں: ''خشیۃ فوت الصدقۃ'' تیسری صورت میں: ''خشیۃ وجوب الصدقۃ'' اور چوتھی صورت میں: ''خشیۃ قلۃ الصدقۃ'' ہوگی۔ ہر ایک کی وضاحت مثالوں کی تشریح کے ضمن میں ہو چکی ہے۔ (اشرف التوضیح: ٢/٢٤٠) التعلیق: ٢/٢٩٩۔

امام ابوحنیفہؒ نے جو خلطۂ جوار کا اعتبار نہیں کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ شریعت نے زکوٰۃ کا مدار ملک پر رکھا ہے، کیونکہ شریعت میں الفاظ ہیں: ''من کان لہ مال من ملک مالا او غیرہ'' نیز دوسری حدیث شریف ہے: ''لیس فی سائمۃ المرأ المسلم اذا کانت اقل من اربعین صدقۃ'' تو یہاں چالیس

کے کم میں مطلقاً وجوبِ زکوٰۃ کی نفی کی گئی ہے خواہ حالت شرکت میں ہو یا حالت انفراد میں، لہٰذا جوار کا اعتبار نہیں ہوگا۔(درس مشکوۃ:۲/۱۷۶)

فانهما يتراجعان بينهما بالسوية: یہ کتاب الصدقة والی حدیث کا ایک جز ہے۔

شرح حدیث میں جمہور اور حنفیہ کا اختلاف

خلیطین سے کیا مراد ہے، اس میں اختلاف ہے، جمہور اس سے وہ دو شخص مراد لیتے ہیں جن کے جانوروں میں خلطۂ جوار ہو، یعنی ہر ایک کے جانور دوسرے سے ممتاز ہوں، ہر ایک اپنے اپنے جانوروں کو پہچانتا ہو، بس صرف راعی ومرعی وغیرہ اوصاف میں اتحاد ہو، غرضیکہ جمہور کے نزدیک اس حدیث شریف میں خلطۂ جوار مذکور ہے، اسی وجہ سے وہ اس کا اعتبار کرتے ہیں اور مؤثر مانتے ہیں، اور دلیل میں اسی حدیث شریف کو اور اس سے پہلے جو گذرا ہے "لا يجمع بين المتفرق ولا يفرق بين مجتمع" پیش کرتے ہیں۔

اور حنفیہ فرماتے ہیں خلطۂ جوار کوئی معتبر شیٔ نہیں، اور نہ حدیث شریف میں وہ مراد ہے، بلکہ خلیطہ کہتے ہیں لغت میں شریک کو وہی یہاں مراد ہے، اور شریکین کی جو ملک ہوتی ہے وہ غیر ممیز ہوتی ہے، جیسا کہ خلطۃ الشیوع میں ہوتا ہے، گویا یہاں خلطۃ الشیوع مراد ہے، مگر نہ بایں معنی کہ وہ ایجابِ زکوٰۃ یا تقلیل وتکثیر زکوٰۃ میں مؤثر ہے، اس لحاظ سے تو ہمارے یہاں دونوں غیر معتبر ہیں، بلکہ اس میں ایک حسابی امر کا بیان ہے، وہ یہ ہے کہ مالِ مشترک کی زکوٰۃ حسب حصص واجب ہوا کرتی ہے، لہٰذا ساعی جب مالِ مشترک کی مشترک طور سے زکوٰۃ لے کر چلا جائے تو پھر بعد میں وہ شریکین (اگر ان کے حصص متفاوت ہوں) تو آپس میں اپنا حساب لے دیکر صاف کرلیں، اور اگر شرکت برابر کی ہو تو ظاہر ہے کہ زکوٰۃ بھی برابر واجب ہوگی، تو پھر کسی تراجع کی حاجت نہیں، مثلاً ایک سو بیس بکریاں دو شخصوں کے درمیان مشترک تھیں، ایک کی دو ثلث یعنی اسی تھیں، اور ایک شریک کی ثلث یعنی چالیس تھیں، اب زکوٰۃ تو دونوں کی برابر ہے، ہر ایک کے ذمہ ایک ایک بکری ہے، لیکن بکریاں تو ایک دوسرے سے ممتاز نہیں ہیں، بلکہ ہر بکری میں

شرکت ہے تو اس صورت میں ساعی زکوٰۃ میں دو بکریاں لے جائے گا، لیکن ان دو بکریوں میں صاحب الثلثین کے تو چار ثلث چلے گئے، (یعنی ایک بکری پوری اور دوسری بکری کا ایک ثلث) اور صاحب الثلث کے صرف دو ثلث گئے، اب صاحب الثلثین کو چاہئے کہ صاحب الثلث سے ایک ثلث بکری کی قیمت وصول کرلے تاکہ دونوں کے حصہ میں زکوٰۃ کی ایک ایک بکری ہو جائے۔

یہ تشریح اور مثال تو حنفیہ کے مسلک کے پیش نظر ہے، اور جمہور اس کی تشریح وتمثیل اس طرح کرتے ہیں کہ ایک گلہ میں چالیس بکریاں ہیں دو شخص کی، ہر ایک کی بیس بیس، ان میں صرف ایک بکری زکوٰۃ کی ہے، نصف ایک کے حصہ کی اور نصف دوسرے کے حصہ کی، اب ساعی جس شخص کی بکریوں میں سے بھی لے گیا ہو اس کو چاہئے کہ نصف بکری کی قیمت دوسرے شریک سے وصول کرلے۔ (یہ ہے وہ تراجع بالسویہ جو حدیث شریف میں مذکور ہے)

ایک اور مثال لیجئے! وہ یہ کہ ایک ریوڑ میں ایک سو پچاس بکریاں تھیں، سو ایک کی اور پچاس دوسرے کی جس میں دو بکریاں واجب تھیں، اثلاثاً یعنی ہر بکری میں ایک ثلث صاحب الخمسین کا اور دو ثلث صاحب المائۃ کے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ صاحب المائۃ کے ذمہ ایک بکری اور ثلث بکری ہے، اور صاحب الخمسین کے ذمہ ایک بکری کے دو ثلث ہیں، اب اگر ساعی دو بکریاں صاحب المائۃ کی بکریوں میں سے لے گیا تو یہ صاحب المائۃ دوسرے شریک سے ہر ایک بکری کی ثلث قیمت لے لے، اور اگر ساعی دو بکریاں صاحب الخمسین کی بکریوں میں سے لے گیا تو یہ صاحب الخمسین دوسرے شخص سے ہر بکری کے دو ثلث کی قیمت لے لے۔ (العلامۃ القسطلانی: ۴۴ / ۳)

فائدہ: خلطۂ جوار جس کے جمہور قائل ہیں اس میں اختلاف ہے کہ یہ کن کن اشیاء میں معتبر ہے، حنابلہ ومالکیہ کے نزدیک صرف مویشی کی زکوٰۃ میں اور شافعیہ کے نزدیک مویشی کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ زروع وثمار ونقدین ان سب میں معتبر ہے۔ (الدر المنضود) بذل: ۳۴۸ / ۶۔

وفی الرقۃ ربع العشر: 'رقہ' کسر راء اور تخفیف قاف کے ساتھ ہے، 'الفضۃ الخالصۃ' یعنی خالص چاندی خواہ مضروب ہو، یعنی سکہ یا غیر مضروب، دراصل ورق تھا، واؤ کو حذف کر

کے اس کے عوض اخیر میں تاء لے آئے، جس طرح وَعْدٌ وَعِدَۃٌ ہے۔یعنی اگر کسی کے پاس چاندی ہو چاہے سکوں کی صورت میں ڈھلی ہو یا نہ ہو، اور وہ دوسو درہم کے بقدر ہو تو اس میں چالیسواں حصہ نکالنا سال بھر گذرنے کے بعد واجب ہے، اور اگر دوسو درہم سے کم ہو تو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے، ہاں اگر مالک کچھ نفلی صدقہ نکالنا چاہے تو اس کی اجازت ہے۔(مرقاۃ:۲/۴۳۱)

عشر اور نصف عشر کا بیان

{۱۷۰۵} وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ فِیْمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْعُیُوْنُ اَوْ کَانَ عَثَرِیًّا الْعُشْرُ وَمَا سُقِیَ بِالنَّضْحِ نِصْفُ الْعُشْرِ۔ ﴿رواہ البخاری﴾

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۰۱، باب العشر فیما سقی الخ، کتاب الزکوٰۃ، حدیث نمبر:۱۴۶۱۔

حل لغات: سقت: سقی (ض) سقیا: پلانا، سیراب کرنا۔ العیون: چشمے، واحد:عین، عثریا: 'عاثور' کی طرف منسوب ہے، اس گڑھے کو کہا جاتا ہے جس سے خود بخود کھیتی کی زمین میں پانی پہنچے۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ جس زمین کو آسمان اور چشمے سیراب کریں یا نشیبی زمین ہو تو ان میں دسواں حصہ واجب ہے، اور جس زمین میں پانی پٹایا گیا ہو اس میں بیسواں حصہ واجب ہے۔''

تشریح: فیما سقت السماء والعیون: یعنی جس زمین اور کھیت کی پیداوار بارش یا قدرتی چشموں اور ندی نالوں کے پانی کی سیرابی سے ہوئی یا وہ پیداوار عشری زمین سے حاصل ہوئی ہو تو اس میں دسواں حصہ نکالنا واجب ہے، عشری زمین کسے کہتے ہیں؟ تو اس کے بارے میں علماء کے دو قول ملتے ہیں:

(۱)......عثری اس زمین کو کہتے ہیں جو عاثور کے پانی سے سیراب ہو، اور عاثور اس گڑھے کو کہتے ہیں جو بطور تالاب زمین میں کھودا اور اس سے پانی خود بخود کھیتی وغیرہ میں پہنچتا رہتا ہے۔

(۲)......دوسرا قول یہ ہے کہ عثری اس کھیتی کو کہتے ہیں جو پانی کے قریب ہونے کے سبب ہمیشہ تروتازہ رہتی ہے، جیسے دریا کے کنارے کی زمین یا ترائی کی زمین جو ہمیشہ نرم رہنے کی وجہ سے پانی دینے کی ضرورت نہیں پڑتی، تو ایسی زمین کی پیداوار میں دسواں حصہ نکالنا واجب ہے، اور جس زمین کو اونٹ یا بیل کے ذریعہ کنویں وغیرہ کے پانی سے سیراب کیا گیا ہو تو اس زمین کی پیداوار میں بیسواں حصہ نکالنا واجب ہے، خلاصہ یہ ہے کہ جس کھیت یا درختوں میں آب پاشی کی مشقت اٹھانی نہیں پڑتی تو اس کھیت اور درختوں کی پیداوار میں سے دسواں حصہ نکالنا واجب ہے، اور جس کھیت اور درختوں میں آب پاشی کی مشقت اٹھانی پڑتی ہے تو اس کھیت اور درختوں کی پیداوار میں بیسواں حصہ نکالنا واجب ہے، نیز اس حدیث شریف کے اطلاق سے یہ بھی معلوم ہوا کہ زمین کی پیداوار میں عشر کے واجب ہونے کے لئے نصاب کا ہونا شرط نہیں، ہے اس لئے کہ اس حدیث شریف میں مطلقاً بغیر کسی قید کے پیداوار میں عشر اور نصف عشر کو واجب کیا گیا ہے۔ یہ حدیث شریف امام صاحب کی دلیل ہے۔ (التعلیق: ۲/۳۰۱۰)

معدن اور رکاز کا حکم

{۱۷۰۶} وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْعَجْمَاءُ جُرْحُهَا جُبَارٌ وَالْبِئْرُ جُبَارٌ وَالْمَعْدِنُ جُبَارٌ وَفِی الرِّکَازِ الْخُمُسُ۔ ﴿متفق علیہ﴾

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۰۳، باب فی الرکاز الخمس، کتاب الزکوٰۃ، حدیث نمبر: ۱۴۷۷۔ مسلم شریف: ۲/۷۳، باب جرح العجماء الخ، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۱۷۱۰۔

حل لغات: جرح: زخم۔ جمع: جروح وا جراح۔ جبار، بمعنی پاک اور بری، المعدن:

کان، جمع: معادن، الرکاز: زمین کے اندر کی دھات، جمع: رکزان۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ جانوروں کا زخمی کرنا معاف ہے، کنواں معاف ہے، کان معاف ہے، اور دھات میں پانچواں حصہ ہے۔''

تشریح: اس حدیث شریف کے چار جملے ہیں، اور ہر ایک کی الگ الگ شرح کی جاتی ہے۔

العجماء جرحها جبار: اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے جانور کے نیچے دب کر کوئی شخص زخمی ہو جاتا ہے یا مر جاتا ہے تو اس کے مالک پر اس کی دیت وغیرہ نہیں آئے گی، اسی طرح اگر کوئی جانور کسی کی کھیتی وغیرہ کو نقصان پہنچا دے تو بھی مالک پر ضمان نہیں آئے گا لیکن یہ اس وقت ہے جب کہ اس جانور کے ساتھ راکب قائد یا سائق نہ ہو، اگر ان میں سے کوئی اس کے ساتھ تھا، اس کی لاپرواہی کی وجہ سے نقصان ہوا تو ضامن ہوگا۔

اس مسئلہ میں دن اور رات کا بھی کوئی فرق ہے یا نہیں؟ حنفیہ کی ظاہر الروایۃ یہ ہے کہ دن اور رات کا کوئی فرق نہیں، دونوں صورتوں میں ضمان نہیں آئے گا، مالکیہ وشافعیہ کے نزدیک اس مسئلہ میں دن اور رات کا فرق ہے، اگر دن کو ایسا نقصان ہو جائے تو ضمان نہیں آئے گا لیکن اگر رات کو ہو تو مالک پر ضمان آئے گا۔ (معارف السنن: ۵/۲۴۰)

حنفیہ حدیث الباب کے اطلاق سے استدلال کرتے ہیں؛ اس میں رات اور دن کا فرق کرنے کے بغیر مطلقاً اسے جبار قرار دیا ہے، شافعیہ ومالکیہ استدلال کرتے ہیں، ابوداؤد، نسائی وغیرہ کی ایک حدیث سے جس میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ رات کو مویشیوں کی حفاظت کرنا ان کے مالکوں کی ذمہ داری ہے، اور اگر رات کے وقت مویشی کوئی نقصان کر دیں تو ان کے اہل پر اس کا ضمان ہوگا، اس حدیث شریف کی سند صحیح نہیں، حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کچھ علل کو قبول کر لیا ہے۔ (معارف السنن: ۵/۲۴۰)

اس مسئلہ میں لیل ونہار میں عدم فرق والی روایات حنفیہ کی ظاہر الروایۃ ہے، لیکن حاوی قدسی سے ایک دوسری روایت یہ بھی معلوم ہوتی ہے جو شافعیہ وغیرہ کے ساتھ ہے، گویا حنفیہ کی روایتیں بھی دو ہوگئیں، اور حدیثیں بھی دو، ایک مطلقاً عدم ضمان والی اور دوسری دن اور رات میں فرق والی، دونوں میں تطبیق کی ضرورت ہے، تطبیق اس طرح دی جاسکتی ہے کہ ہر علاقہ اور ہر زمانہ کا عرف مختلف ہوتا ہے، بعض عرفوں میں رات کے وقت جانوروں کو باندھ کے رکھنا مالکوں کی ذمہ داری سمجھی جاتی ہے، ایسے علاقوں میں رات کو اتلاف کی صورت میں ضمان آئے گا، اور بعض عرفوں میں رات کے وقت مالک کی یہ ذمہ داری نہیں سمجھی جاتی، وہاں ضمان نہیں آئے گا۔

البئر جبار: کسی شخص نے اپنی مملوکہ زمین میں یا مباح زمین میں کنواں کھدوایا اس میں کوئی شخص گر کر مر جاتا ہے تو یہ جبار اور ہدر ہے، یعنی کھدوائی کرانے والے پر دیت نہیں آئے گی۔

المعدن جبار: اس کا راجح مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی نے اپنی کسی کان کی کھدائی کیلئے مزدوروں کو لگایا، اس میں کوئی مزدور ہلاک یا زخمی ہوگیا تو مالک پر تاوان نہیں۔

وفی الرکاز الخمس: اگر کسی کو رکاز مل جائے تو اس کا پانچواں حصہ بیت المال میں دینا پڑے گا، باقی چار حصے واجد کے ہوں گے۔

اس حدیث شریف کے آخری جملہ میں رکاز کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، اس کی تفسیر میں اختلاف ہوا ہے، یہاں پر ملتے جلتے تین لفظ بولے جاتے ہیں: (۱) کنز۔ (۲) معدن۔ (۳) رکاز۔

"کنز" اس خزانہ کو کہتے ہیں جو کسان نے زمین میں دبایا ہو، خلقۃً زمین کے اندر نہ ہو، معدن اس چیز کو کہتے ہیں جو حق تعالیٰ نے خلقۃً زمین کے اندر رکھی ہو، کسی نے خود نہ دبائی ہو، **"رکاز"** کی تفسیر میں اختلاف ہے، حنفیہ کے نزدیک رکاز کنز اور معدن دونوں سے عام ہے، اور دونوں کو شامل ہے، رکاز کا اطلاق ہر اس چیز پر آتا ہے جو زمین میں گاڑی گئی ہو، خواہ خلقۃً زمین میں موجود ہو یا خود کسی نے دفن کی ہو، شافعیہؒ کے نزدیک رکاز صرف کنز کو کہتے ہیں، رکاز اور کنز دونوں مترادف ہیں، حنفیہ کے نزدیک چونکہ رکاز عام ہے کنز اور معدن سے، اس لئے ان کے ہاں اس حدیث شریف کی روشنی میں کنز اور معدن دونوں میں

خمس واجب ہوگا، کیونکہ حدیث شریف میں رکاز کا لفظ ہی بولا گیا۔ ”وفی الرکاز الخمس“ شافعیہ کے نزدیک صرف کنز میں خمس واجب ہوگا، معدن میں ان کے ہاں خمس واجب نہیں ہوگا۔

حنفیہ کے چند دلائل: (۱)......حنفیہ نے رکاز کا جو مطلب بیان کیا ہے وہ لغوی اعتبار سے بھی راجح ہے، اس لئے کہ رکاز فعال کے وزن پر ہے، بمعنی مفعول یعنی مرکوز اور رکز کا معنی ہے کسی چیز کو ثابت کرنا، رکاز کا معنی ہوگا، ”مثبت فی الارض“ یہ عام ہے، خواہ اس کا اثبات فی الارض خالق نے کیا ہو، یا کسی مخلوق نے، لہٰذا اس کے عموم میں معدن اور کنز دونوں داخل ہیں۔

(۲)......امام محمد اپنی مؤطا باب الرکاز میں فرماتے ہیں: ”قال محمد الحدیث المعروف ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال فی الرکاز الخمس قیل یارسول اللہ و ما الرکاز؟ قال المال الذی خلقہ اللہ تعالیٰ فی الارض یوم خلق السمٰوات والارض و فی ھذہ المعادن ففیہا الخمس وھو قول ابی حنیفۃ والعامۃ من فقہائنا“ (ص:۱۷۸) اس میں اس بات کی تصریح ہے کہ جو مال اللہ تعالیٰ نے خلقۃً زمین میں پیدا فرمادیا ہے وہ رکاز ہے، امام مالک اپنی مؤطا میں کچھ احادیث تعلیقاً پیش فرمادیتے ہیں، یہ تعلیقات علماء کے یہاں مقبول ہیں، اسی طرح امام محمدؒ بھی بعض اوقات تعلیقاً کچھ حدیثیں پیش فرمادیتے ہیں، وہ بھی قابل استدلال ہوتی ہیں، یہاں پر امام محمدؒ نے اس حدیث شریف سے استدلال بھی کیا ہے، استدلال کرکے گویا امام محمدؒ نے اس کا قابل استدلال ہونا بتادیا ہے۔

(۳)......امام بیہقیؒ نے کتاب المعرفۃ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرفوع حدیث کی تخریج کی ہے، اس میں یہ لفظ صراحۃً موجود ہیں: ”الرکاز الذی ینبت فی الارض“ (نصب الرایہ: ۲/ ۳۸۰) لہٰذا اس کے عموم میں کنز اور معدن دونوں شامل ہوں گے۔

(۴)......امام ابویوسفؒ نے بھی کتاب الخراج میں ایک مرفوع حدیث کی تخریج کی ہے، اس میں یہ بھی ہے: ”وفی الرکاز الخمس فقیل ما الرکاز یارسول اللہ؟ فقال: الذھب والفضہ الذی خلقہ اللہ تعالیٰ فی الارض یوم خلقت“

دلیل شوافع: امام شافعیؒ استدلال کرتے ہیں اس حدیث کے جملہ ''المعدن جبار'' سے، اور اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ معدن معاف ہے، یعنی اس میں عشر واجب نہیں، لیکن پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مزدور معدن میں مرجائے یا زخمی ہوجائے تو اس کا تاوان نہیں آئے گا، یہ مطلب حدیث شریف کے سیاق کے بھی مطابق ہے، اس لئے کہ ''العجماء جرحھا جبار'' اور ''البئر جبار'' دونوں جگہ ''جبار'' سے مقصد نفی ضمان ہی ہے، لہٰذا 'المعدن جبار' کا بھی یہی مطلب ہونا چاہئے۔

جواب: شافعیہ نے جو مطلب بیان کیا ہے، وہ سیاقِ حدیث سے اتنی مطابقت نہیں رکھتا، نیز وہ ہمارے پیش کردہ دوسرے دلائل کے بھی خلاف ہے، اس لئے حدیث شریف کا یہ مطلب لے کر اس کو حنفیہ کے خلاف پیش کرنا مناسب نہیں، امام بخاریؒ نے بھی اس حدیث شریف کا یہی مطلب لے کر اس کو حنفیہ کے خلاف پیش کیا ہے، اور بھی کچھ دلائل پیش کئے ہیں۔ (اشرف التوضیح)

مرقاۃ: ۴۳۲/ ۲، التعلیق: ۳۰۲/ ۲۔

ایک دوسرا اختلاف یہ ہے کہ کس قسم کی کان میں خمس واجب ہوتا ہے، تو سب سے پہلے یہ جاننا چاہئے کہ کان تین طرح کی ہوتی ہیں:

(۱)......وہ کان جن سے نکلنے والی اشیاء آگ کے ذریعہ پگھل جاتی ہیں، جیسے سونا، چاندی، اور دوسری دھات کے اقسام

(۲)......وہ کان جن سے نکلنے والی اشیاء جامد نہیں بلکہ سیال یعنی بہنے والی ہوتی ہیں، جیسے پانی، تارکول، مٹی یا پیٹرول کا تیل وغیرہ۔

(۳)......وہ کان جن سے نکلنے والی اشیاء جامد ہوتی ہیں، پگھلنے اور ڈھلنے کی صلاحیت ان میں نہیں ہوتی، جیسے چونا، یاقوت، نمک وغیرہ۔

امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک ان میں سے صرف سونے اور چاندی کی کان میں خمس واجب ہوتا ہے، امام احمدؒ کے نزدیک ہر قسم کی کان میں خمس واجب ہوتا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک صرف

پہلی قسم کی کان میں خمس واجب ہوتا ہے، اور آخر کی دونوں قسم چونکہ از قبیل حجر اور پتھر ہیں اس لئے اس میں خمس واجب نہیں ہے۔ ''لقولہ علیہ الصلوٰۃ السلام لا زکوٰۃ فی حجر'' اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ حجر میں زکوٰۃ نہیں ہے، او پر مذکور چونکہ دونوں قسم کی کانیں از قبیل حجر ہیں، س لئے حنفیہ نے کہا کہ ان میں خمس اور زکوٰۃ نہیں ہے۔ (التعلیق: ۲/۳۰۲، مرقاۃ: ۲/۴۳۳)

الفصل الثانی

بکری اور گائے میں زکوٰۃ کا حکم

{۱۷۰۷} وَعَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَدْ عَفَوْتُ عَنِ الْخَیْلِ وَالرَّقِیْقِ فَھَاتُوْا صَدَقَۃَ الرِّقَّۃِ مِنْ کُلِّ اَرْبَعِیْنَ دِرْھَماً دِرْھَمٌ وَلَیْسَ فِیْ تِسْعِیْنَ وَمِأَۃٍ شَیْئٌ فَاِذَا بَلَغَتْ مِأَتَیْنِ فَفِیْھَا خَمْسَۃُ دَرَاھِمَ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد) وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِاَبِیْ دَاؤُدَ عَنِ الْحَارِثِ الْاَعْوَرِ عَنْ عَلِیٍّ قَالَ زُھَیْرٌ اَحْسِبُہٗ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ ھَاتُوْا رُبُعَ الْعُشْرِ مِنْ کُلِّ اَرْبَعِیْنَ دِرْھَماً دِرْھَمٌ وَلَیْسَ عَلَیْکُمْ شَیْئٌ حَتّٰی تَتِمَّ مِأَتَیْ دِرْھَمٍ فَاِذَا کَانَتْ مِأَتَیْ دِرْھَمٍ فَفِیْھَا خَمْسَۃُ دَرَاھِمَ فَمَا زَادَ فَعَلٰی حِسَابِ ذٰلِکَ وَفِی الْغَنَمِ فِیْ کُلِّ اَرْبَعِیْنَ شَاۃً شَاۃٌ اِلٰی عِشْرِیْنَ وَمِأَۃٍ فَاِنْ زَادَتْ وَاحِدَۃً فَشَاتَانِ اِلٰی مِائَتَیْنِ فَاِنْ زَادَتْ فَثَلٰثُ شِیَاہٍ اِلٰی ثَلٰثِ مِأَۃٍ فَاِذَا زَادَتْ عَلٰی ثَلٰثِ مِائَۃٍ فَفِیْ کُلِّ مِأَۃٍ شَاۃٌ فَاِنْ لَمْ تَکُنْ اِلَّا تِسْعٌ وَثَلٰثُوْنَ فَلَیْسَ عَلَیْکَ فِیْھَا شَیْئٌ وَفِی الْبَقَرِ فِیْ کُلِّ ثَلٰثِیْنَ تَبِیْعٌ وَفِی الْاَرْبَعِیْنَ مُسِنَّۃٌ وَلَیْسَ عَلَی الْعَوَامِلِ شَیْئٌ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۱۳۴، باب ماجاء فی زکوۃ الذھب والورق، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۶۲۰۔ ابوداؤد شریف: ۱/۲۲۱، باب زکوۃ السائمۃ، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۱۵۷۴۔

حل لغات: الرقۃ: بمعنی درہم، یہ اصل میں 'ورق' بمعنی چاندی ہے، واو کو حذف کر کے اس کے اخیر میں تاء اضافہ کر دیا گیا ہے، البقر: گائے، بیل، واحد: بقرۃ، جمع: بقرات، تبیع: گائے کا ایک سال کا بچہ، چونکہ ایک سال تک گائے کے پیچھے پیچھے چلتا ہے، اس لئے اس کو تبیع کہا جاتا ہے۔ مُسِنَّۃٌ: من الدواب، بڑی عمر والا جانور۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ میں نے گھوڑے اور غلام کی زکوۃ معاف کر دی ہے، اس لئے تم لوگ ہر چالیس درہم میں ایک درہم کی زکوۃ ادا کیا کرو، ایک سو نوے درہم میں کچھ واجب نہیں ہے، لہٰذا جب دو سو پہنچ جائیں تو اس میں پانچ درہم واجب ہیں۔ (ترمذی، ابوداؤد) اور ابوداؤد کی ایک روایت میں حارث اعور کے واسطے سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، زہیر نے کہا ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے، انہوں نے کہا کہ تم لوگ عشر کی چوتھائی یعنی ہر چالیس درہم میں ایک درہم ادا کیا کرو، اور جب تک دو سو درہم پورے نہ ہو جائیں تمہارے اوپر کچھ واجب نہیں ہے، جب دو سو درہم ہو جائیں تو اس میں پانچ درہم واجب ہے، جو زیادہ ہو وہ اسی حساب کے مطابق ہے، اور بکری میں ہر چالیس بکری میں ایک سو بیس تک ایک بکری واجب ہے، اس میں ایک کا اضافہ ہو جائے تو دو سو تک دو بکریاں واجب ہیں، اس میں ایک کا اضافہ ہو جائے تو تین سو تک تین بکریاں واجب ہیں، جب تین سو سے زائد ہو جائیں تو ہر سو بکری میں ایک بکری واجب ہے، لہٰذا اگر صرف انتالیس بکریاں ہوں تو تم پر کچھ واجب نہیں ہے، اور گائے میں ہر تیس گائے میں ایک سالہ بچھڑا اور چالیس میں دو سالہ بچھڑا واجب ہے، اور کھیتی کے جانوروں پر کچھ واجب نہیں ہے۔

تشریح: قد عفوت عن الخیل: گھوڑے کی زکوۃ کے بارے میں تفصیلی بحث

کتاب الزکوٰۃ، فصل اول اور "باب ماتجب فی الزکوٰۃ" میں گذرچکی ہے، وہاں تفصیل ملاحظہ کرلی جائے، چونکہ یہ حدیث بظاہر حنفیہ کے مخالف ہے اس لئے صرف یہاں اس کی توجیہ نقل کی جاتی ہے، چنانچہ "قد عفوت لکم صدقۃ الخیل" کی توجیہ بذل المجہود میں یہ منقول ہے کہ اس سے مراد وہ گھوڑے ہیں جو جہاد اور سواری کے لئے ہوں، اور غلام سے مراد وہ غلام ہیں جو خدمت کے لئے ہوں، اور ایسے گھوڑے اور غلام کے بارے میں حنفیہ بھی قائل ہیں کہ ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔(بذل:٦/٣٦٧)

فمازاد فعلی حساب ذلک: یعنی چاندی کا نصاب دوسو درہم ہے، اس سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے، اور ہر چالیس درہم میں ایک درہم واجب ہے، لہٰذا دوسو درہم میں پانچ درہم واجب ہیں، پھر دوسو درہم سے جتنی تعداد درہموں کی زائد ہوگی، اس کی زکوٰۃ اسی کے حساب سے واجب ہوگی، چاہے درہموں کی تعداد قلیل تعداد میں بڑھے، یا کثیر تعداد میں، حتی کہ اگر دوسو درہم سے صرف ایک درہم بھی زائد ہوگا تو پانچ درہم کے ساتھ ایک درہم کا چالیسواں حصہ بھی نکالنا واجب ہوگا۔ ائمہ ثلاثہ اور حضرات صاحبین کا یہی مذہب ہے، اوران کا مستدل یہی حدیث شریف ہے، اس لئے کہ اس حدیث شریف میں مازاد عام ہے، جو قلیل اور کثیر دونوں کو شامل ہے، امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ دوسو درہم پر جب تک چالیس درہم کا اضافہ نہ ہو اس میں کچھ واجب نہیں ہوگا، لہٰذا اگر دوسو درہم میں انتالیس درہم کا اضافہ ہو تو اس انتالیس درہم میں کچھ واجب نہیں ہوگا۔ بلکہ وہی پانچ درہم ہی واجب ہوں گے۔

امام صاحب کی دلیل: "عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہ کتب ھذا الکتاب لعمرو بن حزم حین امرہ علی الیمن وفیہ الزکوٰۃ لیس فیہا شیء حتی تبلغ مائتی درھم فاذا بلغت ففیہا خمسۃ دراھم ومازاد ففی کل اربعین درھما درھم ولیس فیہا دون الاربعین صدقۃ"

دوسری دلیل: "وفی کل خمس اواق من الورق خمسۃ دراھم ومازاد ففی کل اربعین درھما درھم"

تیسری دلیل: "روی ابن ابی شیبۃ علی البصری قال کتب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ الی ابی

موسی فمازاد علی المائتین ففی کل اربعین درھما درھم۔

ان احادیث شریفہ سے معلوم ہوا کہ مطلقاً زیادتی پر زکوٰۃ نہیں، جب تک کہ چالیس درہم کا اضافہ نہ ہو۔

جواب: ائمہ ثلاثہ کے مستدل کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث شریف میں راوی یہ کہہ رہا ہے "احسبہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم" یعنی راوی کو اس حدیث شریف کے مرفوع ہونے کے بارے میں یقین نہیں، بلکہ گمان ظاہر کر رہا ہے، لہٰذا اس روایت سے استدلال درست نہیں، دوسرے یہ کہ اگر اس حدیث شریف کو مرفوع مان بھی لیا جائے تو اس میں فمازاد سے مطلق زیادتی مراد نہیں ہے، بلکہ نصاب سے چالیس درہم کی زیادتی مراد ہے، اتنی زیادتی مراد لینے سے ادلہ میں تعارض بھی نہیں رہے گا۔ (عمدۃ القاری: ٢٥٩/ ٢٦٠/ ٤، اوجز: ٨، التعلیق: ٣٠٦/ ٢)

وفی البقر فی کل ثلاثین تبیع: یعنی ہر تیس گایوں میں ایک یک سالہ گائے کا بچہ ہے، چاہے وہ نر ہو یا مادہ ہو نکالنا واجب ہے، اور ہر چالیس میں ایک دو سالہ بچھڑا یا بچھیا نکالنا واجب ہے، تیس گائے سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے، واضح رہے کہ گائے کی زکوٰۃ میں نر اور مادہ دونوں برابر ہیں، جب کہ اونٹ کی زکوٰۃ میں مادہ کا نکالنا ہی ضروری ہے، ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ گائے کی تعداد جب چالیس سے بڑھ جائے تو اس زیادتی میں کچھ بھی واجب نہیں ہے، جب تک کہ تعداد ساٹھ تک نہ پہنچ جائے، جب تعداد ساٹھ تک پہنچے تو پھر اس میں دو تبیع کا نکالنا واجب ہے، پھر ہر عشر پر فرض زکوٰۃ متغیر ہوتا رہے گا، تیس کی تعداد پر تبیع کی طرف پر اور چالیس کی تعداد پر مسنہ کی طرف، چنانچہ ان کے بقول ستر گایوں میں ایک تبیع اور ایک مسنہ، جب تعداد اسی ہو جائے تو اس میں دو مسنہ اسی حساب سے زکوٰۃ نکالنا لازم ہے، یہی ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کا مذہب ہے، امام ابوحنیفہؒ کی اس سلسلہ میں تین روایتیں ہیں، ایک روایت کے مطابق جب تعداد چالیس سے بڑھ جائے تو اس کی زکوٰۃ بھی حساب کر کے نکالی جائے گی، یہاں تک کہ گایوں کی تعداد ساٹھ ہو جائے، جب گایوں کی تعداد ساٹھ ہو جائے تو اس میں دو تبیع واجب ہوں گے، مثلاً

جب گایوں کی تعداد چالیس سے بڑھ کر اکتالیس ہوجائے تو ایک مسنہ کے ساتھ ایک مسنہ کی قیمت کا چالیسواں حصہ بھی نکالنا واجب ہوگا، اور دو زیادہ ہوجائیں تو ایک مسنہ کے ساتھ ایک مسنہ کی قیمت کا بیسواں حصہ نکالنا واجب ہوگا، علی ھذا القیاس۔ امام صاحب کا ایک قول حضرات صاحبین کے قول کے مطابق ہے، اور فتوی اسی قول پر ہے۔ (مرقاۃ: ۴۳۴/ ۲)

ولیس علی العوامل شیء: یعنی وہ مویشی جن سے مالک کھیتی یا بار برداری کا کام لیتا ہو چاہے وہ گائے ہوں یا اونٹ اگر چہ بقدر نصاب ہوں ان میں امام ابوحنیفہؒ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک زکوٰۃ واجب نہیں، امام مالکؒ کے نزدیک جب کہ وہ بقدرِ نصاب ہوں تو ان میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، ائمہ ثلاثہ کا مستدل تو حدیث باب ہے، جب کہ امام مالکؒ کا مستدل اللہ تعالیٰ کا فرمان ''خذ من اموالھم صدقۃ'' اور حدیث ''فی کل خمس ذود من الابل شاۃ وفی اربعین شاۃ'' یہاں زکوٰۃ کو بغیر علوفہ، عوامل حوامل کی قید کے فرض کیا گیا ہے، معلوم ہوا کہ کام کرنیوالے اور بوجھ اٹھانیوالے مویشی اگر بقدر نصاب ہوں تو ان میں زکوٰۃ فرض ہے، امام مالک کے اس مستدل کا جواب یہ ہے کہ ان نصوص عامہ میں وہ جانور مراد ہیں جو عوامل حوامل اور علوفہ نہ ہوں تا کہ تمام نصوص میں موافقت ہوجائے جیسا کہ ان نصوص عامہ میں دوسری احادیث کی بناء پر حولان حول کی شرط لگائی جاتی ہے، اسی طرح ان نصوص میں بھی عدم عوامل کی شرط ہوگی۔ (مرقاۃ: ۴۳۴/ ۲، تنظیم الاشتات: ۱۹/ ۲، التعلیق: ۳۰۵/ ۲)

گائے کا نصاب

{١٧٠٨} وَعَنْ مُعَاذٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا وَجَّهَهُ اِلَى الْيَمَنِ اَمَرَهُ اَنْ يَّأْخُذَ مِنَ الْبَقَرَةِ مِنْ كُلِّ ثَلَاثِيْنَ تَبِيْعًا اَوْ تَبِيْعَةً وَمِنْ كُلِّ اَربعِيْنَ مُسِنَّةً۔ ﴿رواه ابوداؤد والترمذی والنسائی والدارمی﴾

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/ ۲۲۱، باب زکوۃ السائمۃ، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۱۵۷۶۔

ترمذی شریف: ۱/۱۳۶، باب ماجاء فی زکوۃ البقرۃ، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۶۲۳۔ نسائی شریف: ۱/۲۶۳، باب زکوۃ البقر، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۲۴۵۴۔ دارمی: ۱/۳۸۲، باب زکوۃ البقر، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۱۶۲۳۔

ترجمہ: حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے جب ان کو یمن بھیجا تو ان کو حکم دیا کہ ہر تیس گائے میں ایک سال کا ایک بچھڑا یا ایک سال کی ایک بچھیا اور ہر چالیس گائے میں دو سال کی بچھیا لیں۔

تشریح: گائے بیل کی زکوٰۃ کے بارہ میں اس بات پر اتفاق ہے کہ اس کا نصاب تیس ہے، تیس سے کم پر کوئی زکوٰۃ نہیں، تیس ہو جائیں تو ایک تبیع یا تبیعہ واجب ہے، تبیع وہ بچھڑا جو ایک سال کا ہو کر دوسرا سال شروع کر چکا ہو، چالیس ہو جائیں تو ایک مسنہ واجب ہے، یعنی وہ بچھڑا یا بچھیا جو دو سال کا ہو کر تیسرا سال شروع کر چکا ہو، اس کے بعد اسی طرح ثلثین و اربعین کا حساب چلتا رہے گا، ہر ثلثین پر ایک تبیع یا تبیعہ اور ہر اربعین پر ایک مسنہ یہاں تک تو اتفاق ہے، لیکن اختلاف اس بات میں ہوا ہے کہ تیس اور چالیس کے درمیان جو اعداد ہیں ان پر بھی کچھ واجب ہے یا نہیں؟ صاحبین کے نزدیک ان میں کچھ واجب نہیں، اور امام صاحب کی روایات مختلف ہیں، مشہور روایت یہ ہے کہ ان میں بھی زکوٰۃ واجب ہے، جتنے عدد زائد ہوں حساب لگا کر اس کے مطابق قیمت اداء کر دی جائے، مثلاً چالیس سے ایک زائد ہو تو ایک مسنہ اور ایک مسنہ کی قیمت کا چالیسواں حصہ ادا کرے۔ جیسا کہ ماقبل میں گذرا۔

زکوٰۃ کی وصولیابی میں ظلم وزیادتی کا حکم

{۱۷۰۹}　وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْمُعْتَدِیْ فِی الصَّدَقَۃِ کَمَانِعِھَا۔

﴿رواہ ابوداؤد والترمذی﴾

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۲۲۳، باب زکوۃ السائمۃ، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۱۵۸۵۔

05 Bab ma Yajibu

ترمذی شریف: ۱/۱۴۰، باب المعتدی فی الصدقۃ، کتاب الزکوٰۃ، حدیث نمبر:۱۴۶۔

حل لغات: المعتدی: عدا (ن) عدوا: تجاوز کرنا، اعتدی (افتعال) اعتداء ظلم کرنا، حد سے تجاوز کرنا۔ المعتدی: اسم فاعل ہے، بمعنی ظلم کرنے والا۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''زکوٰۃ میں حد سے تجاوز کرنے والا زکوٰۃ نہ دینے والے کے برابر ہے۔''

تشریح: زکوٰۃ دینے میں یا وصول کرنے میں حد سے تجاوز کرنے والا مانند اس شخص کے ہے جو زکوٰۃ کو روکنے والا ہو، یہ حدیث مزکی اور ساعی دونوں سے متعلق ہوسکتی ہے، جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہورہا ہے، مزکی کا حد سے تجاوز کرنا یہ ہے کہ غیر مستحق کو زکوٰۃ دے یا ناقص زکوٰۃ دے، پوری ادا نہ کرے، یا زکوٰۃ دیکر احسان جتائے اور اذیت پہونچائے، یا مقدار واجب سے بہت زیادہ دے ڈالے، جس سے اہل وعیال کو پریشانی لاحق ہو، اور ساعی کا حد سے تجاوز یہ ہے کہ زکوٰۃ میں بجائے متوسط مال کے اعلیٰ درجہ کا مال وصول کرے، یا مقدار واجب سے زائد ظلماً لے، اس لئے کہ اس صورت میں پھر آئندہ سال مالک شاید زکوٰۃ نہ دے، اور اپنے مال کا کتمان کرلے پورے کا یا بعض کا، تو چونکہ یہ ساعی منع زکوٰۃ کا سبب بنا اس لئے اس کو مانع زکوٰۃ یعنی زکوٰۃ سے روکنے والا قرار دیا گیا۔ (بذل:۶/۳۹۰، مرقاۃ:۲/۴۳۵، التعلیق:۲/۳۰۵)

غلے اور کھجور میں زکوٰۃ

{۱۷۱۰} **وَعَنْ** اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَیْسَ فِیْ حَبٍّ وَلَا تَمَرٍ صَدَقَۃٌ حَتّٰی تَبْلُغَ خَمْسَۃَ اَوْسُقٍ۔ ﴿رواہ النسائی﴾

حوالہ: نسائی شریف: ۱/۲۶۷، باب زکوٰۃ الحبوب، کتاب الزکوٰۃ، حدیث نمبر:۲۴۸۷۔

حل لغات: حب: جمع: حبوب، بمعنی غلہ۔ تمر: کھجور، جمع: تمور۔

ترجمه: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کہ غلہ اور کھجور میں صدقہ نہیں ہے، یہاں تک کہ وہ پانچ وسق کے برابر ہو جائے۔

تشریح: تجارتی غلہ اور کھجور کی مقدار جب تک ایک کوئنٹل سترہ کلو ساڑھے پانچ سو گرام نہ ہو جائے تب تک زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی ہے۔

لیس فی حب ولا تمر صدقۃ: اس حدیث شریف کی بنیاد پر حضرات ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں کہ غلے اور کھجور کی جب تک مذکورہ مقدار پوری نہ ہو جائے تب تک عشر واجب نہیں ہوتا ہے، حضرات احناف قرآن کریم کی آیات اور دوسری احادیث کی بنیاد پر کہتے ہیں کہ زمینی پیداوار کم ہو یا زیادہ ہر حال میں عشر واجب ہے، اس میں کسی نصاب کی ضرورت نہیں، اور حدیث شریف مال تجارت پر محمول ہے، یہی وجہ ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے لفظ صدقہ استعمال فرمایا ہے، اور جہاں زمینی پیداوار کا ذکر کیا ہے وہاں لفظ عشر استعمال فرمایا ہے۔ باقی اس کی تفصیل پیچھے گذر چکی ہے، وہاں ملاحظہ کر لیا جاوے۔

گیہوں، جو، کشمش اور کھجور میں صدقہ

{١٧١١} وَعَنْ مُوْسٰی بْنِ طَلْحَةَ قَالَ عِنْدَنَا كِتَابُ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَالَ اِنَّمَا اَمَرَهُ اَنْ يَأْخُذَ الصَّدَقَةَ مِنَ الْحِنْطَةِ وَالشَّعِيْرِ وَالزَّبِيْبِ وَالتَّمَرِ۔ مُرْسَلٌ۔ ﴿رواہ فی شرح السنۃ﴾

حواله: شرح السنۃ للبغوی: ۲۵/۴، باب زکوٰۃ الثمار وخرصها، کتاب الزکوٰۃ۔

حل لغات: الحنطۃ: گیہوں، ج: حنط، الشعیر: جو، ج: شعیرات، الزبیب: کشمش، التمر: کھجور، ج: تمور۔

ترجمه: حضرت موسیٰ بن طلحہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ہمارے پاس حضرت معاذ بن

جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خط ہے، جو حضرت رسول اکرم ﷺ سے مروی ہے جس میں انہوں نے کہا کہ مجھے جناب نبی کریم ﷺ نے گیہوں، جو، کشمش اور کھجور سے صدقہ وصول کرنے کا حکم دیا ہے، یہ روایت مرسل ہے۔

تشریح: انما امرہ ان یأخذ الصدقۃ: اس حدیث میں زکوٰۃ یعنی عشر اور نصف عشر کو جو چار چیزوں میں ہی محدود کیا گیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو یمن کا گورنر بنائے گئے تھے، وہاں یہی چار چیزیں ہی پیدا ہوتی تھیں یہ مطلب نہیں ہے کہ ان چار کے علاوہ زمین کی بقیہ پیداوار میں عشر یا نصف عشر واجب ہی نہیں ہوتا ہے، بلکہ امام شافعیؒ کے نزدیک زمین کی ہر اس پیداوار میں عشر یا نصف عشر واجب ہوتا ہے جو آدمی کی خوراک وغذا ہو، اور جس کو ذخیرہ بنا کر سال بھر تک رکھا جا سکتا ہو، جب کہ حنفیہ کے نزدیک زمین کی تمام پیداوار میں عشر یا نصف عشر واجب ہے، خواہ وہ پیداوار خوراک وغذا کی صلاحیت رکھتی ہو یا نہ ہو، البتہ بانس اور گھاس میں عشر واجب نہیں ہے، یہ مسئلہ پیچھے تفصیل کے ساتھ گذر چکا ہے۔ (مرقاۃ: ۴۳۶/۲، التعلیق: ۳۰۶/۶)

خرص کا مسئلہ

{۱۷۱۲} وَعَنْ عَتَّابِ بْنِ اُسَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيْ زَكٰوةِ الْكُرُوْمِ اِنَّهَا تُخْرَصُ كَمَا تُخْرَصُ النَّخْلُ ثُمَّ تُؤَدّٰى زَكٰوتُهٗ زَبِيْبًا كَمَا تُؤَدّٰى زَكٰوةُ النَّخْلِ تَمْرًا۔

﴿رواہ الترمذی وابوداؤد﴾

حوالہ: ترمذی شریف: ۱۳۹/۱، باب ما جاء فی الخرص۔ کتاب الزکوٰۃ، حدیث نمبر: ۶۴۴۔ ابو داؤد شریف: ۲۲۶/۱، باب خرص العنب، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۱۶۰۳۔

حل لغات: الکروم: جمع ہے 'کرْم' کی، بمعنی انگور، تخرص: خرص (ض، ن) خرصا: اندازہ کرنا، النخل: کھجور کا درخت، واحد: نخلۃ۔

ترجمہ: حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے کھجور کی زکوٰۃ کے بارے میں فرمایا: کہ اس کا اندازہ لگایا جائے گا، جیسا کہ کھجور کے درخت میں اندازہ لگایا جاتا ہے، پھر کشمش کی شکل میں اس کی زکوٰۃ دی جائے گی، جیسا کہ نخل کی زکوٰۃ خشک کھجور کی شکل میں دی جاتی ہے۔

تشریح: فی زکوٰۃ الکروم انہا تخرص الخ:

خرص کے معنی اور اس کا حکم

خرص کا لغوی معنی ہے اندازہ کرنا اور تخمینہ لگانا، یہاں خرص سے مراد یہ ہے کہ جب پھلوں وغیرہ کے پکنے کا وقت آجائے تو حکومت اپنے عامل بھیجتی ہے، جو ہر باغ اور کھیتی وغیرہ دیکھ کر اندازہ لگائیں کہ اس میں کتنی پیداوار ہوگی، اس بات پر تقریباً اتفاق ہے کہ حکومت کو نظام خرص قائم کرنا چاہئے، لیکن اختلاف اس بات میں ہوا ہے کہ خارص کا خرص حجت ملزمہ ہے یا نہیں؟ بعض ائمہ کے یہاں یہ حجت ملزمہ ہے، یعنی عشر اسی حساب سے وصول کیا جائے گا، جتنی پیداوار کا خارص نے اندازہ لگایا تھا، خواہ مالک یہی بتائے کہ اصل پیداوار اس سے کم ہوئی ہے۔ حنفیہ کے نزدیک خرص حجت ملزمہ نہیں، اگر مالک اتنی ہی پیداوار ظاہر کرتا ہے جتنی کا خارص نے اندازہ لگایا تھا، تو فبہا اور اگر اس سے کم بتلاتا ہے تو خارص سے بینہ طلب کیا جائے گا، اس بات پر کہ واقعۃً اس کی پیداوار اتنی ہی ہوئی ہے، جتنا اس کا اندازہ تھا، اگر وہ بینہ پیش کردے تو اسی خرص کے مطابق عشر وصول کیا جائے گا، اور اگر بینہ پیش نہ کر سکے تو مالک کا قول مع یمینہ معتبر ہوگا۔

زیر بحث حدیث شریف اور اس کے بعد والی دو حدیثوں سے صرف اتنی بات ثابت ہوتی ہے کہ خرص جائز ہے، اس کے حنفیہ بھی قائل ہیں، ہاں حنفیہ اس کے حجت ملزمہ ہونے کے قائل نہیں، اور یہ بات حدیث شریف سے ثابت نہیں، اس لئے ان احادیث کو حنفیہ کے خلاف نہیں پیش کیا جا سکتا، باقی یہ سوال ہو سکتا ہے کہ جب خرص کو حجت ملزمہ نہیں مانا تو اس کا فائدہ کیا ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بغیر حجت ملزمہ مانے بھی اس میں فوائد ہیں، ایک فائدہ تو یہ کہ حکومت کو پہلے سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس سال کتنا عشر وصول

ہوگا، دوسرا فائدہ یہ ہے کہ خرص کے ہوتے ہوئے مالک غبن فاحش نہیں کر سکتے، کیونکہ اگر وہ پیداوار تھوڑی ظاہر کرے گا تو خارص کی رپورٹ کی بنیاد پر تحقیق تو شروع کر دی جائے گی، اور اگر خرص نہ ہوتا اس کے فراڈ پر شک ہی پیدا نہ ہوتا۔ (اشرف التوضیح: ۲/۲۴۷)

ایضاً

{۱۷۱۳} وَعَنْ سَهْلِ بْنِ اَبِیْ حَثْمَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ حَدَّثَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقُوْلُ اِذَا خَرَصْتُمْ فَخُذُوْا وَدَعُوْا الثُّلُثَ فَاِنْ لَّمْ تَدَعُوْا الثُّلُثَ فَدَعُوْ الرُّبُعَ۔

﴿رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی﴾

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۱۳۹، باب ما جاء فی الخرص، کتاب الزکوٰۃ، حدیث نمبر: ۶۴۳۔ ابو داؤد شریف: ۱/۲۲۶، باب الخرص، کتاب الزکوٰۃ، حدیث نمبر: ۱۶۰۵۔ نسائی شریف: ۱/۲۶۷، باب کم یترک الخارص، کتاب الزکوٰۃ، حدیث نمبر: ۲۴۹۳۔

حل لغات: حدث: (ن) حدثا الامر: واقع ہونا، حدث (تفعیل) تحدیث عن فلان: روایت کرنا۔

ترجمہ: حضرت سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ جب تم خرص کرکے لو تو ایک تہائی چھوڑ دو، اگر تم لوگ ایک تہائی نہ چھوڑو تو ایک چوتھائی چھوڑ دو۔

تشریح: اذا خرصتم فخذوا ودعوا الثلث: خرص کے اصل معنی اندازہ لگانا ہے، جیسا کہ اوپر گذرا، خرص کی تفسیر یہ ہے کہ کھجور وغیرہ کے باغ میں جب پکنے کا وقت قریب ہو تو بیت المال کی طرف سے دو ایک آدمی کو بھیجا جائے تاکہ وہ اندازہ لگائے کہ اس باغ کے درختوں میں جو تازہ کھجوریں وہ خشک ہونے کے بعد کتنے کھجور ہونگے، تاکہ اس قدر سے زکوٰۃ لیجائے اور صاحب مال خیانت نہ

کر سکے، جیسا کہ یہود خیبر کرتے تھے، نیز ارباب مال پر توسع ہو جائے کہ اس اندازہ کے مطابق مال رکھ کر آزادی کے ساتھ خرچ کرتے رہے، ورنہ وہ تنگی میں مبتلا ہو جائیں گے، اور عشر دینے سے پہلے کچھ خرچ نہیں کریں گے، تو اس میں ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ مزارعت ومساقات میں خرص جائز نہیں، البتہ عشر کے بارے میں ائمہ ثلاثہ خرص کے قائل ہیں، پھر اس کی تفصیلات میں اختلاف ہے، بعض نے واجب کہا، اور بعض نے مستحب کہا، اور بعض نے صرف جائز قرار دیا، اور بعض نے تمر وعنب میں فرق کیا، پھر ایک خارص کافی ہے یا دو خارص کی ضرورت ہے، پھر خارص اور مالک میں اختلاف ہو جائے تو کس کا قول معتبر ہے، پھر یہ خرص ایک اعتباری چیز ہے، یا تضمینی؟ پھر مہمان وغیرہ کیلئے ثلث یا ربع چھوڑا جائے گا، یا نہیں تو امام احمد واسحاق کے نزدیک چھوڑنا لازم ہے، اور شافعی ومالک کے نزدیک نہیں، بہر حال یہ بہت تفصیلات ہیں جو کتب فقہ میں موجود ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں عام طور سے یہ کہا جاتا ہے کہ آپ خرص کو باطل کہتے ہیں، اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح معانی الآثار میں جو کچھ لکھا ہے اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، اور وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث پیش کرتے ہیں کہ "نهى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن الخرص" حالانکہ درحقیقت امام صاحب کی طرف یہ نسبت حقیقت امر کے مطابق نہیں، اور امام طحاوی کی غرض بھی خرص کا انکار نہیں، بلکہ منشاء یہ ہے کہ خرص ایک اعتباری شئ ہے، لازمی نہیں، یعنی خارص نے جو اندازہ لگایا اس اعتبار سے عشر لینا ضروری نہیں، بلکہ پھل توڑنے کے بعد حساب کرکے عشر لیا جائے گا، خرص صرف اس لئے ہوگا تاکہ مالک اس کو اہمیت دے، اور مال کو ضائع نہ کرے، اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کا مطلب بھی یہی ہے، تو جب امام ابوحنیفہ فی الجملہ خرص کے قائل ہیں تو پھر خرص والی حدیثوں کا جواب دینا ضروری نہیں۔

اذا خرصتم فخذوا ودعوا الثلث: حدیث شریف میں جو تیسرا چوتھا حصہ چھوڑنے کا حکم ہے ابن العربی نے اس کی یہ حکمت بیان کی کہ مالک نے جو مؤنت وخرچ کیا ہے وہ اس حصہ سے حاصل ہو جائے، اور صاحب بدائع نے کہا کہ مالک نے جو کچھ پھل کھایا ہے وہ

اس ثلث وربع سے جائے تاکہ اس پر بار نہ ہو، اور بعض نے کہا کہ اس باغ سے بہت پھل گرے، پرندوں نے کھایا چور نے لیا، لوگوں نے بچوں نے کھایا وہ اس حصہ سے جائے، اور بعض نے کہا کہ ثلث یا ربع اسلئے چھوڑنے کا حکم ہے تاکہ اس سے مالک خود اپنے ہاتھ سے فقراء کو دے، کیونکہ جب یہ پھل والا ہے تو فقراء و مساکین ضرور اس کے پاس آئیں گے، اب اگر سب عشر بیت المال لے جائے تو مالک پر دوہرا صدقہ دینا پڑیگا، لہٰذا کچھ اس کے پاس رکھ چھوڑنا چاہئے تاکہ اس پر جبر نہ ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (درس مشکوۃ:۱۸۱/۲) التعلیق:۳۰۶/۲۔

اس روایت کے بارے میں حضرت امام ابن العربی کا کہنا ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری:۴۲۰/۴)

اس لئے یہ روایت بھی حضرات احناف کے خلاف حجت نہیں بن سکتی۔

ایضاً

{۱۷۱۴} وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْهَا قَالَتْ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَبْعَثُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ رَوَاحَةَ اِلیٰ یَهُوْدَ فَیَخْرُصُ النَّخْلَ حِیْنَ یَطِیْبُ قَبْلَ اَنْ یُّؤْکَلَ مِنْهُ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۲۲۶/۱، باب متی یخرص التمر کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر:۱۶۰۶۔

حل لغات: بعث: بعث (ف) بعثا: الیہ تنہا بھیجنا، یطیب: وطاب (ض) طیبا: میٹھا ہونا۔ پکنا۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہودیوں کے پاس بھیجتے تھے، تو وہ میٹھا ہونے کے وقت کھانے کے لائق ہونے سے پہلے کھجوروں کا اندازہ کر لیتے تھے۔

تشریح: عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ خرص کے ماہر تھے، اسی لئے آنحضرت ﷺ

نے ان کو یہودِ خیبر کے باغات کی طرف بھیج کر ان سے خرص کراتے تھے۔

حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ خرص ثمار بدوصلاح کے بعد ہونا چاہئے، اس سے پہلے نہیں، اور یہ کہ خرص میں خارص واحد عدل کا قول معتبر ہے۔ یہی جمہور کا مسلک ہے۔ "به قالت المالكية والحنابلة وجماعة من الشافعية ان كان عدلا عارفا وقال جماعة من الشافعية لا بد من الاثنين۔ (منہل)(الدر المنضود: ۳/۷۶)

یہ روایت بھی حضرات احناف کے خلاف حجت نہیں بن سکتی ہے اسلئے کہ حضرت علامہ عینی کی صراحت کے مطابق اس کی سند میں ایک مجہول راوی ہے۔ (عمدۃ القاری: ۴/۴۲۰)

شہد میں زکوۃ

{۱۷۱۵} وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْعَسْلِ فِيْ كُلِّ عَشَرَةِ اَزُقٍّ زِقٌّ۔ (رواه الترمذي) وَقَالَ فِيْ اِسْنَادِهٖ مَقَالٌ وَلَا يَصِحُّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ هٰذَا الْبَابِ كَثِيْرُ شَيْئٍ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۱۳۷، باب ماجاء فی زکوۃ العسل، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۶۲۹۔

حل لغات: العسل: شہد، جمع: اعسال، ازق: مشک، واحد: زق۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے شہد کے بارے میں فرمایا: کہ ہر دس مشک میں ایک مشک واجب ہے۔ (ترمذی) اور امام ترمذی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند میں کلام ہے، اس باب میں جناب نبی کریم ﷺ سے زیادہ احادیث سند صحیح سے مروی نہیں ہیں۔

تشریح: والعسل فی کل عشرۃ ازق زق: عشری زمین میں اگر شہد ملجائے تو اس پر عشر واجب ہونے کے بارے میں اختلاف ہے، چنانچہ امام مالک وشافعی کے نزدیک اس میں

05 Bab ma Yajibu

عشر واجب نہیں ہے، امام ابوحنیفہ اور امام احمد و اسحاق و اوزاعی رحمہم اللہ کے نزدیک عشر واجب ہے۔

فریق اول نے استدلال کیا حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے اثر سے "انہ سئل عن العسل فی الیمن فقال لم اومر فیہ بشیئ" اس کے علاوہ ان کے پاس کوئی مرفوع حدیث نہیں احناف کے پاس بہت سی احادیث ہیں۔ایک حدیث مذکور ہے جس میں عشر دینے کا ذکر ہے، دوسری دلیل حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ہے:"قال جاء هلال احد بنی متعان الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم بعشور نحل له"(رواہ ابو داؤد: ۱/۲۲۶)

تیسری دلیل ابن ماجہ میں انہی عبداللہ کی حدیث ہے:"انہ علیہ السلام اخذ من العسل العشر"(ص: ۱۳۱)

چوتھی دلیل مسند احمد و ابن ماجہ و بیہقی میں ابوسفیان کی حدیث ہے:"قال قلت یا رسول اللہ ان لی نحلا قال اذا العشور" علاوہ ازیں قرآن مجید کی آیت "خذ من اموالھم صدقة" سے بھی عشر کی طرف اشارہ ہوتا ہے، کیونکہ یہ بھی مال میں شامل ہے، نیز یہ شہد عشری زمین کی پیداوار میں شمار کیا جاتا ہے۔لہٰذا عشر واجب ہونا چاہئے۔

فریق اول نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے قول سے جو دلیل پیش کی اس کا جواب یہ ہے کہ عدم امر سے عدم وجوب ثابت نہیں ہوتا جب کہ دوسری روایات کثیرہ میں وجوب ثابت ہے باقی شافعیہ کا یہ کہنا کہ عشر کے بارے میں احادیث درجۂ ثبوت کو نہیں پہنچیں، صاحب بدائع نے اسکے جواب میں یہ کہا کہ اگرچہ شوافع کے نزدیک ثابت نہ ہو لیکن ہمارے نزدیک احادیث صحیحہ ثابت ہیں۔کما ذکرنا۔(درس مشکوۃ: ۲/۱۸۱) التعلیق: ۲/۳۰۷، مرقاۃ: ۲/۴۸۳۔

زیورات میں زکوۃ

{۱۷۱۶} وَعَنْ زَيْنَبَ امْرَأَةِ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَتْ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا

مَعَشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ وَلَوْ مِنْ حُلِيِّكُنَّ فَاِنَّكُنَّ اَكْثَرُ اَهْلِ جَهَنَّمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ ﴿رواہ الترمذی﴾

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۱۳۶، باب ماجاء فی زکوٰۃ الحلی، کتاب الزکوٰۃ، حدیث نمبر: ۶۳۵۔

حل لغات: خطبنا: خطب (ن) خطبۃ: تقریر کرنا، لیکچر دینا، معشر: بمعنی جماعت، جمع: معاشر، حلیکن: جمع ہے 'حَلی' کی، بمعنی زیور۔

ترجمہ: حضرت زینب زوجہ عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے تقریر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''کہ اے عورتوں کی جماعت! تم زکوٰۃ دیا کرو اگرچہ اپنے زیوروں سے ہو، اس لئے کہ تم سب ہی قیامت کے دن زیادہ دوزخی ہوں گی۔''

تشریح: زکوٰۃ کی ادائیگی ایک بہت ہی اہم مسئلہ ہے اس لئے اس کی فکر ہونی چاہئے، اگرچہ اپنے زیورات سے ہی زکوٰۃ دی جائے تاکہ اس وعید سے بچا جاسکے۔

امرأۃ عبد اللہ: عبداللہ سے مراد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔

تصدقن: صدقہ سے مراد زکوٰۃ نکالنا ہے۔

کیونکہ سونا اور چاندی کے زیورات میں دو حیثیتیں ہیں، ایک حیثیت سے ان میں خلقۃً ثمنیت ہے، اور دوسری حیثیت سے وہ عورتوں کیلئے مباح الاستعمال ہیں، وہ عام استعمال لباس کپڑوں کی طرح ہیں۔ ''ذکرہ ابن رشد فی قواعدہ'' تو بعض حضرات نے پہلی حیثیت کو راجح قرار دیکر زکوٰۃ کو واجب کہا، اور بعض نے دوسری حیثیت کو راجح قرار دیکر عدم زکوٰۃ کے قائل ہوئے، چنانچہ امام شافعیؒ و مالک و احمد علیہم الرحمۃ کے بارے میں عام شارحین کہتے ہیں کہ ان کے نزدیک زیورات میں زکوٰۃ نہیں ہے، لیکن بعض کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مالک و احمد علیہما الرحمۃ اس میں متردد تھے، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے جب اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: ''استخیر اللہ فیہ'' اور امام مالکؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ صرف ایک سال کی زکوٰۃ دیجائے۔ کمافی المغنی۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک زیورات میں زکوٰۃ واجب ہے اگر نصاب کی مقدار ہوجائے، یہی رائے ہے حضرت عمر، ابن مسعود، ابن عمر، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی۔ نافیین کے پاس کوئی مرفوع حدیث صحیح نہیں ہے، البتہ کچھ آثار صحابہ ہیں، چنانچہ موطا امام مالک میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اثر ہے: "انھا کانت تلی بنات اختھا یتامی فی حجرھا فلاتخرج من حلیھن الزکوٰۃ" (ص ١٠٦) دوسرا اثر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا۔ تیسرا اثر حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا۔ چوتھا اثر حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا۔

دلائل احناف: امام ابوحنیفہؒ بہت سی مرفوع احادیث سے دلیل پیش کرتے ہیں۔

پہلی دلیل: حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی حدیث ہے، ابوداؤد شریف:٢١٨/١، باب الکنز ما ھو الخ، کتاب الزکوٰۃ میں اور نسائی شریف:٢٧٦/١، باب زکوٰۃ الحلی، کتاب الزکوٰۃ میں ہے:"ان امرأۃ اتت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ومعھا بنت لھا وفی ید بنتھا مسکتان غلیظتان من ذھب فقال لھا اعطین زکوٰۃ ھذا قالت لا قال اَیَسَرُّکِ ان یسورک اللہ بھما یوم القیامۃ بسوارین من النار" ابن القطان فرماتے ہیں:"اسنادہ صحیح"

دوسری دلیل: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث شریف ہے کہ"دخل علی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرای فی یدی فتخات من ورق فقال ماھذا یاعائشۃ!؟ فقلت صنعتھن اتزین لک فیھن یا رسول اللہ! فقال اتودین زکوتھن فقلت لا او ماشاء اللہ من ذلک قال ھُنَّ حسبک من النار" (رواہ الدارقطنی: ١/٧٩، حدیث نمبر:١٩٣٤۔ والحاکم: ١/٥٤٧، حدیث نمبر:١٤٣٧۔ وقال اسنادہ صحیح)

تیسری دلیل: حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ہے، ابوداؤد میں:"قالت کنت البس اوضاحا من ذھب فقلت یارسول اللہ اکنز ھی فقال مابلغ ان تودی زکوتہ فزکی فلیس بکنز" (حوالہ بالا) ان کے علاوہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث

ہے مسند احمد میں اور فاطمہ بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ہے ابن ماجہ اور دارقطنی میں، یہ تمام احادیث صاف دلالت کرتی ہیں کہ زیورات میں زکوٰۃ واجب ہے، علاوہ ازیں امام رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی آیت "وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ" الآیۃ۔ اسی طرح زکوٰۃ کے بارے میں جو احادیث آئی ہیں وہ سب عام ہیں، زیورات وغیرہ کا کوئی استثناء نہیں ہے، لہٰذا زیورات میں وجوب زکوٰۃ کے بارے میں اگر کوئی حدیث نہ بھی ہوتی تب بھی زکوٰۃ واجب ہوتی، چہ جائے کہ اس میں خصوصی حدیثیں بھی موجود ہیں، نیز قیاس کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ زکوٰۃ واجب ہو کیونکہ یہی زیورات اگر مرد کے پاس ہوں تو سب کے نزدیک زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر عورت کی ملک میں ہو تو زکوٰۃ واجب ہونا چاہئے۔

جواب: نافیین نے جو آثار پیش کئے ہیں ان کا جواب یہ ہے کہ احادیث مرفوعہ اور عموم آیات کے مقابلہ میں وہ قابل حجت نہیں ہیں۔ (درس مشکوۃ: ۱۸۱/ ۲) مرقاۃ: ۴۳۸/ ۲، التعلیق: ۳۰۸/ ۲۔

ایضاً

{۱۷۱۷} وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ اِمْرَأَتَيْنِ اَتَتَا رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِيْ اَيْدِيْهِمَا سِوَارَانِ مِنْ ذَهَبٍ فَقَالَ لَهُمَا اَتُؤَدِّيَانِ زَكٰوتَهٗ قَالَتَا لَا فَقَالَ لَهُمَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتُحِبَّانِ اَنْ يُّسَوِّرَكُمَا اللهُ بِسِوَارَيْنِ مِنْ نَارٍ قَالَتَا لَا قَالَ فَاَدِّيَا زَكٰوتَهٗ۔ ﴿رواه الترمذی﴾ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ قَدْ رَوَى الْمُثَنّٰى بْنُ الصَّبَّاحِ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ نَحْوَ هٰذَا وَالْمُثَنّٰى ابْنُ الصَّبَّاحِ وَابْنُ لَهِيْعَةَ يُضَعَّفَانِ فِي الْحَدِيْثِ وَلَا يَصِحُّ فِيْ هٰذَا الْبَابِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْءٌ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/ ۱۳۸، باب زکوۃ الحلی، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۶۳۷۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ دو عورتیں حضرت نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں اس حال میں حاضر ہوئیں کہ ان کے دونوں ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن تھے، تو جناب نبی کریم ﷺ نے ان دونوں سے پوچھا کیا تم دونوں اس کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ ان دونوں نے جواب دیا کہ نہیں، تو جناب نبی کریم ﷺ نے ان دونوں سے ارشاد فرمایا: ''کہ کیا تم دونوں اس بات کو پسند کرتی ہو کہ اللہ تعالیٰ تم دونوں کو آگ کے دو کنگن پہنائے؟'' ان دونوں نے جواب دیا کہ نہیں تو حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کہ تم دونوں اس کی زکوٰۃ ادا کیا کرو۔'' (ترمذی) امام ترمذی نے کہا کہ اس حدیث کو اور اس طرح کی حدیث کو مثنی بن صباح نے عمرو بن شعیب سے روایت کیا ہے، مثنی بن صاح اور ابن لہیعہ حدیث کے معاملہ میں ضعیف ہیں، اور اس باب میں جناب نبی کریم ﷺ سے کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔

تشریح: سونے اور چاندی کے زیورات میں زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ حنفیہ کے نزدیک ان میں زکوٰۃ واجب ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک پہننے کے زیورات میں زکوٰۃ واجب نہیں، ائمہ ثلاثہ کے اور بھی اقوال ہیں، وجوب زکوٰۃ والا قول حضرت عمر، ابن مسعود، ابن عمر، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم وتابعین رحمہم اللہ تعالیٰ سے منقول ہے، بہت سی احادیث ہیں جن سے زیورات پر زکوٰۃ کا وجوب ثابت ہوتا ہے، ان میں دو حدیث صاحب مشکوۃ نے بھی یہاں پیش کر دی ہیں، ایک تو عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ والی یہی زیر بحث حدیث، جس کا حاصل یہ ہے کہ دو عورتیں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں ان دونوں نے سونے کے کنگن پہن رکھے تھے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوچھا کیا تم ان کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ انہوں نے عرض کیا: نہیں۔ حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں (موت کے بعد) آگ کے کنگن پہنائے، انہوں نے کہا نہیں! تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **''فأدیا زکوتہ''** اس زیور کی زکوٰۃ ادا کیا کرو۔

دوسری حدیث حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہ کی ہے بحوالہ مالک وابوداؤد، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے سونے کا کچھ زیور پہن رکھا تھا، اس کے متعلق انہوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کیا یہ وہ کنز ہے جس کی قرآن کریم میں مذمت کی گئی ہے؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ما بلغ ان تؤدی زکوتہ فزکی فلیس بکنز" ان کے علاوہ حضرت ابن مسعود، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما وغیرہ کی احادیث بھی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے زیورات میں زکوٰۃ واجب ہے۔

صاحب مشکوۃ نے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے: "لایصح فی ھذا الباب عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شیء" یہ امام ترمذی کی مسامحت ہے، محدثین نے امام ترمذی کی اس بات پر تعجب کا اظہار کیا ہے، اس موضوع پر بعض احادیث کی محدثین نے تصحیح بھی کی ہے، اگر بالفرض منفرداً یہ حدیثیں صحیح نہ بھی ہوں تب بھی تعدد طرق سے جبر نقصان ہوجاتا ہے۔ (اشرف التوضیح: ۲/۲۴۸ مرقاۃ: ۴/۱۵۷۔ التعلیق: ۲/۳۰۸۔

کنز کا مطلب

{۱۷۱۸} وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ كُنْتُ اَلْبُسُ اَوْضَاحًا مِنْ ذَهَبٍ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! (صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) اَكَنْزٌ هُوَ؟ فَقَالَ مَا بَلَغَ اَنْ تُؤَدّٰى زَكٰوتُهٗ فَزُكِّيَ فَلَيْسَ بِكَنْزٍ۔ (رواہ مالک وابوداؤد)

حوالہ: موطا امام مالک: ۱۰۹، باب ماجاء فی الکنز۔ ابوداؤد شریف: ۱/۲۱۸، باب الکنز ماھو الخ، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۱۵۶۴۔

حل لغات: البس: لبس (س) لبسا: پہننا، اوضاح: جمع ہے 'وضح' کی، بمعنی چاندی کا زیور، کنز: مدفون خزانہ، جمع: کنوز۔

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں سونے کے زیور پہنے ہوئے تھی، میں نے دریافت کیا یارسول اللہ! (ﷺ) کیا یہ کنز ہے؟ تو حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ جو نصاب کے بقدر ہوا گر اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے تو وہ کنز نہیں ہے۔

تشریح: "کنز" کے لغوی معنی ادّخار (ذخیرہ بنا کر رکھنا) اور شریعت میں اس مال کو کہتے ہیں جس میں زکوٰۃ واجب ہو، اور ادا ء نہ کی گئی ہو، اور "حلْی" بالفتح مفرد ہے، اس کی جمع "حُلِیٌ" آتی ہے، جیسے ثَدْیٌ وَثُدِیٌّ بمعنی زیور خواہ سونے چاندی کا ہو یا کسی قیمتی پتھر موتی وغیرہ کا، مگر یہاں سونے چاندی ہی کا مراد ہے، اس لئے کہ مسئلۂ زکوٰۃ اسی سے متعلق ہے، اور جو زیورات جواہر سے بنائے گئے ہوں، قیمتی پتھر، لولو، مرجان وغیرہ سے ان میں بالاتفاق زکوٰۃ نہیں ہے، اس کے لئے موطا امام محمد کو دیکھا جائے۔

اَلْبَسُ اوضاحا من ذھب: 'اوضاح' جمع ہے 'وضح' کی، چاندی کے ایک زیور کا نام ہے، چونکہ وہ سفید چمکدار ہوتا ہے، اسی لئے اس کو وضح کہتے ہیں، بعض نے اس کا ترجمہ خلخال سے کیا ہے، یعنی پازیب جس کو فارسی میں "پائے برنجن" کہتے ہیں۔

اکنز ھو ا؟: یعنی زیور کا استعمال کرنا کیا یہ وہی کنز ہے جس پر قرآن کریم میں وعید آئی ہے۔ "يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ" الآیۃ۔ تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جو مال بقدر نصاب ہو اور اس کی زکوٰۃ ادا نہ کی جائے وہ کنز موعود کا مصداق ہے، اور جس کی زکوٰۃ ادا کردی جائے وہ کنز نہیں۔

اس حدیثِ ام سلمہ کی تخریج دارقطنی، بیہقی، حاکم نے بھی کی ہے، "وصححه الحاکم" بیہقی فرماتے ہیں کہ تفرد بہ ثابت ابن عجلان لیکن اس میں کچھ مضائقہ نہیں، اس لئے کہ ان کی بہت سے ائمہ نے توثیق کی ہے، البتہ اس کی سند میں عتاب بن بشیر ہیں، جس میں مقال ہے۔ (الدر المنضود: ٣/٢٠ مرقاۃ: ٤/١٥٧)۔

مالِ تجارت میں زکوٰۃ

{۱۷۱۹} وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَأْمُرُنَا اَنْ نُخْرِجَ الصَّدَقَةَ مِنَ الَّذِیْ نُعِدُّ لِلْبَیْعِ۔ ﴿رواہ ابوداؤد﴾

حوالہ: ابو داؤ شریف: ۱/ ۲۱۸، باب العروض اذا کانت للتجارۃ الخ۔ کتاب الزکوٰۃ، حدیث نمبر: ۱۵۶۲۔

حل لغات: یأمرنا: امرہ (ن) امرا: حکم دینا، نعد: اَعَدَّ (افعال) اعدادا: تیار کرنا، مہیا کرنا۔

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ اس مال میں سے زکوٰۃ نکالنے کا حکم دیتے تھے جسے ہم تجارت کے لئے مہیا کرتے تھے۔

تشریح: للبیع: اس سے مراد تجارت ہے، اس لئے کہ عام طور پر بیع بول کر کاروبار مراد لیا جاتا ہے۔

مالِ تجارت میں باتفاق جمہور علماء وائمہ اربعہ زکوٰۃ واجب ہے، (حسب شرائط حولان حول ونصاب وغیرہ) خواہ اس میں پہلے سے زکوٰۃ واجب ہو، جیسے ابل بقر وغیرہ یا نہ ہو جیسے بغال وحمیر۔ قسم اول میں زکوٰۃ ویسے بھی واجب ہے، اگر چہ وہ تجارت کے لئے نہ ہو، جس کا مستقل ایک نصاب ہے، اور تجارت کی صورت میں بھی زکوٰۃ واجب ہوگی قیمت کے لحاظ سے، وہ یہ کہ اس کی قیمت دوسو درہم کے برابر ہو، اور قسم ثانی میں فی نفسہ تو زکوٰۃ واجب نہیں، ہاں اگر وہ تجارت کے لئے ہو تو بے شک زکوٰۃ واجب ہوگی۔ (منہل)

داؤد ظاہری کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے، وہ مال تجارت میں زکوٰۃ کے قائل نہیں ہیں، لحدیث لَیْسَ عَلَی الْمُسْلِمِ فِیْ فَرَسِہٖ وَلَا عَبْدِہٖ صَدَقَةٌ۔ الحدیث۔ وَلَمْ یَقُلْ اِلَّا اَنْ یَّنْوِیَ بِہِمَا التِّجَارَةَ۔ پھر باقی اموال تجارت کو انہوں نے انہی دو چیزوں پر قیاس کیا، اور حدیث الباب جس سے مال تجارت میں زکوٰۃ ثابت ہوتی ہے اس کو وہ ضعیف کہتے ہیں، جعفر بن سعد کی وجہ سے۔

جمہور کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث شریف کی اجماعِ صحابہ رضی اللہ عنہم وغیرہ کی وجہ سے تقویت ہوگئی ہے، نیز آیت کریمہ ''انفقوا من طیبات ما کسبتم''جمہور کی مؤید ہے۔ ''قال مجاھد نزلت فی التجارۃ'' ابن المنذر کہتے ہیں لیکن اس کا منکر کافر نہ ہوگا،''لاجل الاختلاف۔''

تاجر کی دو قسمیں، مدیر و محتکر اور مالکیہ کا مسلک

اس کے بعد آپ سمجھئے یہاں ایک اختلافی مسئلہ ہے وہ یہ کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تو ہر تاجر پر ہر سال زکوٰۃ واجب ہے، لیکن امام مالک ؒ فرماتے ہیں تاجر کی دو قسمیں ہیں، مدیر اور محتکر۔ مدیر کا حکم تو یہ ہے کہ اس پر مال میں ہر سال زکوٰۃ واجب ہوگی، اور محتکر پر ہر سال واجب نہیں، بلکہ جس وقت اور جس سال وہ اپنے مال کو فروخت کرے گا اس وقت صرف ایک سال کی زکوٰۃ دینی ہوگی، مدیر تو وہ تاجر ہے جو مال خریدتا رہے، اور فروخت کرتا رہے، جیسا کہ عام طور سے ہوتا ہے، اور محتکر وہ تاجر ہے جو مال تجارت کو روک کر رکھے، قیمت کے بڑھنے کے انتظار میں گودام میں محفوظ کر کے رکھے، اب خواہ کتنے ہی سال تک وہ مال کو روکے رکھے، ان سالوں کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، امام مالک ؒ اس کی دلیل میں عمل اہل مدینہ کو پیش فرماتے ہیں جو ان کے نزدیک مستقل حجت ہے، ایک اختلافی مسئلہ یہ ہے کہ مالکیہ وشافعیہ کے نزدیک وجوب زکوٰۃ کے لئے سال پورا ہونے کے وقت نصاب کا کامل ہونا کافی ہے، اور حنفیہ کہتے ہیں سال کے اول وآخر میں نصاب کا پایا جانا ضروری ہے، درمیان میں اگر کم رہ جائے تو مضر نہیں، اور حنابلہ کے نزدیک از اول تا آخر کمالِ نصاب ضروری ہے۔ (منہل) (الدر المنضود: ۱۹/۳) مرقاۃ: ۱۵۷/۴۔ التعلیق: ۳۱۱/۲۔

کان میں زکوٰۃ

{۱۷۲۰} وَعَنْ رَبِيعَةَ بْنِ اَبِيْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقْطَعَ لِبِلَالِ بْنِ الْحَارِثِ

الْمُزَنِیَّ مَعَادِنَ الْقَبَلِیَّةِ وَهِیَ مِنْ نَاحِیَةِ الْفُرْعِ فَتِلْكَ الْمَعَادِنُ لَاتُؤْخَذُ مِنْهَا اِلَّا الزَّكٰوةُ اِلَى الْيَوْمِ۔ ﴿رواہ ابوداؤد﴾

حوالہ: ابوداؤدشریف: ۲/۴۳۴، باب فی اقطاع الارضین، کتاب الخراج، حدیث نمبر: ۳۰۶۱۔

حل لغات: اقطع: قطع (ف) قطعا: کاٹنا، جدا کرنا، اقطع (افعال) اقطاعا: جاگیر دینا، معادن: جمع ہے 'معدن' کی، بمعنی کان، قبلیة: 'قبل' جگہ کا نام ہے، اس کی طرف منسوب ہے، نائحة: پاس پڑوس، جمع: انواح۔

ترجمہ: حضرت ربیعہ بن ابی عبدالرحمن نے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال بن حارث المزنی رضی اللہ عنہ کو قبلیہ کی کانوں کی جاگیر دی، اور قبلیہ فرع کے علاقے میں ہے، جن کانوں سے آج تک زکوٰۃ ہی لی جارہی ہے۔

تشریح: عن غیر واحد: یعنی بہت سے لوگوں سے۔ "فتلک المعادن لا یؤخذمنھا الا الزکوۃ الی الیوم" حضرات شوافع کا کہنا ہے کہ معادن میں بھی زکوٰۃ فرض ہے، اور ان حضرات کی دلیل حدیث باب ہے۔

حضرات احناف کے نزدیک معادن میں زکوٰۃ نہیں بلکہ خمس ہے، حضرات احناف کی دلیل وہ روایت ہے جس کی تخریج اصحاب ستہ نے کی ہے، اُس حدیث شریف میں اس بات کی صراحت ہے کہ معادن میں خمس فرض ہے، نہ کہ زکوۃ۔ "لناوالعجماجبار والبئر جبار والمعدن جبار و فی الرکاز الخمس اخرجہ الستة والرکاز یعم المعدن والکنز علی ماحققناہ۔" (فتح القدیر: ۲/۲۳۴)

جواب: ان حضرات کی مستدل حدیث باب کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت منقطع ہے، جس سے استدلال درست نہیں، نیز اس میں اس بات کی صراحت نہیں ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کان میں زکوٰۃ لینے کا حکم دیا تھا، بلکہ یہ ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک خیال ہے۔ "کما قال ابن عبدالبر ھذا منقطع فی المو طا" "قال ابو عبیدة رضی اللہ عنہ فی کتاب الاموال حدیث منقطع و مع انقطاعہ لیس فیہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امر بذلک" وانما یو خذمنہ الی الیوم۔" (فتح القدیر: ۲/۲۳۳)

﴿الفصل الثالث﴾

کن چیزوں میں زکوٰۃ فرض نہیں ہے؟

{۱۷۲۱} وَعَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَیْسَ فِیْ الْخَضْرَوَاتِ صَدَقَۃٌ وَلَا فِیْ الْعَرَایَا صَدَقَۃٌ وَلَا فِیْ اَقَلَّ مِنْ خَمْسَۃِ اَوْسُقٍ صَدَقَۃٌ وَلَا فِیْ الْعَوَامِلِ صَدَقَۃٌ وَلَا فِیْ الْجَبْہَۃِ صَدَقَۃٌ قَالَ الصَّقْرُ الْجَبْہَۃُ الْخَیْلُ وَالْبِغَالُ وَالْعَبِیْدُ۔

﴿رواہ الدارقطنی﴾

حوالہ: دارقطنی: ۱/ ۷۰، جزو: ۲، باب لیس فی الخضروات صدقۃ، کتاب الزکوٰۃ، حدیث نمبر: ۱۸۹۰۔

حل لغات: الخضروات: بمعنی سبزی، واحد: خضرۃ، العرایا: "عریۃ" کی جمع ہے، بمعنی عطیہ، جیسے "عطایا" "عطیہ" کی، اور "قضایا" "قضیۃ" کی جمع ہے، (عمدۃ القاری: ۵۳۲/ ۵، فتح الباری: ۳۲۵/ ۴) اوسق: ایک 'وسق' چالیس درہم کے برابر ہوتا ہے، جس کا وزن تقریباً تیئیس کلو پانچ سو اڑتالیس ملی گرام کے برابر ہوتا ہے، العوامل: 'عامل' کی جمع ہے، بمعنی کھیتی کے جانور، الجبھۃ: اس کے معنی اصل میں گھوڑے کے آتے ہیں، لیکن اس کے ضمن میں خچر اور غلام کو بھی لیا جاتا ہے، اس کا واحد نہیں آتا ہے۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "کہ سبزیوں میں زکوٰۃ نہیں ہے، نہ ہی عرایا میں ہے، اور نہ ہی ان چیزوں میں زکوٰۃ فرض ہے جو پانچ وسق سے کم ہو، اور کھیتی کے جانور میں زکوٰۃ نہیں ہے، اور نہ ہی جبہہ میں زکوٰۃ ہے، صقر نے کہا کہ جبہہ گھوڑے، خچر اور غلام ہیں۔

تشریح: لیس فی الخضروات صدقۃ: سبزیوں ترکاریوں کی پیداوار پر

زکوٰۃ (عشر) واجب ہے یا نہیں؟ ائمہ ثلاثہ وصاحبین کے نزدیک ان میں عشر نہیں، امام صاحبؒ کے نزدیک ان میں بھی عشر واجب ہے، امام صاحب کے دلائل وہی نصوص عامہ ہیں، جن کا ذکر نصاب عشر میں کیا جا چکا ہے۔ ائمہ ثلاثہ وصاحبین اس حدیث شریف سے استدلال کرتے ہیں، امام صاحب کے نزدیک اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ سبزیوں میں سے عشر حکومت کو وصول نہیں کرنا چاہئے، مالک خود ان میں سے عشر نکالیں، حکومت کے وصول کرنے کی صورت میں یہ بھی خدشہ ہے کہ اگر عامل دیر سے آئے تو یہ چیزیں پڑی پڑی خراب ہو جائیں۔

ولا فی العرایا: عرایا ایک قسم کا ہبہ ہے، جس کی صورت یہ ہے کہ عرب میں تازہ کھجور کھانے کا عام رواج تھا، اس میں جائداد و باغات والوں کے ساتھ غریب قسم کے لوگ بھی تازہ کھجور کھانے میں برابر کے شریک ہونے کیلئے کوشاں رہتے تھے، اسی کوشش کا نتیجہ تھا کہ باغات والے ان غریب لوگوں کو جن کے پاس تازہ کھجور کھانے کے وسائل نہیں ہوتے تھے ایک آدھ کھجور کے درخت متعین کر کے دے دیا کرتے تھے، تاکہ وہ بھی تازہ کھجور کھانے میں ہمارے شریک ہو جائیں، ایک آدھ درخت کی کھجور نصاب کو پہونچ کر آدمی مالدار نہیں ہو جاتا ہے، اس لئے ایسے شخص پر صرف عرایا کی کھجور کی بنیاد پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔

ولا فی اقل من خمسۃ اوسق صدقۃ: یہ ایک حقیقت ہے کہ دوسو دراہم کے بقدر مالیت میں زکوٰۃ فرض ہوا کرتی ہے، اسی کو اس حدیث شریف میں بتایا گیا ہے کہ ایک وسق چالیس درہم کے برابر ہوتا ہے، تو پانچ وسق دوسو دراہم کے بقدر ہوئے، اب اس میں زکوٰۃ فرض ہے اس سے کم مالیت میں زکوٰۃ فرض نہیں۔

ولا فی العوامل الخ: ذاتی طور پر استعمال کرنے والے کچھ جانوروں کا تذکرہ ہے ان میں بھی زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔ (التعلیق: ۳۱۲/۲، مرقاۃ: ۴۴۰/۲)

وقص پر زکوٰۃ نہیں

{۱۷۲۲} وَعَنْ طَاؤُسٍ اَنَّ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ

أُتِیَ بِوَقْصِ الْبَقَرِ فَقَالَ لَمْ یَأْمُرْنِیْ فِیْہِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِشَیْءٍ۔ ﴿رواہ الدارقطنی والشافعی﴾ وَقَالَ الْوَقْصُ مَالَمْ یَبْلُغِ الْفَرِیْضَۃَ۔

حوالہ: دارقطنی: ١/٧٤٧، جزو: ٢، باب لیس فی الخضروات صدقۃ، کتاب الزکوٰۃ، حدیث نمبر: ١٩١٠۔ مسند امام شافعی: ٢/٨٥، صدقۃ البقر، کتاب الزکوٰۃ۔

حل لغات: وقص: مویشیوں کی اس تعداد کو کہتے ہیں جو نصاب سے کم ہو، وقص (س) وقصا: گھٹانا کم کرنا، اور چونکہ تعداد میں کم ہوتا ہے، اسی لئے اس کو وقص کہا جاتا ہے۔

ترجمہ: حضرت طاؤسؒ سے روایت ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس وقص لایا گیا تو انہوں نے کہا کہ اس میں حضرت رسول اکرم ﷺ نے کسی چیز کا حکم نہیں فرمایا۔ (دارقطنی، شافعی) نیز شافعی نے کہا کہ 'وقص' وہ تعداد ہے جو نصاب کو نہ پہنچے۔

تشریح: اس سے معلوم ہوا کہ وقص البقر میں زکوٰۃ نہیں، وقص کی دو تفسیریں کی گئی ہیں:

(١)......جانوروں کی وہ تعداد جو نصاب سے کم ہو، ان پر کسی کے نزدیک بھی زکوٰۃ نہیں۔

(٢)......وہ اعداد جو دو فریضوں کے درمیان میں آتے ہیں، مثلاً تیس اور چالیس کے درمیان جو اعداد آئیں گے وہ وقص کہلائیں گے، ان کے متعلق اختلاف بیان کیا جا چکا ہے۔ (اشرف التوضیح: ٢/٢٥٠)

06 Babu Sadaqatul Fitr

باب صدقة الفطر

(صدقۂ فطر کا بیان)

رقم الحدیث: ١٧٢٣/تا١٧٢٨/

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

باب صدقۃ الفطر

(صدقۂ فطر کا بیان)

جاننا چاہئے کہ زکوۃ کی دو قسمیں ہیں، زکوۃ مالیہ اور دوسری قسم زکوۃ بدنیہ، جس کو صدقۃ الفطر کہتے ہیں، مصنف ؒ جب قسم اول کے ضروری اور اہم ابواب سے فارغ ہو گئے تو اب یہاں سے اس کی قسم ثانی کو بیان فرماتے ہیں، پھر اس سے فارغ ہو کر مصنف علیہ الرحمہ بقیہ ابواب الزکوۃ بیان فرمائیں گے۔

صدقۃ الفطر سے متعلق مباحث علمیہ مفیدہ

یہاں شروع میں چند امور کا جان لینا طالب علم کے لئے مفید اور موجب بصیرت ہے، اور ہماری ترتیب کے لحاظ سے وہ نو چیزیں ہیں۔

(۱)......صدقۃ الفطر کا تسمیہ اور وجہ تسمیہ۔

(۲)......اس کی مشروعیت کا سال۔

(۳)......اس کا حکم شرعی مع اختلاف ائمہ۔

(۴)......صدقۃ الفطر کا سبب وجوب۔

(۵)......شرط وجوب اور کیا غنا بھی اس کے شرائط میں سے ہے یا نہیں؟

(۶)......وقت وجوب۔

(۷)......کیفیت وجوب "وھل لہ قضاء ان لم یؤدیوم العید"

(۸)......کیا عبد پر واجب ہے اگر ہے تو اداء کون کرے گا وہ خود یا اس کی طرف سے مولی۔

(۹)......صدقۃ الفطر کی مقدار اور مقدار حنطہ میں اختلاف۔

بحث اول: صدقۃ الفطر کے اسماء کئی ہیں:

زکوۃ الفطر، زکوۃ رمضان، زکوۃ الصوم، صدقۃ الرأس، صدقۃ النفوس، زکوۃ البدن۔

صدقۃ الفطر میں اضافت الی وقت الوجوب ہے، یا الی الشرط کہہ لیجئے۔

اور صدقۃ الرأس والبدن میں اضافۃ الی السبب ہے۔ (کما ستعرف)

پھر فطر میں دو قول ہیں، بمعنی فطرت واصل خلقت، بمعنی الافطار وھو الاظھر فقد ورد فی حدیث۔ زکوۃ الفطر من رمضان۔ (قالہ الحافظان ابن حجر والعینی)

بحث ثانی: ۲ھ میں عید سے دو دن قبل۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عید سے دو روز قبل لوگوں کو خطبہ دیا جس میں صدقۃ الفطر کی تعلیم فرمائی۔

بحث ثالث: اس میں چار قول ہیں:

(۱)......ائمہ ثلاثہ اور جمہور کے نزدیک صدقۃ الفطر فرض ہے۔

(۲)......اور حنفیہ کے نزدیک واجب۔

(۳)......اشہب مالکی، وابن اللبان شافعی کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے۔

(۴)......ابوبکر بن کیسان الاصم اور ابراہیم بن علیہ کے نزدیک منسوخ ہے، لحدیث قیس بن سعد بن عبادۃ اَمَرنَا رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِصَدَقَۃِ الْفِطْرِ قَبْلَ اَنْ تَنزِلَ الزَّکٰوۃُ ثُمَّ نَزَلَ فَرِیضَۃُ الزَّکٰوۃِ فَلَمْ یَأْمُرْنَا وَلَمْ یَنْھٰنَا۔ (رواہ احمد و بن خزیمہ والنسائی:۲۶۹/۱، وابن ماجہ:۱۳۱، والحاکم) لیکن یہ استدلال صحیح نہیں، اذ نزول فرض لا یدل علی سقوط فرض آخر۔

فائدہ: ائمہ ثلاثہ کا مذہب اگرچہ صدقۃ الفطر کی فرضیت کا لکھا ہے، لیکن اس کے باوجود ان کے نزدیک اس کا منکر کافر نہیں ہے، کیونکہ فرض سے مراد ان کی غیر قطعی ہے، اور حنفیہ کے نزدیک

فرض غیر قطعی نہیں ہوتا وہ ہمیشہ قطعی ہی ہوتا ہے، بلکہ غیر قطعی کو وہ واجب سے تعبیر کرتے ہیں، یہ ایک مستقل اختلافی واصولی مسئلہ ہے کہ احناف کی اصطلاح واجب کی ہے، اور جمہور کے نزدیک فرضِ غیر قطعی، بس یہ اختلاف صرف لفظی ہے حقیقی نہیں۔

بحث رابع: صدقۃ الفطر کا سبب وجوب "رأس یمونہ ویلی علیہ ولایۃ تامۃ" ہے۔ "لما فی الحدیث عمن تمونون" یعنی وہ ذات جس کی مؤنت (نفقہ وغیرہ) آدمی برداشت کرتا ہے، اور جس پر اس کو ولایت تامہ حاصل ہو، اس کا اولین مصداق تو آدمی کی خود اپنی ذات ہے، اور اسی طرح اس میں اس کی اولادِ صغار بھی داخل ہے، اولادِ کبار اور زوجہ اس میں داخل نہیں، ان پر آدمی کو ولایت تامہ حاصل نہیں ہوتی، چنانچہ حنفیہ بلکہ جمہور وائمہ ثلاثہ کے نزدیک اولادِ صغار کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر وہ مالدار ہوں تو باپ پر واجب ہے کہ ان کے مال میں سے ان کا صدقۃ الفطر اداء کرے، اور اگر مالدار نہ ہوں تو پھر باپ وغیرہ جو بھی ان کا ولی ہو ان کی طرف سے وہ اداء کرے لیکن امام محمد کا اس میں اختلاف ہے، ان کے نزدیک صغیر کا صدقہ مطلقاً باپ پر ہے، وہ صغیر مالدار ہو یا نہ ہو، اور اگر وہ یتیم ہو اس کے باپ نہ ہو تو پھر کسی پر اس کا صدقہ نہیں ہے، اور زوجہ کا مسئلہ بھی اختلافی ہے، جمہور ومنہم الائمۃ الثلاثۃ کے نزدیک اس کا صدقہ زوج پر واجب ہے، جس طرح نفقہ اس پر واجب ہے، اور حنفیہ کے نزدیک زوجہ کا صدقۃ الفطر خود اس پر ہی ہے، جیسا کہ اس کے مال کی زکوۃ خود اسی کے مال میں واجب ہے، یہی مسلک سفیان ثوری، ابن المنذر، اور ابن سیرین اور ظاہریہ کا ہے۔

حنفیہ کا استدلال "علی کل ذکر او انثی" الحدیث۔ سے ہے، اس میں زوجہ بھی آ گئی، اور غیر منکوحہ بالغہ عورت کا صدقہ تو بالاتفاق خود اسی پر ہے۔

بحث خامس: شرط وجوب تین ہیں: اسلام، حریت، غنا، یعنی صاحب نصاب ہونا لیکن حولان حول شرط نہیں، یہ حنفیہ کا مسلک اور مالکیہ کی ایک روایت ہے، جمہور کے نزدیک صدقۃ الفطر کے وجوب کے لئے نصاب شرط نہیں، بلکہ غنی اور فقیر سب پر واجب ہے، صرف یہ ضروری ہے کہ اس شخص

کے پاس اپنے اور اپنے اہل وعیال کے ایک دن کے نفقہ کے علاوہ اتنا مال ہو کہ اس میں سے صدقۃ الفطر اداء کرسکے، یہی مسلک امام شافعیؒ واحمد ومالک (فی روایۃ) کا ہے، لحدیث ثعلبۃ بن ابی صعیر مرفوعا عند المصنف (جو اگلے باب میں آرہی ہے) "وفیه علی کل غنی او فقیر اما فقیر کم فیرد الله علیه اکثر مما اعطی"

قاضی ابوبکر بن العربی مالکی نے اس میں حنفیہ کے مسلک کو ترجیح دی ہے۔ (جو مالکیہ کی بھی ایک روایت ہے) اس لئے کہ حدیث ثعلبہ ان احادیث صحیح کا مقابلہ نہیں کرسکتی جن سے غنا کا شرط ہونا معلوم ہوتا ہے، "لا صدقة الا عن ظهر غنی" وغیرہ احادیث صحیحہ ہیں، اسی طرح اصول کا تقاضا بھی یہی ہے اور حدیث ثعلبہ اول تو ضعیف ہے، اس لئے کہ اس کی سند میں النعمان بن راشد ہے، "قال المنذری لا یحتج بحدیثه" دوسرے اس کا ایک جواب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ غنا امور اضافیہ میں سے ہے، پس فقیر سے فقیر نسبی مراد ہے، یعنی وہ غنی جو کبار اغنیاء کے اعتبار سے فقیر ہے۔

بحث سادس: یہ پہلے آچکا ہے کہ صدقۃ الفطر میں فطر سے مراد افطار صوم ہے، لہذا اس کا وقتِ وجوب وقت افطار ہے، اب افطار سے کونسا افطار مراد ہے؟

حنابلہ تو یہ کہتے ہیں کہ رمضان کے آخری دن کا وقت غروب (لیلۃ العید کا شروع)

اور حنفیہ یہ کہتے ہیں یہ افطار تو شروع رمضان سے ہورہا ہے، یہ مراد نہیں بلکہ وہ خاص وقتِ افطار جو ایک ماہ کے بعد ہورہا ہے، یعنی عید کے دن طلوع فجر کا وقت پس جو شخص اس وقت موجود ہوگا اسی پر صدقۃ الفطر واجب ہوگا اور جو شخص اس سے قبل مرجائے یا جو بچہ اس وقت کے گذرنے کے بعد پیدا ہو اس پر صدقۃ الفطر نہ ہوگا۔

اور مالکیہ کے اس میں دونوں قول ہیں، مثل المذہبین۔

اسی طرح دو امام شافعیؒ کے بھی ان کا قول جدید مثل احمد کے ہے، اور قولِ قدیم میں وہ ہمارے ساتھ ہیں۔ (عینی: ۹/۱۱۸)

بحث سابع: (کیفیت وجوب) یعنی اس کا وجوب موسّعاً ہے یا مضیقاً (غیر موسّع) "فعند الحنفية

ھی من الواجبات الموسعة فوقت اداءھا جمیع العمر مثل الزکوۃ" اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک صدقۃ الفطر واجباتِ غیر موسعہ میں سے ہے، چنانچہ ان کے نزدیک اس کی تاخیر یوم عید سے حرام ہے، لیکن اس وقت ادا نہ کرنے سے ذمہ سے ساقط نہ ہوگا، پھر امام شافعیؒ واحمدؒ کے نزدیک تو بعد میں دینا قضاء شمار ہوگا، اور مالکیہ کے نزدیک یہ دینا ہوگا تو اداء ہی لیکن تاخیر کی وجہ سے گناہ ہوگا، اور حسن ابن زیاد کے نزدیک یوم الفطر گذرنے کے بعد صدقۃ الفطر ساقط ہی ہوجاتا ہے، اور ابن القیم کے نزدیک صلوۃ العید کے بعد اس کا وقت نہیں رہتا، بلکہ ساقط ہوجاتا ہے۔ (بذل وحاشیۂ بذل)

بحث ثامن: حدیث شریف میں ہے: "علی کل حر او عبد" اس کے پیش نظر داوٗد ظاہری کا مسلک یہ ہے کہ صدقۃ الفطر عبد پر ہی واجب ہوتا ہے، اور اسی کے ذمہ ہے اس کا اداء کرنا، اور سید پر لازم ہے کہ اس کو اکتساب کی مہلت دے تاکہ وہ کما کر اپنا صدقۃ الفطر خود اداء کرسکے، جس طرح نماز کیلئے اس کو وقت دینا ضروری ہے۔

اور جمہور ومنہم الائمۃ الاربعۃ کے نزدیک عبد کے صدقۃ الفطر کی ادائیگی سید پر ہے، اب یہ کہ ابتداءً ہی سے سید پر ہے، یا ابتداءً تو عبد پر واجب ہوتا ہے، پھر سید اس کی طرف سے متحمل ہوتا ہے؟ اس میں شافعیہ کے دونوں قول ہیں، اور حنفیہ یوں کہتے ہیں عبد میں اہلیت وجوب نہیں ہے، بلکہ عبد کا صدقہ واجب بھی مولی ہی پر ہوتا ہے، اور اداء بھی اسی کے ذمہ ہے، یہاں دو اختلاف اور ہیں، ایک یہ کہ عبد خدمت اور عبد تجارۃ میں فرق ہے یا نہیں؟ ایسے ہی عبد مسلم اور غیر مسلم کے حکم میں فرق ہے یا نہیں؟ یہ اختلافات آئندہ حدیث شریف کے ذیل میں آرہے ہیں۔

بحث تاسع: کا بیان ان شاء اللہ تعالیٰ آگے حدیث شریف کے ذیل میں آئے گا۔

حکمت: اور اس کا وجوب تزکیہ نفس اور تتمہ عمل کے لئے ہے، اور وکیع بن الجراح کہتے ہیں کہ صدقۂ فطر نماز کے سجدۂ سہو کے مانند ہے کہ روزہ میں اگر کوئی نقصان ہو تو اس کی تلافی وجبر کیلئے صدقہ فطر کا حکم ہے۔ (الدر المنضود: ٣/٧٨، درسِ مشکوۃ: ٢/١٨٤)

﴿الفصل الاول﴾

صدقۂ فطر کا وجوب

{۱۷۲۳} وَعَن ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكٰوةَ الْفِطْرِ صَاعاً مِنْ تَمَرٍ اَوْ صَاعاً مِنْ شَعِيْرٍ عَلَى الْعَبْدِ وَالْحُرِّ وَالذَّكَرِ وَالْاُنْثٰى وَالصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَاَمَرَ بِهَا اَنْ تُؤَدّٰى قَبْلَ خُرُوْجِ النَّاسِ اِلَى الصَّلٰوةِ۔ ﴿متفق علیہ﴾

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۰۴، باب فرض صدقۃ الفطر، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر:۱۴۸۱۔ مسلم شریف: ۱/۳۱۷، باب زکوۃ الفطر، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر:۹۸۴۔

حل لغات: صاع: تین کلو دوسو انچاس گرام بقدر کا ایک پیمانہ، ج: اصواع، تمر: بمعنی کھجور، جمع: تمور، شعیر: بمعنی جو، جمع: شعیرات، الحر: بمعنی آزاد، جمع: احرار،

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۂ فطر ہر غلام، آزاد، مرد وعورت، چھوٹے بڑے، مسلمان پر ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو متعین فرمایا ہے، اور اس کا حکم دیا کہ لوگوں کے نماز کے لئے نکلنے سے پہلے ادا کر دیا جائے۔

کافر غلام کی طرف سے صدقۂ فطر

تشریح: اس حدیث شریف میں "من المسلمین" کے لفظ سے معلوم ہوا صدقۂ فطر بالغ، نابالغ، آزاد، اور غلام کی طرف سے اداء کرنا واجب ہے، والد وغیرہ نابالغ بچے کی طرف سے اداء کریں، مولیٰ اپنے غلام کی طرف سے، اس بات پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے، اختلاف اس بات میں ہوا ہے کہ غلام کی

طرف سے صدقہ فطر کے وجوب کے لئے غلام کا مسلمان ہونا بھی شرط ہے یا نہیں؟ حنفیہ کے نزدیک غلام کا مسلمان ہونا شرط نہیں، کافر غلام کی طرف سے بھی صدقۂ فطر ادا کرنا ضروری ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک کافر غلام کی طرف سے صدقۂ فطر ضروری نہیں، صرف مسلمان غلام کی طرف سے صدقۂ فطر واجب ہے۔

اس حدیث شریف میں لفظ "من المسلمین" کا استعمال ہوا ہے، اس سے ائمہ ثلاثہ استدلال کرتے ہیں۔ اس کا جواب بعض حضرات نے یہ دیا ہے کہ "من المسلمین" کی قید مشہور روایات میں موجود نہیں، صرف امام مالکؒ کی روایت میں ہے، لیکن یہ جواب درست نہیں، اس لئے کہ اول تو امام مالکؒ کے اس زیادتی کو نقل کرنے میں متابع موجود ہیں، دوسرے یہ کہ اگر امام مالک متفرد بھی ہوں تو امام مالکؒ ثقہ ہیں، اور زیادتی ثقہ مقبول ہوتی ہے۔

بہتر بات یہ ہے کہ یہاں دو شخص ہیں ایک "من تجب علیه الصدقة" یعنی جس پر صدقہ اداء کرنا واجب ہے، دوسرے "من تجب عنه الصدقه" یعنی جس کی طرف سے اداء کرنا واجب ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک "من المسلمین" والی قید کا تعلق "من تجب عنه الصدقه" کے ساتھ ہے، ہمارے نزدیک اس قید کا تعلق "من تجب علیه الصدقه" کے ساتھ ہے، یعنی جس پر صدقہ فطر کی ادائیگی واجب ہے، اس کا مسلمان ہونا ضروری ہے، جس کی طرف سے واجب ہے، اس کا مسلمان ہونا ضروری نہیں۔ (اشرف التوضیح: ٢/٢٥٠)

فرض رسول الله ﷺ زکوة الفطر: فرض واجب کے معنی میں ہے، یعنی حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صدقۂ فطر واجب کیا ہے، اس لئے کہ اگر فرض کے حقیقی معنی مراد لیا جائے تو صدقۂ فطر کی فرضیت کے ثبوت کے لئے دلیل قطعی کی ضرورت پڑے گی یہ دلیل قطعی سے ثابت نہیں ہے، اس لئے یہی کہا جائے گا کہ صدقۂ فطر فرض نہیں بلکہ واجب ہے۔

صاعا من تمر او صاعا من شعیر: ایک صاع آٹھ رطل کا ہوتا ہے، اس روایت کی بنیاد پر حضرات شوافع نے کہا کہ صدقۂ فطر فرض ہونے کے لئے نصاب کی کوئی شرط نہیں ہے، بلکہ جس کے پاس ایک دن سے زیادہ خوراک ہو اس پر بھی صدقۂ فطر لازم ہے، حضرات احناف کہتے ہیں کہ

دوسری روایت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ صدقۂ فطر غنی پر واجب ہے، اور شریعت کی اصطلاح میں صاحب نصاب ہی کو غنی کہا جاتا ہے، اس لئے صدقۂ فطر واجب ہونے کے لئے نصاب شرط ہے۔ ''علمائنا قیدوا هذا الاطلاق باحادیث وردت تفید التقیید بالغنی وصرفواه الی المعنی الشرعی والعرفی وهو من یملک نصابا منها قوله علیه الصلوۃ والسلام لا صدقة الا عن ظهر غنی رواه امام احمدؒ وفی مسنده (مرقاۃ:۴۴۲/۲) وامر بها ان تؤدی الخ'' یہ ایک مستحب طریقہ ہے کہ عید کی نماز سے پہلے پہلے صدقۂ فطر اداء کر دے، اگر تاخیر ہو جائے اور بعد میں کسی نے صدقۂ فطر اداء کیا تو اداء ہو جائے گا۔ (التعلیق: ۱۷/۳۱۶/۲، مرقاۃ: ۴۲/۴۴۱/۲)

صدقۃ الفطر کی تقدیم کب تک جائز ہے؟

اس میں ایک دوسرا مسئلہ ہے وہ یہ کہ صدقۃ الفطر کی تعجیل جائز ہے یا نہیں؟ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک عید سے صرف ایک دو دن قبل دے سکتے ہیں، یہی ایک روایت حنفیہ کی ہے، اور دوسری روایت حنفیہ کی ایک دو سال تعجیل کی ہے، حنابلہ کی ایک روایت یہ ہے کہ نصف رمضان کے بعد سے دینا جائز ہے، جس طرح اذان فجر نصف لیل کے بعد اور روانگی از مزدلفہ نصف لیل کے بعد سے جائز ہے، اور عند الشافعی رمضان کے کسی بھی حصہ میں دے سکتے ہیں، رمضان سے قبل دینا جائز نہیں، اور یہی ایک روایت حنفیہ کی ہے، ہمارے یہاں اس میں مختلف روایات ہیں، چنانچہ دو اس سے پہلے گذر چکیں اور تیسری روایت یہ ہے جس کو اصح کہا گیا ہے، کہ مطلقاً تقدیم جائز ہے۔ ''ولو علی رمضان'' (اوجز: ۲۹۱/۳) (الدر المنضود: ۸۱/۳)

صدقۂ فطر کی مقدار

{۱۷۲۴} وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ

قَالَ کُنَّا نُخْرِجُ زَکٰوۃَ الْفِطْرِ صَاعاً مِنْ طَعَامٍ اَوْ صَاعاً مِنْ شَعِیْرٍ اَوْ صَاعاً مِنْ تَمَرٍ اَوْ صَاعاً مِنْ اَقِطٍ اَوْ صَاعاً مِنْ زَبِیْبٍ۔ ﴿متفق علیہ﴾

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۰۴، باب صدقۃ الفطر الخ، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۱۴۸۳۔ مسلم شریف: ۱/۳۱۷، باب زکوۃ الفطر، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۹۸۵۔

حل لغات: طعام: گیہوں، جمع: اطعمۃ، اقط: ہمزہ پر زبر اور قاف کے زیر کے ساتھ اس دہی کو کہتے ہیں، جس کو کپڑے میں رکھ کر لٹکا دیا گیا ہو، جس کی وجہ سے اس کا تمام پانی نکل کر پنیر کی طرح ہو گیا ہو۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ صدقۂ فطر ایک صاع گیہوں یا ایک صاع جو یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع اقط یا ایک صاع کشمش کی شکل میں نکالتے تھے۔

تشریح: صدقۂ فطر نکالنے میں غرباء اور مساکین کی ضرورت کا خیال رکھا جائے، یہی وجہ ہے کہ مختلف موقعہ پر مختلف چیزیں نکالنے کا رواج تھا، صاعامن طعام سے مراد گیہوں ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۴۴۳)

مقدار صدقۃ الفطر

یہ وہی بحث تاسع ہے جس کو ہم نے آئندہ پر محول کر دیا تھا، اس بات پر تو اتفاق ہے کہ جو اور کھجور میں سے صدقۂ فطر اداء کرنا ہو تو اس کی مقدار ایک صاع ہے، اگر گندم سے صدقۂ فطر اداء کرنا ہو تو کتنی مقدار دینا واجب ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک گندم میں بھی ایک صاع واجب ہے، حنفیہ کے نزدیک گندم میں نصف صاع واجب ہے، حنفیہ کی دلیل فصل ثانی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے، اس

میں لفظ ہیں: ”او نصف صاع من قمح“ اسی طرح فصل ثالث میں عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی روایت ہے اس میں لفظ ہیں: مدان من قمح۔ دو مد نصف صاع بنتے ہیں، اسی طرح فصل ثالث کی آخری حدیث ہے اس میں یہ لفظ ہیں: ”صاع من بر او قمح عن کل اثنین“ یہ تینوں حدیثیں حنفیہ کی تائید کررہی ہیں۔

ائمہ ثلاثہ زیر بحث حدیث سے استدلال کرتے ہیں، اس میں لفظ ہیں: ”کنا نخرج زکوۃ الفطر صاعا من طعام الخ“ وہ حضرات طعام سے مراد گندم لیتے ہیں، لیکن صحیح یہ ہے کہ طعام سے مراد وہ چیز ہے جو خوراک کے طور پر زیادہ رائج ہو، اور وہاں گندم کا زیادہ رواج نہیں تھا، کھجوریں وغیرہ خوراک میں زیادہ استعمال ہوتی تھیں، اس لئے طعام سے گندم مراد لینا مشکل ہے، طعام سے گندم مراد لینے کی تردید اس سے بھی ہوتی ہے کہ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ والی روایت میں گندم کو طعام کے مقابلہ میں ذکر کیا گیا ہے، حاصل یہ ہے کہ یہاں لفظ ”طعام“ کی گندم کے معنی پر صریح دلالت نہیں ہے، جب کہ ہم نے جو احادیث پیش کی ہیں ان میں صراحۃً ”قمح“ وغیرہ کے لفظ آرہے ہیں، محتمل حدیث کو بھی ان احادیث صریحہ کی طرف لوٹانا چاہئے۔ (اشرف التوضیح: ۲/۲۵۱)

﴿الفصل الثانی﴾

گیہوں نصف صاع اداء کیا جائے

{۱۷۲۵} وَعَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا قَالَ فِیْ اٰخِرِ رَمَضَانَ اَخْرِجُوْا صَدَقَۃَ صَوْمِکُمْ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھٰذِہِ الصَّدَقَۃَ صَاعاً مِنْ تَمرٍ اَوْ شَعِیْرٍ اَوْ نِصْفَ صَاعٍ مِنْ قُمْحٍ عَلٰی کُلِّ حُرٍّ اَوْ مَمْلُوْکٍ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی صَغِیْرٍ اَوْ کَبِیْرٍ۔ ﴿ابوداؤد والنسائی﴾

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۱/ ۲۲۸، باب من روی نصف صاع الخ، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۱۶۲۲۔ نسائی شریف: ۱/ ۲۶۹، باب مکیلۃ زکوۃ الفطر، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۲۵۱۰۔

حل لغات: صوم کم: 'صوم' بمعنی روزہ، مذکر ومونث واحد جمع سب پر بولا جاتا ہے، قمح: گیہوں، واحد: قمحۃ۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے انہوں نے ایک رمضان کے آخر میں فرمایا: کہ آپ لوگ اپنے روزوں کا صدقہ نکالئے، حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر آزاد اور غلام، مرد وعورت، چھوٹے بڑے پر کھجور یا جو میں ایک صاع اور گیہوں میں آدھا صاع اس صدقے کو متعین کیا ہے۔

تشریح: نصف صاع من قمح: اس حدیث شریف کی بنیاد پر حضرات احناف کہتے ہیں کہ صدقۂ فطر میں گیہوں اداء کرے، تو نصف صاع واجب ہے، یہ روایت مرسل ہے، لیکن حکماً مرفوع ہے، سند بھی صحیح ہے، اس لئے احناف کا اس حدیث شریف سے استدلال کرنا درست ہے۔

صدقۂ فطر کی حکمت

{۱۷۲۶} **وَعَنْہُ** قَالَ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ زَکٰوۃَ الْفِطْرِ طُہْرَۃً لِلصِّیَامِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَطُعْمَۃً لِلْمَسَاکِیْنِ۔ ﴿رواہ ابو داؤد﴾

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۱/ ۲۲۷، باب زکوۃ الفطر، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۱۶۰۹۔

حل لغات: طھرۃ: مصدر ہے، بمعنی پاک ہونا، اللغو: مصدر ہے، بمعنی بیہودہ کلام، الرفث: مصدر ہے، بمعنی گندی گفتگو۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۂ فطر اس لئے لازم کیا ہے تاکہ روزہ بیہودہ باتوں اور فضول گفتگو سے پاک ہو جائے

اور مسکینوں کو کھانا مل جائے۔

تشریح: اس حدیث شریف میں صدقۃ الفطر کی مشروعیت اور اس کی حکمت بیان کی گئی ہے، وہ یہ ہے کہ صیام میں جو کچھ نقص واقع ہوا ہو اس کی تلافی ہو جائے، دوسرے یہ کہ فقراء کا اس میں فائدہ ہے، دار قطنی کی ایک روایت میں ہے: ''اغنوھم عن الطواف فی ھذا الیوم'' کہ فقراء کو عید کے دن (طلب معاش میں گلیوں میں اور بازاروں میں) گشت کرنے سے مستغنی کر دو۔

حدیث الباب کے بارے میں حافظ منذری نے لکھا ہے: ''والحدیث اخرجه ابن ماجة'' معلوم ہوا یہ حدیث شریف صحاح ستہ میں سے صرف ابوداؤد اور ابن ماجہ میں ہے، امام نووی ؒ فرماتے ہیں اس حدیث شریف سے بعض علماء نے اس پر استدلال کیا ہے کہ صبی پر صدقۃ الفطر نہیں ہے، اس لئے کہ تطہیر کا تعلق تو اثم سے ہوتا ہے، اور صبی آثم نہیں ہے، اسی طرح حسن بصری اور سعید بن المسیب رحمہم اللہ تعالیٰ علیہ نے اس پر استدلال کیا ہے کہ صدقۃ الفطر صرف اس پر واجب ہے، جس نے روزہ رکھا ہو اسلئے کہ جب کسی نے روزہ رکھا ہی نہیں تو تطہیر صیام کہاں ہوا؟ لیکن اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ''طھرۃ للصیام'' یہ قید غالب الناس کے لحاظ سے ہے، ہر جگہ اس کا تحقق ضروری نہیں، مثلاً جس نے کبھی کوئی گناہ کیا ہی نہ ہو بلکہ وہ شخص متحقق الصلاح ہو تو کیا اس پر بھی واجب نہ ہوگا۔ (الدر المنضود: ۸۱/۳) مرقاۃ: ۴۴۴/۲،

من اللغو: بے مقصد بات کو لغو کہتے ہیں۔

الرفث: فحش اور گندے کلام کو رفث کہتے ہیں۔

﴿الفصل الثالث﴾

صدقۂ فطر کا وجوب

{۱۷۲۷} وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مُنَادِياً فِىْ فِجَاجِ مَكَّةَ اَلَا اِنَّ صَدَقَةَ

الْفِطْرِ وَاجِبَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى حُرٍّ اَوْ عَبْدٍ صَغِيْرٍ اَوْ كَبِيْرٍ مُدَّانِ من قَمْحٍ اَوْ سِوَاهُ اَوْ صَاعٌ مِّنْ طَعَامٍ۔ ﴿رواه الترمذی﴾

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/ ۱۴۶، باب ماجاء فی صدقۃ الفطر، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۶۷۴۔

حل لغات: فجاج: واحد: فجّ، دو پہاڑوں کے درمیان کشادہ راستہ، یہاں مراد گلی ہے، چونکہ گلیاں بھی دو عمارتوں کے درمیان ہوا کرتی ہیں، اس لئے ان کو بھی فجاج کہہ دیا جاتا ہے۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے مکہ کی گلیوں میں منادی بھیجا کہ آگاہ ہو جاؤ صدقۂ فطر ہر مسلمان مرد عورت آزاد غلام اور چھوٹے بڑے پر گیہوں میں سے دو مد یا اس کے برابر اور طعام میں سے ایک صاع کے برابر واجب ہے۔

تشریح: صدقۂ فطر جس چیز سے اداء کیا جائے اسی حساب سے اس کی مقدار بھی متعین کی جائے گی۔

صدقۃ الفطر واجبۃ: دیکھئے اس حدیث شریف میں بھی صدقۂ فطر کے وجوب کی صراحت ہے۔

مدان من قمح: دو مد، نصف صاع کی مقدار کے برابر ہوتا ہے، اس لئے یہ حدیث شریف بھی حنفیہ کی واضح دلیل ہے۔

صدقۂ فطر کی ترغیب

{۱۷۲۸} وَعَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ ثَعْلَبَةَ اَوْ ثَعْلَبَةَ بْنِ عَبْدِاللهِ بْنِ اَبِيْ صُعَيْرٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَاعٌ مِّنْ بُرٍّ اَوْ قَمْحٍ عَنْ كُلِّ اثْنَيْنِ صَغِيْرٍ اَوْ كَبِيْرٍ حُرٍّ اَوْ عَبْدٍ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى اَمَّا غَنِيُّكُمْ فَيُزَكِّيْهِ اللهُ وَاَمَّا فَقِيْرُكُمْ فَيَرُدُّ عَلَيْهِ اَكْثَرَ مِمَّا اَعْطَاهُ۔ ﴿رواه ابوداؤد﴾

حوالہ: ابو داؤ شریف: ١/ ٢٢٨، باب من روی نصف صاع الخ، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ١٦١٩۔

حل لغات: بُرٍّ: گیہوں، واحد: بُرَّۃ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ثعلبہ یا ثعلبہ بن عبداللہ بن ابی صعیر سے روایت ہے وہ اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کہ ہر دو کی طرف سے ایک صاع 'بر' یا 'قمح' ہے، وہ دو افراد خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے، آزاد ہوں یا غلام، مرد ہوں یا عورت، بہر حال اللہ تعالیٰ مالداروں کو صدقۂ فطر کے ذریعہ پاک کرتا ہے، اور فقیروں کو اس سے زیادہ دیتا ہے جو وہ دیتے ہیں۔

تشریح: مالدار اور غریب سب کو صدقۂ فطر کے اداء کرنے کی فکر کرنی چاہئے، اس سے مالدار کا تزکیہ ہوگا اور غریب آدمی کے مال میں زیادہ برکت ہوگی۔

صاع من بر او قمح عن کل اثنین: بر اور قمح دونوں کے معنی گیہوں کے ہیں، حدیث شریف کے الفاظ سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ ہر آدمی کی طرف سے صدقۂ فطر گیہوں کے قبیل سے نصف صاع واجب ہے۔

و اما فقیر کم: غریب آدمی پر صدقۂ فطر واجب تو نہیں ہے، لیکن اگر کوئی دینا چاہے تو اس کے مال میں بڑی برکت ہوگی۔

باب من لا تحل له الصدقة

(وہ لوگ جن کے لئے صدقہ درست نہیں)

رقم الحدیث: ۱۷۲۹ر تا ۱۷۴۲ر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؁

باب من لا تحل له الصدقة

(وہ لوگ جن کے لئے صدقہ درست نہیں)

بطور تمہید یہ سمجھنا چاہئے کہ غنی کی تین قسمیں ہیں:

(۱)......ایک غنی وہ ہے جس کے پاس مال نامی ہو، اور وہ نصاب کا مالک ہو، ایسے غنی پر زکوۃ قربانی صدقۂ فطر واجب ہے، اور اس کو ہر قسم کا صدقہ لینا ناجائز ہے۔

(۲)......دوسرا غنی وہ ہے جس کے پاس حاجت اصلیہ سے زائد مال موجود ہے، مگر وہ مال نامی نہیں، اور اس میں نیت تجارت بھی نہیں تو ایسے شخص پر زکوۃ تو واجب نہیں، لیکن قربانی اور صدقۂ فطر واجب ہے، اور اس کے لئے بھی ہر قسم کا صدقہ لینا حرام ہے۔

(۳)......تیسرا غنی وہ ہے کہ جس کے پاس حاجت اصلیہ سے زائد نہ مال نامی ہے، نہ غیر نامی، تو ایسے شخص پر ان تینوں امور میں سے کچھ بھی واجب نہیں، اور اس کیلئے ہر قسم کا صدقہ لینا جائز ہے، اب اس کیلئے سوال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ تو اس میں تفصیل ہے، بحر الرائق سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کے پاس ایک دن یا رات کی ضرورت کے بقدر مال ہو تو سوال کرنا جائز نہیں، اور بعض کتب شافعیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو پچاس درہم کا مالک ہو اس کیلئے سوال جائز نہیں، اور بعض میں چالیس کا ذکر ہے۔ (مرقاۃ: ۴۴۹/۲)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ اگر اہل وعیال نہیں رکھتا ہے تو اس کے لئے یوم ولیلۃ کی روزی نصاب ہے، اگر اہل وعیال ہے تو پچاس درہم ہے، امام طحاوی نے کہا کہ مختلف صورتیں مختلف

حالات پر محمول ہیں، کسی کو پچاس درہم کی ضرورت ہوگی، کسی کو اس سے زائد کی ضرورت ہوگی، کسی کو کم سے ہوجائے گی، پس حالات پر جواز سوال وحرمت سوال کا مدار ہوگا۔ (درس مشکوۃ: ۲/۱۸۸)

﴿الفصل الاول﴾

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے صدقہ

{۱۷۲۹} وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ مَرَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِتَمَرَۃٍ فِی الطَّرِیْقِ فَقَالَ لَوْ اَنِّیْ اَخَافُ اَنْ تَکُوْنَ مِنَ الصَّدَقَۃِ لَاَکَلْتُھَا۔ ﴿متفق علیہ﴾

حوالہ: بخاری شریف: ۳۲۸م۱، باب اذا وجد تمرۃ الخ۔ کتاب اللقطۃ، حدیث نمبر: ۲۳۶۷۔ مسلم شریف: ۱/۳۴۴، باب تحریم الزکوۃ الخ، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۱۰۷۱۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم راستہ میں ایک کھجور کے پاس سے گذرے، انہوں نے ارشاد فرمایا: کہ اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ یہ کھجور صدقہ کی ہے تو میں اسے کھالیتا۔

تشریح: لاکلتھا: حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں نعمت کی بڑی قدر تھی، اسی قدر کا نتیجہ تھا کہ راستے میں پڑی ہوئی ایک معمولی کھجور دیکھی تو اسے اٹھا کر کھانے کیلئے تیار ہوگئے، لیکن حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں صدقہ کا شبہ ہوگیا اسلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو چھوڑ دیا، چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے صدقے کا مال حرام تھا، اس سے ایک بات اور سمجھ میں آتی ہے کہ معمولی گری پڑی چیز ہو جس کے بارے میں خیال ہو کہ اس کا مالک نہیں تلاش کرے گا تو اس سے استفادہ جائز ہے، البتہ اگر کوئی اعلیٰ درجہ کا متقی ہو تو اسے پرہیز کرنا

چاہئے۔(التعلیق:۳۱۹/۲،مرقاۃ:۵۴۴۵/۲)

بنوہاشم کے لئے زکوٰۃ

{۱۷۳۰} وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ اَخَذَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِیٍّ تَمْرَةً مِنْ تَمْرِ الصَّدَقَةِ فَجَعَلَهَا فِیْ فِیْهِ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَخْ کَخْ لِیَطْرَحَهَا ثُمَّ قَالَ اَمَا شَعَرْتَ اَنَّا لَا نَاْکُلُ الصَّدَقَةَ۔ ﴿متفق علیہ﴾

حوالہ: بخاری شریف: ۲۰۲/۱، باب ما یذکر فی الصدقۃ الخ، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر:۱۴۶۹۔ مسلم شریف: ۳۴۳/۱، کتاب الزکوۃ، باب تحریم الزکوۃ، حدیث نمبر:۱۰۶۹۔

حل لغات: فی فیه: بمعنی منه، اسمائے ستہ مکبرہ میں سے ہے، اس لئے اس کا اعراب حالت جری میں یا کے ساتھ ہے، کخ کخ: کاف پر کسرہ اور فتحہ کے ساتھ، بمعنی 'اترک' یعنی چھوڑ، لیطرحھا: طرح (ف) طرحا: پھینک دینا، شعرت: شعر (ن) شعرا: جاننا۔

ترجمه: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے زکوۃ کی کھجوروں میں سے ایک کھجور لے کر اپنے منہ میں ڈال لی، تو حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "کخ کخ" تاکہ وہ اس کھجور کو پھینک دیں، حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ آپ نہیں جانتے کہ ہم لوگ صدقہ نہیں کھاتے ہیں۔

تشریح: من تمرة الصدقة: مراد زکوۃ کی کھجور ہے۔

کخ کخ: وہ جملہ ہے جس سے اہل عرب بچے کو کسی ناپسند چیز سے روکتے ہیں، اس کا مکرر ذکر تاکید کے لئے ہے۔

مسئلہ مترجم بہا کے بیان سے پہلے بطور تمہید اس مضمون کا ذکر کرنا مناسب ہے کہ حضور اکرم ﷺ قریشی ہاشمی ہیں، قبیلۂ قریش تمام قبائل عرب میں سب سے افضل ہے، جیسا کہ احادیث

شریفہ میں اس کی تصریح ہے، ترمذی شریف: ۲/۲۰۱، کی ایک روایت مرفوعہ میں ہے: "ثم خیر القبائل فجعلنی من خیر القبیلة" اور صحیح مسلم شریف میں ہے: "الناس تبع لقریش فی ھذا الشان" ص: ۲/۱۱۹ (ای الخلافة)

پھر بطون قریش میں سب سے افضل بنو ہاشم ہیں، اس لئے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہاشمی ہیں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہاشم بن عبد مناف کی اولاد میں ہیں، ہاشم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جد ثانی ہیں، صحیح مسلم اور سنن ترمذی کی حدیث ہے: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کی اولاد میں سے اسماعیل کو منتخب فرمایا اور اسماعیل کی اولاد میں سے بنو کنانہ کو (مراد نضر بن کنانہ ہیں گو کنانہ کے اور بیٹے بھی ہیں) اور بنو کنانہ میں سے منتخب فرمایا قریش کو اور قریش میں سے منتخب فرمایا بنو ہاشم کو اور بنو ہاشم میں سے منتخب اور ممتاز فرمایا مجھ کو۔

آنحضرت ﷺ کے اجداد کرام میں سے قریش کا مصداق کون ہے؟

اس میں دو قول مشہور ہیں:

(۱)......نضر بن کنانہ، نضر بن کنانہ کی اولاد قریش ہے۔

(۲)......فہر بن مالک، لہٰذا اولاد فہر قریش ہے، ان میں سے پہلا قول جمہور کی طرف منسوب ہے، آنحضرت ﷺ کے سلسلۂ نسب میں فہر بن مالک گیارہویں پشت ہے، اور نضر بن کنانہ تیرہویں پشت۔

نسب نامہ آنحضرت ﷺ

محمدؐ بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن النضر بن کنانۃ بن خزیمۃ بن مدرکۃ بن الیاس بن النضر بن نزار بن معد بن عدنان۔ صحیح بخاری شریف میں آنحضرت ﷺ کا نسب عالی یہیں تک مذکور ہے، علماء نے لکھا ہے کہ اس سے آگے بطریق صحیح محفوظ نہیں۔

فائدہ: خلفاء راشدین کا نسب آنحضرت ﷺ سے اسطرح مل رہا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت ﷺ سے دوسری پشت (عبد المطلب) میں اور عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ چوتھی پشت (عبد مناف) میں اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ساتویں پشت (مرۃ) میں اور عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آٹھویں پشت (کعب) میں مل رہے ہیں۔

اسی علو نسبی اور شرف اصلی کے احترام میں شریعت مطہرہ نے بنو ہاشم کو مصرف زکوۃ نہیں قرار دیا، حدیث شریف میں ہے: "**ان هذه الصدقات انما هي اوساخ الناس وانها لا تحل لمحمد ولا لآل محمد**" (رواہ مسلم: ۱/۳۴۵)[یعنی صدقہ کا مال لوگوں کا میل کچیل ہے، جو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آل محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے جائز نہیں ہے۔] چنانچہ اس پر تو تمام علماء کا اجماع ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے زکوۃ جائز نہیں، بعض علماء نے صدقۂ نافلہ کے بارے میں بھی اجماع ہی نقل کیا ہے کہ وہ بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے جائز نہیں، لیکن یہ اجماعی نہیں بلکہ اس میں بعض کا اختلاف ہے، اگرچہ جمہور کا مسلک یہی ہے کہ وہ بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے جائز نہ تھا، اسی طرح اس پر بھی اجماع ہے کہ بنو ہاشم کیلئے زکوۃ جائز نہیں، اور صدقۃ التطوع میں اختلاف ہے، عند الحنفیہ اس میں دونوں قول ہیں، بعض نے جواز کو ترجیح دی ہے، اور بعض نے عدم جواز کو۔ حضرت گنگوہیؒ کی رائے کوکب میں عدم جواز ہی کی ہے، اور باقی ائمہ ثلاثہ کے یہاں قولِ معتمد یہ ہے کہ ان کیلئے صدقۂ نافلہ جائز ہے۔ (منہل، الدر المنضود)

حرمت صدقہ میں بنو ہاشم کے ساتھ بنو المطلب بھی ہیں یا نہیں؟

آلِ محمد جن کیلئے حدیث بالا میں صدقہ کو ناجائز قرار دیا گیا ہے اس سے مراد صرف بنو ہاشم ہیں، یا ان کے ساتھ بنو المطلب بھی شامل ہیں؟ یہ مسئلہ علماء کے مابین اختلافی ہے، دراصل ہاشم بن عبد مناف جن کی اولاد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، ان کے تین بھائی اور تھے، مطلب، نوفل، عبد شمس۔ لہٰذا ان چاروں کے چار خاندان ہوئے، ان میں سے بنو ہاشم کا مرتبہ سب سے اعلیٰ ہے، اسلئے کہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

اسی خاندان میں سے ہیں، پھر باقی تین خاندانوں میں سے بنو المطلب کو یہ خصوصیت و شرف حاصل ہے کہ انہوں نے زمانۂ جاہلیت و اسلام دونوں میں بنو ہاشم کی نصرت و حمایت کی، چنانچہ بزمانِ مقاطعہ قریش شعب ابی طالب میں بنو ہاشم کے ساتھ صرف بنو المطلب ہی تھے۔

اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خمس غنیمت کی تقسیم میں سہم ذوی القربیٰ کو بنو ہاشم اور بنو المطلب دونوں پر تقسیم فرماتے تھے، جس پر بنو نوفل اور بنو عبد شمس کے بعض افراد نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس بات کا شکوہ بھی کیا کہ آنحضرت نے بنو ہاشم کے ساتھ صرف بنو المطلب کو شامل فرمایا، باقی دو قبیلوں کو چھوڑ دیا، حالانکہ جو رشتہ آپ سے بنو المطلب کا ہے وہی ہمارا بھی ہے سب ایک دادا کی اولاد ہیں، اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا: "انا و بنی المطلب لا نفترق فی جاھلیة و لا اسلام و انما نحن و ھم شیء واحد و شبک بین اصابعه" یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل کر کے ارشاد فرمایا: کہ ہم اور وہ ہمیشہ اس طرح رہے ہیں۔ (رواہ ابو داؤد، بذل)

مطلب یہ ہوا کہ یہ تو صحیح ہے کہ تینوں خاندان میرے ساتھ قرابت میں برابر ہیں، لیکن نصرت و تعاون کے لحاظ سے برابر نہیں، اس لحاظ سے صرف بنو المطلب ہمارے ساتھ ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ خمس غنیمت میں بنو ہاشم کے ساتھ بنو المطلب بھی شامل ہیں۔

اب یہ کہ حرمت صدقہ کے مسئلہ میں بھی بنو المطلب بنو ہاشم کے ساتھ ہیں یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، امام ابو حنیفہؒ و امام مالکؒ کے نزدیک نہیں ہیں، اور امام شافعیؒ کے نزدیک داخل ہیں، ان کے نزدیک ان دونوں کیلئے زکوٰۃ جائز نہیں ہے، اور حضرت امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ کی اس میں دونوں روایتیں ہیں "کما فی المغنی" ایک مثل شافعیہ کے، دوسری مثل حنفیہ و مالکیہ کے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سہم ذوی القربیٰ قبائل قریش میں سے کسی کو نہیں دیا بجز بنو ہاشم اور بنو المطلب کے، اور دراصل یہ بدل ہے اس کا کہ ان دونوں قبیلوں کو صدقات میں سے کچھ نہیں دیا جاتا، جمہور کہتے ہیں یہ بات نہیں، بلکہ بنو المطلب کو ایک دوسری وجہ سے دیا گیا، یعنی نصرت و حمایت جیسا کہ

اس حدیث شریف سے معلوم ہو رہا ہے جو او پر گذری، اور نصرت وحمایت اخذ زکوۃ سے مانع نہیں ہے، بلکہ اس سے مانع صرف قرابت ہے، اور قرابت میں اقرب الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم صرف بنو ہاشم ہیں، باقی تینوں خاندان قرابت میں برابر ہیں، لہٰذا ان کا حکم بھی یکساں ہوگا۔

بنو ہاشم کا مصداق

پھر ایک اختلاف یہاں پر اور ہے، وہ یہ کہ بنو ہاشم کا مصداق کون کون ہیں؟ حنفیہ کے نزدیک اس میں صرف پانچ گھرانے داخل ہیں، آلِ عباس آلِ علی، آلِ جعفر، آلِ عقیل (یہ جعفر وعقیل دونوں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی ہیں) آل الحارث بن عبد المطلب حنفیہ کے نزدیک ابولہب کی اولاد اس میں داخل نہیں ہے، اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاندان والوں میں سے صرف مذکورہ بالا پانچ گھرانوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نصرت وحمایت فرمائی، جس کی وجہ سے وہ اعزاز و اکرام کے مستحق ہوئے، بخلاف بنی ابولہب کے کہ انہوں نے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اذیت پہنچائی، لہٰذا وہ اکرام کے بجائے اہانت کے مستحق ہوئے، اور جمہور کے نزدیک ابولہب کی اولاد میں جو اسلام لے آئے وہ بھی اس میں داخل ہیں، جیسے عتبہ ومعتب جو کہ فتح مکہ کے موقعہ پر اسلام لائے تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اسلام لانے پر مسرور ہوئے تھے۔ (منہل)

ایک اختلاف یہاں اور ہے وہ یہ ہے کہ بنو ہاشم کے ساتھ ان کے موالی بھی شامل ہیں یا نہیں؟ مسئلہ اختلافی ہے جمہور علماء ائمہ ثلاثہ کے نزدیک حدیث الباب کی بنا پر (**مولی القوم من انفسھم**) موالی بنی ہاشم کا حکم بھی یہی ہے، اور امام مالک وبعض شافعیہ کے نزدیک وہ اس حکم میں داخل نہیں ہیں۔

ازواجِ مطہرات اس حکم میں داخل ہیں یا نہیں؟

ایک بحث یہاں پر اور ہے کہ آلِ نبی جن پر صدقہ حرام ہے اس کے مصداق میں ازواجِ مطہرات بھی داخل ہیں یا نہیں؟ ابن بطال شارح بخاری امام بخاری کے ترجمہ

"باب الصدقة علی موالی ازواج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم" کے تحت میں فرماتے ہیں کہ باتفاق فقہاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج اس حرمت صدقہ کے حکم میں داخل نہیں ہیں، تو موالیٔ ازواج بطریق اولیٰ اس میں داخل نہیں، لیکن اس پر حافظ علیہ الرحمہ نے فتح الباری میں اولاً ایک اشکال کیا، وہ یہ کہ ابن قدامہ نے مغنی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک روایت ذکر کی جس کو خلاّل نے اپنی سند سے ذکر کیا ہے، جس کا مضمون یہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں ایک چیز بطور صدقہ کے بھیجی تو اس کو انہوں نے یہ کہہ کر واپس کر دیا: "انا آل محمد لا تحل لنا الصدقة" کہ ہم الِ محمد سے ہیں، اور آل محمد کیلئے صدقہ جائز نہیں ہے، اس پر ابن قدامہ لکھتے ہیں کہ یہ حدیث شریف تحریم الصدقه علی الازواج پر دلالت کرتی ہے، اس پر حافظ لکھتے ہیں: (فتح: ۲۸۱/ ۳) "وهذا لا يقدح فيما نقله ابن بطال" بظاہر حافظ کے کلام کا مطلب یہ ہے کہ یہ روایت ابن بطال نے جو اتفاق علماء نقل کیا ہے، اس کے منافی نہیں ہے، فقہاء کا اتفاق اپنی جگہ ہے، یہ دوسری بات ہے کہ یہ اثر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بظاہر ان کے اتفاق کے خلاف ہے، بہر حال یہ کسی فقیہ سے منقول نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج پر صدقہ حرام ہے، اس اثر عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو علامہ عینی: ۸۷/ ۵ رنے مصنف ابن ابی شیبہ کی طرف بھی منسوب کیا ہے، میں کہتا ہوں ازواج مطہرات کے اس حکم میں داخل نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان میں سے کوئی بھی ہاشمیہ نہیں ہے، گو اکثر قریشیہ ہیں، چنانچہ نسائی شریف: ۸۱/ ۲، میں ایک روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ کیا بات ہے کہ آپ اپنے نکاح کے لئے قریش کو (یعنی وہ قریش جو ہاشمی نہیں ہیں) پسند فرماتے ہیں، اور ہمیں یعنی بنو ہاشم کو چھوڑ دیتے ہیں، اس پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ کیا تمہارے ذہن میں کوئی ایسی ہاشمیہ ہے جس سے میں نکاح کر سکوں، انہوں نے کہا جی ہاں! بنت حمزہ ہے اس پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ حمزہ میرے رضاعی بھائی ہیں، لہٰذا ان کی بیٹی میرے لئے حلال نہیں، اس سے بھی یہی معلوم ہو رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سب

شادیاں غیر بنوہاشم میں ہوئی ہیں۔(الدر المنضود: ۱۱۴/۱۷ تا ۱۱۷/۳)

فائدہ: اس حدیث شریف سے یہ حکم معلوم ہوا کہ چھوٹے بچوں کو خلاف شرع باتوں سے منع کرنا باپ یا مربی پر واجب ہے۔(مرقاۃ: ۴۴۶/۲)

سادات کے لئے صدقہ

{۱۷۳۱} **وَعَنْ** عَبْدِالْمُطَّلِبِ بْنِ رَبِيْعَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ هٰذِهِ الصَّدَقٰتِ اِنَّمَا هِيَ اَوْسَاخُ النَّاسِ وَاِنَّهَا لَاتَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَلَا لِاٰلِ مُحَمَّدٍ۔ ﴿رواہ مسلم﴾

حوالہ: مسلم شریف: باب ترک استعمال آل النبیﷺ علی الصدقۃ، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۱۰۷۲۔

حل لغات: اوساخ: بمعنی میل کچیل، واحد: وسخ۔

ترجمہ: حضرت عبدالمطلب بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”یہ صدقات لوگوں کے میل کچیل ہیں، اس لئے یہ محمد اور آلِ محمد کے لئے حلال نہیں ہیں۔“

تشریح: یہاں زکوۃ کو لوگوں کے مال کا میل کہا گیا، نیز اس قسم کی دوسری احادیث شریفہ میں بھی یہ مضمون مذکور ہے، بنا بریں تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے آل کے لئے مال زکوۃ حرام ہے تاکہ آپ کی ذات اور خاندان اس قسم کے میلوں سے پاک رہے، لیکن آپ کی آل کی تعیین میں ذرا سا اختلاف ہے، چنانچہ امام شافعیؒ وغیرہ و دیگر علمائے کرام کے نزدیک ال نبی صرف بنوہاشم ہیں، بنو المطلب اس میں شامل نہیں ہیں، یہی امام احمدؒ کا ایک قول ہے، شوافع وغیرہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سہم ذی القربی میں بنی ہاشم کے ساتھ بنی المطلب کو بھی شامل کیا، اور قریش کے دوسرے کسی خاندان کو نہیں دیا، اور یہ عطیہ ان کے حرمان

عن الزکوۃ کے بدلے میں دیا گیا تو معلوم ہوا کہ ال میں دونوں فریق شامل ہیں ۔امام ابوحنیفہؒ دلیل پیش کرتے ہیں کہ قرآن کریم کی آیت عام ہے، ہر قسم کا فقیر و مسکین زکوۃ کا حقدار ہے، فرمایا: ''**انما الصدقات للفقراء والمساکین الخ**'' یہاں کوئی تخصیص نہیں، لیکن بنوہاشم کو اس عموم سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قول ''**الصدقة لاتنبغی لمحمد ولا لآل محمد**'' کی بنا پر نکال دیا گیا، اور بنوالمطلب کو ان پر قیاس کرنا درست نہ ہوگا، کیونکہ بنوہاشم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اقرب ہیں، اور اشرف ہیں، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ بھی یہی فرماتے ہیں، انہوں نے جو دلیل پیش کی اس کا جواب یہ ہے کہ وہاں بنوالمطلب کو موالات کی بنا پر دیا، حرمان عن الزکوۃ کے عوض میں نہیں دیا، لہٰذا یہ ال نبی میں داخل نہیں، بنابریں زکوۃ حرام نہیں ہوگی۔

بنوہاشم کے پانچ گروہ ہیں: (١) ال عباس ۔(٢) ال جعفر ۔(٣) ال علی ۔(٤) ال عقیل ۔ (٥) ال حارث بن عبدالمطلب ۔جس طرح بنوہاشم کے لئے زکوۃ حرام ہے، اسی طرح ان کی موالی کے لئے جائز نہیں، اسی طرح اگر کوئی عامل علی الصدقہ ہو تو اس کے لئے بھی حرام ہے، ابن ہمام اور زیلعی کے نزدیک صدقہ نافلہ بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرح بنوہاشم کے لئے بھی جائز نہیں، اور دوسرے فقہاء کے نزدیک صدقۂ نافلہ صرف حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے جائز نہیں، بنوہاشم کے لئے جائز ہے۔

طبری نے ابی عصمہ سے امام ابوحنیفہؒ سے نقل کیا ہے کہ چونکہ اس زمانہ میں بیت المال کا انتظام ٹھیک نہیں رہا، اور بنوہاشم کو خمس نہیں ملتا اس لئے اب ان کو زکوۃ لینا جائز ہے، اور امام طحاویؒ نے امام ابویوسفؒ سے نقل کیا ہے اور عقد الجید میں لکھا ہے کہ امام طحاویؒ نے اس پر فتویٰ دیا ہے اور فخرالدین رازی نے بھی لکھا ہے کہ اس زمانہ میں بنوہاشم کو زکوۃ دینا جائز ہے، اور یہی بعض مالکیہ شافعیہ کا قول ہے، لیکن درالمختار میں اس روایت کو ناقابل اعتبار قرار دیا ہے، اور لکھا ہے کہ اس پر فتوی نہ دینا چاہئے۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے تو ہر قسم کا صدقہ ناجائز ہے، لیکن ہدیہ آپ کے لئے جائز

ہے، اور دونوں میں فرق یہ ہے کہ صدقہ میں اصل مقصود ہوتا ہے اجر و ثواب و ترحم للمعطی اور ہدیہ میں اصل مقصود ہوتا ہے مہدی الیہ کا اکرام اور اس کی تطییب قلب اور اس کو خوش کرنا، اگر چہ مآلاً وہ بھی ثواب و اجر سے خالی نہیں ہوتا۔ (درس مشکوۃ:۱۸۹/۲)

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ہدیہ

{۱۷۳۲} وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُتِیَ بِطَعَامٍ سَأَلَ عَنْهُ اَهَدِيَّةٌ اَمْ صَدَقَةٌ فَاِنْ قِيْلَ صَدَقَةٌ قَالَ لِاَصْحَابِهٖ كُلُوْا وَلَمْ يَاْكُلْ وَاِنْ قِيْلَ هَدِيَّةٌ ضَرَبَ بِيَدِهٖ فَاَكَلَ مَعَهُمْ۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۳۵۰، باب قبول الهدية، كتاب الهبة وفضلها، حدیث نمبر:۲۵۰۵۔ مسلم شریف: ۱/۳۴۵، باب قبول النبی الهدية الخ، كتاب الزكوة، حدیث نمبر: ۱۰۷۷۔

حل لغات: اتی: اتا (ض) اتیانا بہ: لانا، ھدیۃ: تحفہ، جمع: ھدایا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھانا آتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بارے میں پوچھتے یہ ہدیہ ہے یا صدقہ؟ اگر کہا جاتا کہ صدقہ ہے تو حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے اصحاب سے فرماتے: تم لوگ کھالو اور آپ خود نہ کھاتے، اور اگر کہا جاتا کہ ہدیہ ہے تو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ لگاتے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ کھاتے۔

تشریح: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ دریافت فرمانا از راہ احتیاط و تقویٰ تھا، کیونکہ سب لوگوں کو پوری طرح معلوم نہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صدقہ کی کوئی چیز نہیں کھاتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کھانے پینے کی کوئی چیز نامعلوم طور پر آئے تو احتیاطاً اس کے بارے میں دریافت کرلینا جائز ہے۔

صدقہ اور ہدیہ کے درمیان فرق

صدقہ اور ہدیہ میں فرق یہ ہے کہ صدقہ میں متصدق کی نیت اور مقصود صرف ثوابِ آخرت ہوتا ہے، فقیر کی ذات اس میں مقصود نہیں ہوتی، اور ہدیہ وہ عطیہ ہے جس سے مقصود مہدی الیہ کا تقرب حاصل کرنا ہوتا ہے، اور اس کا اکرام مقصود ہوتا ہے، ہدیہ میں حصول ثواب درجۂ ثانوی میں ہوتا ہے، اور بعض نے اس فرق کو اس طرح واضح کیا ہے کہ صدقہ کا بدلہ آدمی کو آخرت ہی میں ملتا ہے، اسی لئے دنیا میں فقیر پر اس کی منت اور احسان باقی رہتا ہے، بخلاف ہدیہ کے کہ ہدیہ کا بدلہ دنیا میں ہدیہ ہی سے ہوجاتا ہے، پس صدقہ میں ایک نوع کی پستی اور ذلت ہے، بخلاف ہدیہ کے کہ اس میں مہدی الیہ کا اعزاز و اکرام ہے، اسلئے صدقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور بنوہاشم کیلئے جائز نہیں، صدقہ اور ہدیہ کے درمیان فرق ایک حدیث مرفوع میں بھی وارد ہے، جو سنن نسائی میں "باب العمری" کے اخیر میں موجود ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ صدقہ سے مقصود تقرب الی اللہ ہوتا ہے، اور ہدیہ سے مقصود مہدی الیہ کا تقرب ہوتا ہے، کہ اس سے تعلق میں اضافہ ہوجائے۔
(الدر المنضود: ۱۱۸/ ۳) مرقاۃ: ۲۴۴۷/ ۲، التعلیق: ۳۱۹/ ۲۔

بریرہ کے واسطے سے شریعت کے تین احکام

{۱۷۳۳} وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ فِيْ بَرِيْرَةَ ثَلٰثُ سُنَنٍ اِحْدَى السُّنَنِ اَنَّهَا عُتِقَتْ فَخُيِّرَتْ فِيْ زَوْجِهَا وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْوَلَاءُ لِمَنْ اَعْتَقَ وَدَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْبُرْمَةُ تَفُوْرُ بِلَحْمٍ فَقُرِّبَ اِلَيْهِ خُبْزٌ وَاُدُمٌ مِنْ اُدُمِ الْبَيْتِ فَقَالَ لَمْ اَرَ بُرْمَةً فِيْهَا لَحْمٌ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّ ذٰلِكَ لَحْمٌ تُصُدِّقَ بِهٖ عَلٰى بَرِيْرَةَ وَاَنْتَ لَا تَاْكُلُ الصَّدَقَةَ قَالَ عَلَيْهَا صَدَقَةٌ وَلَنَا هَدِيَّةٌ۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۷۹۵، باب لایکون بیع الامۃ الخ، کتاب الطلاق، حدیث نمبر:۵۰۷۹۔ مسلم شریف: ۱/۴۹۴، باب بیان ان الولاء الخ، کتاب العتق، حدیث نمبر: ۱۵۰۴۔

حل لغات: سنن: بمعنی طریقہ، واحد: سنۃ، عتقت: عتق (ض) عتقا: آزاد ہونا، خیرت: خیر (تفعیل) تخییر: پسند کرنے کے لئے اختیار دینا، الولاءُ: وہ میراث جو آزاد کردہ غلام سے حاصل ہو، البرمۃ: ہانڈی، جمع: برم و برام، تفور: فار (ن) فورا: ابلنا، جوش مارنا، بلحم: گوشت، جمع: لحام، خبز: روٹی، جمع: اخباز، ادم: ہر وہ چیز جس کا سالن بنایا جاسکے۔

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ بریرہ کے واسطے سے تین شرعی احکام ظاہر ہوتے ہیں:

(۱)......وہ آزاد ہوئیں تو ان کو اپنے شوہر کے بارے میں اختیار دیا گیا۔

(۲)......حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آزاد شدہ غلام کی میراث اس کے لئے ہے جو آزاد کرے۔

(۳)......حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں آئے اور گوشت کی ہنڈیا ابل رہی تھی لیکن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے روٹی کے ساتھ گھر کے سالنوں میں سے کوئی سالن پیش ہوا، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ کیا میں نے وہ ہنڈیا نہیں دیکھی جس میں گوشت ہے؟ گھر والوں نے جواب دیا جی ہاں، لیکن وہ ایسا گوشت ہے جو بریرہ کو صدقے میں ملا ہے، اور آپ صدقہ نہیں کھاتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ اس کے لئے صدقہ ہے اور ہمارے لئے ہدیہ ہے۔

تشریح: حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا باندی ضرور تھیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کی بڑی قدر تھی، یہی وجہ ہے کہ ان کی ذات کے واسطے سے شریعت کے یہ تین اہم مسائل مسلمانوں کو بطور تحفہ کے ملے ہیں۔

(۱)......انھا عتقت فخیرت: حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا غلامی کی حالت میں نکاح کر دیا گیا تھا

مغیث سے، جب یہ آزاد ہوئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نکاح برقرار رکھنے یا نہ رکھنے کا اختیار دیا، اس کو خیارِ عتق کہتے ہیں، جو بھی منکوحہ باندی آزاد ہوگی اس کو خیارِ عتق ملے گا، اس خیار کی ابتداء حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی، اس کی مزید تفصیل کتاب النکاح میں آئے گی۔ان شاء اللہ۔

(۲)...... الولاء لمن اعتق: حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا مکاتبہ تھیں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس بدلِ کتابت کے سلسلہ میں تعاون طلب کرنے کے لئے آئی تھیں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ارادہ فرمایا: خرید کر آزاد کرنے کا، ان کے مالک بیچنے پر راضی ہوگئے، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ آزادی کے بعد ان کا ولاء عتاقہ انہی بیچنے والوں کیلئے ہوگا، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس کا ذکر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صریح اعلان فرمادیا: ”الولاء لمن اعتق“ اس ضابطہ کے علم کا ذریعہ بھی حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنیں۔

(۳)...... علیہا صدقة ولنا هدیة: ایک مرتبہ حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کسی نے صدقہ کا گوشت دیا تھا، وہ گوشت ہنڈیا میں پک رہا تھا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گھر تشریف لائے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے روٹی اور کوئی معمولی سالن پیش کر دیا گیا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہنڈیا میں گوشت جو پک رہا تھا؟ گھر والوں نے عرض کیا یہ تو وہ گوشت ہے جو حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر صدقہ کیا گیا اور آپ صدقہ کا گوشت تناول نہیں فرماتے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”علیها صدقة ولنا هدية“ یعنی جب یہ گوشت حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیا گیا تو ان پر تو صدقہ تھا لیکن اپنی ملک میں آنے کے بعد جب ہمیں پیش کریں گی تو ہمارے لئے یہ ہدیہ ہوگا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ایک تو صدقہ اور ہدیہ کا فرق معلوم ہوا کہ ہدیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جائز ہے، دوسرا یہ ضابطہ معلوم ہوا کہ تبدلِ ملک سے تبدلِ عین ہو جاتا

ہے، گوشت وہی ہے لیکن جب حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ملک میں آیا تو صدقہ تھا، جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف منتقل ہوا تو اس کی حیثیت تبدیل ہوگئی، اب یہ ہدیہ کا گوشت بن گیا۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ فقیر کے صدقہ پر قبضہ کرنے کے بعد وہ شئی صدقہ نہیں رہتی، اب اگر وہ کسی کو وہ شئی ہدیہ کرنا چاہے تو وہ ہدیہ ہوگی، صدقہ نہ ہوگی، اسی لئے اہل اصول نے لکھا ہے تبدل ملک مستلزم ہے تبدل عین کو حکماً۔ (اشرف التوضیح: ٢٥٢/٢، طیبی: ٥٧/٤، مرقاۃ: ٤٤٧/٢)

ہدیہ کا بدلہ

{١٧٣٤} وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْبَلُ الْهَدِيَّةَ وَيُثِيْبُ عَلَيْهَا۔ ﴿رواہ البخاری﴾

حوالہ: بخاری شریف: ٣٥٢/١، باب المکافاۃ فی الھبۃ، کتاب الھبۃ وفضلھا، حدیث نمبر: ٢٥١٣۔

حل لغات: یقبل: قبل (س) قبولا: لینا، قبول کرنا۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ ہدیہ قبول فرماتے تھے، اور اس کا بدلہ عنایت فرماتے تھے۔

تشریح: معلوم ہوا کہ ہدیہ کے بدلہ میں ہدیہ دینے والے کو کچھ نہ کچھ دینا چاہئے، یہ محبت میں اضافہ کا سبب ہے۔

معمولی چیز کی دعوت

{١٧٣٥} وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ دُعِيْتُ اِلٰى كُرَاعٍ لَاَجَبْتُ وَلَوْ اُهْدِيَ اِلَيَّ ذِرَاعٌ لَقَبِلْتُ۔ ﴿رواہ البخاری﴾

حوالہ: بخاری شریف: ۲/ ۷۷۸، باب من اجاب الی الکراع، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۴۹۸۴۔

حل لغات: دعیت: دعا (ن) دعاءً: بلانا، کراع: گائے بکری کے پائے، جمع: اکارع، ذراع: بازو، جمع: اذرع۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اگر مجھے ایک کھری کی دعوت دی جائے میں اس کو بھی قبول کرلوں گا، اور اگر ایک بازو کا گوشت ہدیہ دیا جائے تو اس کو بھی قبول کروں گا۔''

تشریح: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نظر میں نعمت کی بے پناہ قدر تھی، اسی لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی شخص مجھے صرف بکری کا پایہ کھلانے کے لئے بلائے جو ضیافت کے حوالہ سے **معمولی** سی چیز ہے تو میں پوری بشاشت کے ساتھ اس کی دعوت قبول کرلونگا، اور اگر کوئی شخص مجھے ایک دست ہدیہ کے طور پر بھیجے تو میری نظروں میں **اس معمولی** سے ہدیہ کی بڑی اہمیت ہوگی، اور میں اس کو بڑی خوشی کے ساتھ قبول کروں گا۔

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ہمارے آقا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ کس غایت درجہ بلند تھے، اور عام انسانوں کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی منکسر المزاجی اور شفقت ومدارات کس انتہائی مقام پر تھی، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی میں اخلاق معاشرت کا جو نہایت اعلیٰ اصول پوشیدہ ہے وہ سبق دیتا ہے کہ بڑوں کی ضیافت یا بڑوں کا ہدیہ ہی قابل التفات نہیں ہونا چاہئے بلکہ اللہ تعالیٰ کے غریب بندوں کی دلجوئی اور دلداری ملحوظ رکھتے ہوئے ان کی چھوٹی موٹی ضیافت اور ادنیٰ چیزوں کے ان کے ہدایا وتحائف کو بھی بطیب خاطر قبول کرنا چاہئے۔ (مظاہر حق: ۲/ ۶۱۶) مرقاۃ: ۲/ ۴۴۷۔

مسکین کی علامت

{۱۷۳۶} وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

لَيْسَ الْمِسْكِيْنُ الَّذِىْ يَطُوْفُ عَلَى النَّاسِ تَرُدُّهُ اللُّقْمَةُ وَاللُّقْمَتَانِ وَالتَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ وَلٰكِنَّ الْمِسْكِيْنَ الَّذِىْ لَايَجِدُ غِنًى يُّغْنِيْهِ وَلَا يُفْطَنُ بِهٖ فَيُتَصَدَّقَ عَلَيْهِ وَلَا يَقُوْمُ فَيَسْأَلَ النَّاسَ۔ ﴿متفق علیہ﴾

حوالہ: بخاری شریف: ۱/ ۲۰۰، باب قوله لایسئلون الناس الخ، کتاب الزکوة، حدیث نمبر: ۱۴۵۷۔ مسلم شریف: ۱/ ۳۳۳، باب النهی عن المسئلة، کتاب الزکوة، حدیث نمبر: ۱۰۳۹۔

حل لغات: المسکین: جس کے پاس کچھ نہ ہو، جمع: مساکین، یطوف: طاف (ن) طوافا: چکر لگانا، اللقمة: ایک مرتبہ جتنا نگلا جاسکے، جمع: لقم، ولا یفطن: فطن (ن) فطنا: سمجھنا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”مسکین وہ نہیں جو لوگوں کے پاس چکر لگا کر ایک دو لقمہ یا ایک دو کھجور لے کر واپس ہو جاتا ہے، لیکن مسکین وہ ہے جو اتنا مال نہیں پاتا جو اس کو بے نیاز کر دے، اور نہ لوگ اس کو محتاج سمجھتے ہیں، کہ اس کو صدقہ دیں، اور نہ ہی وہ لوگوں سے مانگنے کے لئے کھڑا ہوتا ہے۔“

تشریح: بھیک منگے اصلی مسکین نہیں، اس لئے کہ یہ لوگ کچھ نہ کچھ مانگ کر جمع کر ہی لیتے ہیں، لیکن وہ بیچارہ غیور اپنی غیرت کی وجہ سے کسی کے سامنے دست سوال دراز کرنے سے رہا، اور پہلے سے بھی کچھ نہیں ہے اسی لئے حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس قسم کے لوگوں کو اصلی مسکین کہا ہے۔

لیس المسکین الخ: یہ زکوۃ وصدقات دراصل فقیروں اور مسکینوں کیلئے ہے، لیکن مسکین سے مراد فقط وہی نہیں جو عرف عام میں فقیر جانے جاتے ہیں، اور جن کا پیشہ ہی گداگری (بھیک مانگنا) ہے، جو در در پھر کر صدا لگاتے ہیں، یا لوگوں کی گذرگاہوں پر کھڑے ہو کر دست سوال دراز کرتے ہیں، اور جنہیں روٹی کا ایک آدھا ٹکڑا دیکر رخصت کر دیا جاتا ہے یا کوئی ادنی سکہ ان کے ہاتھ پر رکھ دیا جاتا ہے، بلکہ صحیح معنی میں مسکین وہ ہے جو ضروریات بشری کی احتیاج رکھنے کے باوجود شرم وحیا اور عفت نفس کی وجہ اپنی ضرورت مندی کو لوگوں پر ظاہر نہیں ہونے دیتا، اور لوگوں سے سوال نہیں کرتا، لہذا تلاش وجستجو کر کے ایسے باغیرت ضرورت مندوں تک زکوۃ وصدقہ

پہنچانا افضل ہے۔(مظاہر حق:۲/۶۱۷/۲)طیبی:۴/۵۸،مرقاۃ:۲/۴۴۸/۲۔

﴿الفصل الثانی﴾

بنوہاشم کے موالی کے لئے زکوۃ

{۱۷۳۷} وَعَنْ اَبِیْ رَافِعٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعَثَ رَجُلاً مِنْ بَنِیْ مَخْزُوْمٍ عَلَی الصَّدَقَۃِ فَقَالَ لِاَبِیْ رَافِعٍ اصْحَبْنِیْ کَیْ مَاتُصِیْبَ مِنْہَا فَقَالَ لَا حَتّٰی آتِیَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَأَسْأَلَہُ فَانْطَلَقَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَہُ فَقَالَ اِنَّ الصَّدَقَۃَ لَا تَحِلُّ لَنَا وَاِنَّ مَوَالِیَ الْقَوْمِ مِنْ اَنْفُسِہِمْ۔ ﴿رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی﴾

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۱۴۲، باب ماجاء فی کراھیۃ الصدقۃ لخ، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر:۶۵۷۔ ابوداؤد شریف: ۱/۲۳۳، باب الصدقۃ علی بنی ھاشم، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر:۱۶۵۰۔ نسائی شریف: ۱/۲۸۱، باب مولی القوم منھم، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۲۶۱۳۔

حل لغات: صحب (س) صحبۃ: ساتھی ہونا، انطلق (انفعال) جانا۔

ترجمہ: حضرت ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنومخزوم کے ایک آدمی کو زکوۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا تو انہوں نے حضرت ابورافع سے کہا کہ تم بھی میرے ساتھ ہو جاؤ تا کہ اس میں سے تمہیں بھی مل جائے، تو انہوں نے کہا کہ نہیں یہاں تک کہ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جا کر پوچھ نہ لوں، چنانچہ انہوں نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جا کر پوچھا تو حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ ہم لوگوں کے لئے صدقہ حلال نہیں ہے، اور قوم کے موالی اسی قوم میں سے ہیں۔

تشریح: عن ابی رافع: ان کانام اسلم تھا۔

بعث رجلا: یعنی صدقہ وصول کرنے کے لئے۔

کی ماتصیب: 'ما' زائدہ ہے، یعنی تم جب میرے ساتھ جاؤ گے تو تم کو بھی حصہ مل جائے گا۔

صدقات واجبہ جس طریقے سے بنوہاشم کے لئے حرام ہیں، اسی طریقے سے ان کے غلاموں کے لئے بھی حرام ہیں۔ تفصیل ماقبل میں گذر چکی۔ (مرقاۃ: ۴۴۸/۲)

غنی کے لئے صدقہ

{۱۷۳۸} وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَاتَحِلُّ الصَّدَقَۃُ لِغَنِیٍّ وَلَا لِذِیْ مِرَّۃٍ سَوِیٍّ۔ ﴿رواہ الترمذی وابوداؤد والدارمی﴾ ورواہ احمد والنسائی وَابْنُ مَاجَۃَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۱۴۱، باب من لا تحل لہ الخ، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۶۵۲۔ ابوداؤد شریف: ۱/۲۳۱، باب من یعطی من الصدقۃ الخ، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۱۶۳۴۔ دارمی: ۱/۳۸۶، باب من تحل لہ الصدقۃ، کتاب الزکوۃ۔ مسند احمد: ۲/۱۶۴۔ نسائی شریف: ۱/۲۷۹، باب اذالم یکن لہ دراھم الخ، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۲۵۹۸۔ ابن ماجہ شریف: ۱۳۲، باب من سأل عن ظھر غنی، حدیث نمبر: ۱۸۳۹۔

حل لغات: لغنی: مالدار، جمع: اغنیاء۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کہ صدقہ غنی اور تندرست طاقتور کے لئے حلال نہیں ہے۔

تشریح: لاتحل الصدقۃ لغنی ولا لذی مرۃ: امام شافعیؒ کے نزدیک

جس طرح صاحب نصاب کے لئے زکوۃ کھانا جائز نہیں، اسی طرح تندرست سالم قادر علی الاکتساب کے لئے بھی زکوۃ لینا جائز نہیں، یہی مالکیہ میں سے ابن مالک کی رائے ہے، اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صحیح سالم قادر علی الکسب اگر صاحب نصاب نہ ہوتو اس کے لئے زکوۃ لینا جائز ہے، مگر خلاف اولیٰ ہے، شوافع نے حدیث مذکور سے استدلال کیا کہ اس میں تندرست آدمی کے لئے زکوۃ کو حرام قرار دیا گیا، امام ابوحنیفہؒ دلیل پیش کرتے ہیں قرآن کریم کی آیت سے کہ فقراء ومساکین کو مستحق زکوۃ قرار دیا گیا، خواہ مریض ہو یا تندرست کوئی تخصیص نہیں، دوسری دلیل حدیث معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے کہ آپؐ نے ان کو یمن میں صدقہ وصول کرنے کے لئے بھیجا تھا، اور فرمایا: "خذ الصدقة من اغنياء المسلمين و ضعها فی فقرائهم" اس میں بھی فقراء کو مطلقاً دینے کا حکم ہے، صحیح تندرست ومریض کی کوئی تخصیص نہیں، اسی طرح اکثر احادیث میں مطلقاً فقراء کو دینے کا حکم ہے۔ شوافع نے جو حدیث شریف پیش کی اس کا جواب یہ ہے کہ وہاں لاتحل برائے تحریم نہیں، بلکہ برائے کراہت وتغلیظ ہے تاکہ صدقہ پر بھروسہ کرکے اکتساب نہ چھوڑے، اور ضعفاء فقراء کے حق میں کمی نہ ہو، یا تو وہ سوال کے عدم حلت کے لئے ہے کہ ایسی صورت میں سوال کرنا حلال نہیں۔ (مرقاۃ:۴۴۹/۲، التعلیق:۳۲۵/۲)

غنی اور تندرست کے لئے صدقہ

{۱۷۳۹} وَعَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَدِيِّ بْنِ الْخِيَارِ قَالَ اَخْبَرَنِيْ رَجُلَانِ اَنَّهُمَا اَتَيَا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِيْ حَجَّةِ الْوِدَاعِ وَهُوَ يَقْسِمُ الصَّدَقَةَ فَسَأَلَاهُ مِنْهَا فَرَفَعَ فِيْنَا النَّظَرَ وَخَفَضَهُ فَرَاٰنَا جَلْدَيْنِ فَقَالَ اِنْ شِئْتُمَا اَعْطَيْتُكُمَا وَلَا حَظَّ فِيْهَا لِغَنِيٍّ وَلَا لِقَوِيٍّ مُكْتَسِبٍ۔ ﴿رواه ابوداؤد والنسائی﴾

حواله: ابوداؤد شریف: ۲۳۱/۱، باب من یعطی من الصدقة الخ، کتاب الزکوة، حدیث نمبر:۱۶۳۳۔ نسائی شریف: ۲۷۹، باب مسئلة القوی والمکتسب، کتاب الزکوة، حدیث نمبر:۲۵۹۹۔

حل لغات: خفضه: خفض (ض) خفضا: پست کرنا۔ حظ: حصہ جمع: حظوظ۔

ترجمہ: حضرت عبید اللہ بن عدی بن خیار سے روایت ہے کہ مجھے دو آدمیوں نے خبر دی کہ وہ دونوں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت آئے جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں صدقہ تقسیم کر رہے تھے، ان دونوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے صدقہ مانگا تو آپؐ نے ہمیں نظر اٹھا کر دیکھا اور نگاہ پست کر لی تو ہم دونوں کو طاقت ور دیکھا تو حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اگر تم دونوں چاہو تو میں تمہیں دے دوں گا، لیکن صدقے میں مال دار اور کمانے والے طاقت ور کے لئے کوئی حصہ نہیں ہے۔''

تشریح: دو شخص جن کا نام معلوم نہیں، لیکن ہیں وہ صحابی، اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، حجۃ الوداع کے موقعہ پر جب کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صدقات تقسیم فرمارہے تھے، وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہم نے بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہم پر نظر ڈالی اوپر نیچے یعنی ہمیں اوپر سے نیچے تک دیکھا، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیکھ کر ہمیں قوی اور مضبوط پایا، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم چاہو تو میں تم کو اس صدقہ کے مال میں سے دیدوں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ صدقہ میں غنی اور قوی مکتسب (جو کمانے پر قادر ہو) اس کا حصہ نہیں ہے۔

نادار قادر علی الکسب غنی کے حکم میں ہے یا نہیں؟

اس حدیث شریف سے معلوم ہو رہا ہے کہ جو شخص نادار ہو لیکن قادر علی الکسب ہو وہ بھی حکم میں غنی کے ہے، چنانچہ امام شافعیؒ و امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا مذہب یہی ہے کہ آدمی جیسے غنی بالمال ہوتا ہے، اسی طرح بالکسب بھی ہوتا ہے، چنانچہ ان دونوں کے نزدیک قوی مکتسب کے لئے اخذ زکوۃ جائز نہیں، اور حنفیہ ومالکیہ کے نزدیک قدرۃ علی الکسب سے آدمی غنی شمار نہیں ہوتا، اور اس کے لئے اخذ زکوۃ جائز ہے،

یہ حضرات اس حدیث شریف کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ سوال پر محمول ہے، قوی مکتسب کے لئے گو اخذ زکوۃ جائز ہے، لیکن سوال جائز نہیں، اور دلیل اس کی یہ ہے کہ آپ ان سے یہ فرمارہے ہیں کہ اگر تم چاہو تو میں تم کو اس میں سے دیدوں، تو اگر ان کو دینے سے زکوۃ ساقط نہ ہوتی تو پھر آپ یہ تعلیق کیوں فرماتے، علامہ طیبیؒ نے شافعیہ کی طرف سے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ آپ کی مراد یہ ہے کہ باوجود حرام ہونے کے اگر تم اکل حرام پر راضی ہو تو تم کو میں اس میں سے دیدوں، گویا یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے توبیخاً فرمائی۔ (منہل) (الدر المنضود: ١٠٢/ ٣) طیبی: ٦٠/ ٤، مرقاۃ: ٤٤٩/ ٢۔

پانچ قسم کے اغنیاء کے لئے صدقہ حلال ہے

{١٧٤٠} وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ مُرْسَلاً قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ اِلَّا لِخَمْسَةٍ لِغَازٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ لِعَامِلٍ عَلَيْهَا اَوْ لِغَارِمٍ اَوْ لِرَجُلٍ نِ اشْتَرٰهَا بِمَالِهٖ اَوْ لِرَجُلٍ كَانَ لَهٗ جَارٌ مِسْكِيْنٌ فَتُصُدِّقَ عَلَى الْمِسْكِيْنِ فَأَهْدَى الْمِسْكِيْنُ لِلْغَنِيِّ۔ ﴿رواه مالك وابوداؤد﴾ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِاَبِيْ دَاؤُدَ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ اَوِ ابْنِ السَّبِيْلِ۔

حوالہ: مؤطا امام مالک: ٥١١، باب اخذ الصدقة الخ، کتاب الزکوۃ، ابوداؤد شریف: ١/ ٢٣١، باب من یجوز له اخذ الصدقة، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ١٦٣٥۔

حل لغات: غارم: اسم فاعل ہے، بمعنی جرمانہ ادا کرنے والا، غرم: (س) غرما: جرمانہ اداء کرنا۔

ترجمہ: حضرت عطاء بن یسار سے مرسلاً روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ صرف پانچ قسم کے مالداروں کے لئے صدقہ حلال ہے۔

(١)......اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے کے لئے۔

(۲)......عاملین صدقہ کے لئے۔

(۳)......جرمانہ اداء کرنے والے کے لئے۔

(۴)......ایسے شخص کے لئے جس نے اپنے مال سے زکوۃ کے مال کو خریدا ہو۔

(۵)......ایسے آدمی کے لئے جس کا پڑوسی مسکین ہو، اس مسکین کو زکوۃ دی گئی تو اس مسکین نے مالدار کو ہدیہ کردیا۔"

تشریح: اس حدیث شریف کا خلاصہ یہ ہے کہ استثنائی قاعدہ چونکہ مسلم ہے وہی قاعدہ یہاں بھی ہے کہ ضابطہ تو یہی ہے کہ مالدار کے لئے زکوۃ حلال نہیں ہے، لیکن یہ پانچ قسم کے مالدار اس ضابطہ سے مستثنیٰ ہیں، یعنی ان کے لئے زکوۃ لینا جائز ہے۔

مذاہب ائمہ

مالِ زکوۃ غنی کے لئے حلال نہیں ہے، لیکن پانچ طرح کے غنی ایسے ہیں کہ ان کے لئے مالِ زکوۃ لینا جائز ہے۔

(۱)......غازی فی سبیل اللہ، جہاد میں جانے والے کے لئے، چنانچہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس شخص کے لئے باوجود غنی ہونے کے اخذ زکوۃ جائز ہے، پھر مالکیہ کے نزدیک تو یہ عام ہے، ہر مجاہد کے حق میں، خواہ دیوان میں اس کا نام ہو، (اور مالِ فیئ سے اس کو حصہ ملتا ہو، جو مجاہدین کو ملتا ہے) یا نہ ہو۔ اور امام شافعیؒ واحمدؒ کے نزدیک اس سے وہ مجاہد مراد ہے جو تطوعاً جہاد میں جانا چاہتا ہو، یعنی از خود اس کا دیوان میں نام نہ ہو، اور مالِ فیئ سے اس کو حصہ نہ ملتا ہو۔

دراصل اسلامی ملک میں جہاد میں جانے والے یعنی لشکری حکومت کی طرف سے متعین ہوتے ہیں، جس کو ہمارے عرف میں فوج کہتے ہیں، ان کے لئے دیوان یعنی ایک رجسٹر ہوتا ہے، جس میں لشکریوں کے نام کا اندراج ہوتا ہے، اور ان کو باقاعدہ بیت المال سے رزق یعنی وظیفہ ملتا ہے، اس جماعت کو مرتزقہ بھی کہتے ہیں، یعنی وہ جماعت جہاد میں جانے والوں کی جن کے لئے بیت المال سے

رزق اور وظیفہ متعین ہے، کتاب الجہاد میں اس قسم کی چیزیں اور ابواب آئیں گے، تو جن لوگوں کے نام اس رجسٹر میں ہوتے ہیں ان کا تو باری باری جہاد میں جانا گویا متعین اور واجب ہوتا ہے، ان کے علاوہ جو لوگ جہاد میں جانا چاہتے ہیں، ایسوں کا جہاد تطوعاً سمجھا جاتا ہے۔

اور حنفیہ کے نزدیک اس سے وہ مجاہد غنی مراد ہے جو جہاد میں شرکت نہ کرنے کی صورت میں تو غنی ہو لیکن جہاد میں شرکت اور اس کی تیاری کے لئے سامان جہاد خریدنے کی وجہ سے اس کو فقر اور حاجت لاحق ہوگئی ہو، تو یہ شخص اپنی حالت سابقہ کے پیش نظر غنی ہے، لیکن حالت عارضہ جو اس وقت درپیش ہے اس کے لحاظ سے محتاج ہے، غرضیکہ اس حدیث شریف میں غازی فی سبیل اللہ سے اس قسم کا غنی مراد ہے، بخلافِ ائمہ ثلاثہ کے ان کے نزدیک مطلق غنی مراد ہے، حنفیہ یوں کہتے ہیں زکوۃ کے اصل مستحق فقراء ہی ہیں، اس لئے کہ آیت کریمہ "إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ" اور حدیث معاذ جس میں ہے "تؤخذ من اغنیائھم و ترد فی فقرائھم" اپنے مضمون میں یہ دونوں نص ہیں، صریح اور صحیح ہیں، لہٰذا حدیث الباب کے معنی بھی اسی کی روشنی میں متعین کئے جائیں گے، واللہ تعالیٰ اعلم! اور جمہور یہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ اور حدیث معاذ جیسی احادیث مخصوص منہ البعض ہیں، اور مخصص یہی حدیث ہے۔ (منہل بزیادۃ)

(٢)...... او لعامل علیھا: اس پر سب کا اتفاق ہے کہ عامل علی الصدقات کے لئے اخذ زکوۃ جائز ہے، اس کا غنی ہونا اس سے مانع نہیں، اس لئے کہ وہ جو کچھ لیتا ہے بطور خدمت اور اجرت لیتا ہے، نہ کہ بطور صدقہ کے۔

(٣)...... او لغارم: وہ مدیون جس کا دین اس مال سے زائد ہو جو اس کے پاس ہے، یا اس کے برابر ہو یا کم ہو، لیکن اداء دین کے بعد جو مال باقی رہے وہ بقدر نصاب نہ ہو، (ایسا شخص اگرچہ صورۃً وظاہراً اپنے موجودہ مال کے اعتبار سے غنی ہے لیکن فی الواقع غنی نہیں ہے) اور ایک تفسیر غارم کی یہ کی گئی ہے کہ اس سے وہ شخص مراد ہے جس نے اصلاحِ ذات البین کے لئے تحمل حمالہ کر لیا ہو، اس کی تشریح مصارف زکوۃ کے بیان میں گذر چکی ہے، اس کو دیکھ لیا جائے۔

(۴)...... او لرجل اشتراھا بمالہ: جو شخص غنی مالِ زکوۃ کو فقیر سے خرید لے، اس کے لئے بھی یہ مالِ زکوۃ جائز ہو جاتا ہے، یہ بھی جاننا چاہئے کہ شراء زکوۃ کی دو صورتیں ہیں، ایک تو یہ کہ کسی دوسرے کی دی ہوئی زکوۃ کو فقیر سے خریدنا اس میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے، اور ایک صورت یہ ہے کہ ایک شخص اپنی ہی دی ہوئی زکوۃ کو فقیر سے خریدے، جمہور کے نزدیک تو یہ بھی جائز ہے، گو مکروہ ہے، امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک جائز نہیں۔

(۵)...... او لرجل کان لہ جار مسکین: اگر کسی غنی شخص کو فقیر مالِ زکوۃ ہدیہ کردے تو یہ مال اس غنی کے لئے لینا جائز ہے، اس نمبر: ۵/ اور گذشتہ نمبر: ۴/ دونوں کے لئے جواز اخذ کی وجہ ظاہر ہے کہ جب زکوۃ ایک مرتبہ اپنے محل ومصرف میں پہنچ گئی تو اداء ہوگئی، اب یہ فقیر جو کچھ اس میں تصرف کر رہا ہے کر سکتا ہے، اس کا اپنا مال ہے، اور جس کو بھی دیگا بطور زکوۃ اور صدقہ کے نہیں دے گا اس لئے کہ اول تو اس فقیر پر اپنی زکوۃ واجب ہی نہیں ہے، بالفرض اگر ہو بھی تو زکوۃ کا زکوۃ ہونا موقوف ہے نیت زکوۃ پر اور وہ یہاں ہے نہیں۔(منہل) بذل میں حضرت نے اس پر قصہ بریرہ لکھا ہے "لک صدقۃ ولنا ھدیۃ" جو تم اس سے پہلے نور الانوار وغیرہ میں پڑھ چکے ہو کہ تبدل ملک مستلزم ہے، تبدل عین کو حکماً۔(الدر المنضود: ۳/۱۰۳) التعلیق: ۲/۳۲۵۔

زکوۃ کے آٹھ مصارف

{۱۷۴۱} وَعَنْ زِيَادِ بْنِ الْحَارِثِ الصُّدَائِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَايَعْتُه فَذَكَرَ حَدِيثاً طَوِيْلاً فَاَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ اَعْطِنِيْ مِنَ الصَّدَقَةِ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَرْضَ بِحُكْمِ نَبِيٍّ وَلَا غَيْرِهٖ فِيْ الصَّدَقَاتِ حَتّٰى حَكَمَ فِيْهَا هُوَ فَجَزَّأَهَا ثَمَانِيَةَ اَجْزَاءٍ فَاِنْ كُنْتَ مِنْ

تِلْکَ الْاَجْزَاءِ اَعْطَیْتُکَ۔ ﴿رواہ ابوداؤد﴾

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/ ۲۳۰، باب من یعطی من الصدقۃ الخ، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۱۶۲۰۔

حل لغات: فبایعتہ: بایع (مفاعلت) معاہدہ کرنا، فجزاھا: جز (ن) جزا: کاٹنا، جزا (تفعیل) تجزیۃ: تقسیم کرنا۔

ترجمہ: حضرت زیادہ بن حارث صدائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے بیعت کی، پھر انہوں نے ایک طویل حدیث ذکر کی کہ ایک آدمی نے آپ کے پاس آ کر کہا کہ مجھے تھوڑا صدقہ دیجئے تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے ارشاد فرمایا: ''کہ اللہ تعالیٰ زکوۃ کے بارے میں نہ کسی نبی کے حکم پر راضی ہوا نہ ہی کسی غیر نبی کے فیصلے پر، یہاں تک کہ اس میں انہوں نے خود فیصلہ کیا، چنانچہ اس کی آٹھ قسمیں کیں، لہٰذا اگر تم ان آٹھ قسموں میں سے ہو تو تم کو دے دوں گا۔''

تشریح: یعنی اللہ تعالیٰ نے صدقات اور زکوٰۃ کا معاملہ کسی نبی یا غیر نبی کے فیصلہ اور اس کے اجتہاد پر نہیں چھوڑا، بلکہ اس کا فیصلہ حق تعالیٰ شانہ نے خود فرمایا ہے، اور مستحقین زکوۃ کو آٹھ قسم کے لوگوں میں منحصر فرمادیا ہے، اگر تو ان میں سے ہوگا تو میں تجھے بھی تیرا حصہ دیدونگا۔

اس حدیث شریف میں مجملاً مصارف زکوۃ کا ذکر آ گیا ہے، جس کی تفصیل قرآن کریم میں موجود ہے: ''انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیہا والمؤلفۃ قلوبہم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل'' الآیۃ۔

زکوۃ کے مصارف ثمانیہ کا بیان مع مذاہب ائمہ

یہاں ضرورت اس کی ہے کہ ان مصارف ثمانیہ میں سے ہر ایک کا بیان اور اس کی تعریف عند الفقہاء بیان کی جائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ مصارف ثمانیہ اب بھی سب باقی ہیں، یا ان میں سے کسی کا

نسخ بھی ہوا ہے۔

تیسری بات یہ کہ کیا ان مصارف ثمانیہ کا استیعاب اور تعمیم ضروری ہے یا نہیں؟

بحث اول: مصارف ثمانیہ کے مصادیق

فقیر اور مسکین کی تعریف اور اس میں ائمہ کا اختلاف

(۱،۲)......فقیر اور مسکین جن کا مصرفِ زکوۃ ہونا منصوص من اللہ تعالیٰ ہے، ان کی تعریف اور مصداق میں اختلاف ہے، وہ یہ ہے کہ:

فقیر شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک وہ شخص ہے جس کے پاس نقد مال یا کسب کی آمدنی بالکل ہی نہ ہو یا اگر ہو تو نصف کفایت سے کم ہو، مثلاً ایک شخص کی مقدار کفایت تو ہر روز کی دس درہم ہو، لیکن آمدنی اور کمائی اس کی صرف چار درہم ہو۔

اور مسکین ان دونوں اماموں کے نزدیک وہ ہے جس کو تمام کفایت تو حاصل نہ ہو، لیکن نصف کفایت یا اس سے اکثر حاصل ہو، مثلاً مثال مذکور میں شخص مذکور کی روزانہ کی کمائی پانچ درہم سے کم اور نو سے زائد نہ ہو۔

اور عند الحنفیہ فقیر کی تعریف یہ ہے کہ جو مادون النصاب کا مالک ہو یا مالک نصاب تو ہو لیکن وہ مال غیر نامی ہو یا نامی بھی ہو لیکن وہ اس کی حاجت اصلیہ مسکن وملبس وغیرہ سے فاضل نہ ہو۔

اور عند المالکیہ فقیر وہ ہے جس کے پاس کفایت عام (پورے سال کی روزی کا بندوبست) نہ ہو، بلکہ اس سے کم ہو۔

اور مسکین ان دونوں (حنفیہ اور مالکیہ) کے نزدیک وہ ہے: "من لا شيء له اصلا۔"

اس تفصیل سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ جمہور کے نزدیک غنی کا مدار نصاب پر نہیں ہے، بلکہ کفایت وعدم کفایت پر ہے، ایسے ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک فقیر ادنی حالاً من المسکین ہے، اور حنفیہ ومالکیہ کے نزدیک اس کے برعکس ہے۔ "فتدبر وتشکر لعلک لا تجد هذا التفصيل

والتحقیق بهذا النهج فی غیر هذا الشرح"

(۳)......عاملین وہ لوگ ہیں جن کو امام المسلمین کی جانب سے زکوۃ وصدقات کی وصولیابی کے لئے مقرر کیا جائے، ان کو زکوۃ کی رقم میں سے دیا جاتا ہے، لیکن ان کو جو کچھ دیا جاتا ہے وہ زکوۃ ہونے کی حیثیت سے نہیں، بلکہ حق الخدمت اور معاوضہ عمل کے طور پر دیا جاتا ہے، اسی لئے عامل کو ہر حال میں دیا جاتا ہے، خواہ وہ غنی ہو یا فقیر، جملہ مصارف زکوۃ میں سے صرف یہی ایک مصرف ایسا ہے جس کو زکوۃ معاوضۂ خدمت کے طور پر دی جاتی ہے، ورنہ زکوۃ تو کہتے ہی ہیں اس عطیہ کو جو ناداروں اور بغیر کسی معاوضۂ خدمت کے دیا جائے۔

اسی لئے یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ پھر اس طرح دینے سے زکوۃ کیونکر اداء ہو جاتی ہے؟

جواب یہ ہے کہ عاملین فقراء کی طرف سے حکماً وکیل ہیں، اور وکیل کا قبضہ مؤکل ہی کا قبضہ ہوتا ہے، تو یوں سمجھئے کہ زکوۃ کی یہ رقم فقراء کے ہاتھ میں پہنچ کر ان کی طرف سے عاملین کی خدمت میں عوض ہے، اور فقیر کو اپنے مالِ زکوۃ میں تصرف کا اختیار ہے، جو چاہے کرے، جس کو چاہے دے۔ (معارف القرآن للمفتی محمد شفیعؒ) اور علامہ زیلعیؒ کنز کی شرح میں لکھتے ہیں کہ جو کچھ عامل کو دیا جاتا ہے وہ من وجہ اس کے عمل کی اجرت ہے، اسی لئے اس کو دینا جائز ہے، زکوۃ سے باوجود اس کے غنی ہونے کے، اور صدقہ ہے من وجہ اسی لئے عامل ہاشمی کو دینا جائز نہیں۔

اس میں اختلاف ہے کہ عامل کو کتنی مقدار زکوۃ دیجائے گی، حنفیہ کے نزدیک بقدر کفایت، لیکن اگر مال زکوۃ صرف اتنا ہے کہ اگر عامل کو بقدر کفایت دیا جائے تو ساری زکوۃ اسی میں صرف ہو جاتی ہے تو ایسی صورت میں اس کو صرف نصف دیں گے، اس سے زائد نہیں، اور مالکیہ کا مسلک یہ ہے کہ بقدر اجرۃ عمل دی جائے گی، خواہ سب اس میں چلی جائے، اور شافعیہ کا مسلک بہت سے علماء نے یہ لکھا ہے کہ ان کے نزدیک چونکہ تسویہ بین الاصناف الثمانیہ واجب ہے، اس لئے عامل کو صرف ثمن (آٹھواں حصہ) دیا جائے گا، لیکن یہ صحیح نہیں، بلکہ ان کا مسلک یہ ہے کہ "کما فی کتبهم" اگر چہ ان کے نزدیک تسویہ ضروری ہے، لیکن عامل اس سے مستثنیٰ ہے، اس کو بقدر اجرۃ عمل کے دیا جائے گا، اور حنابلہ کے نزدیک سب کو حسب

حاجت دیا جائے گا، اور عامل کو بقدر اس کے عمل کے۔ (من الاوجز)

(۴)...... مؤلفة القلوب: اس کے مصداق میں کفار بھی ہیں، اور مسلم بھی، شیخ ابن الہمام نے ان کی تین قسمیں لکھی ہیں۔

(الف)...... وہ کفار جن کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زکوۃ اس لئے دیتے تھے تاکہ وہ ہم سے قریب ہوکر مسلمان ہو جائیں۔

(ب)...... وہ کافر جن کو زکوۃ اس لئے دی جاتی تھی کہ ان کے شر سے محفوظ رہ سکیں۔

(ج)...... وہ مسلمان جن کے اسلام میں ضعف تھا تاکہ ان کے ایمان میں پختگی آ جائے۔

مؤلفۃ القلوب کا مصرفِ زکوۃ ہونا اب بھی باقی ہے یا ان کا حصہ ساقط ہوگیا؟

ائمہ کے درمیان یہ مسئلہ اختلافی ہے، حنفیہ کے نزدیک ان کا حصہ مطلقاً ساقط ہوگیا، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں باتفاق صحابہؓ، اس لئے کہ جس ضرورت اور مصلحت سے ان کو دیا جاتا تھا وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد باقی نہیں رہی، اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ وشوکت عطا فرمادیا اور تالیف کی حاجت باقی نہیں رہی، اور یہ "انتفاء الحکم لارتفاع العلة" کے قبیل سے ہے، لہٰذا یہ اشکال نہ کیا جائے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد اس حکم شرعی میں نسخ کیسے واقع ہوگیا۔

مالکیہ کا مشہور مسلک (کمافی الشرح الکبیر) یہ ہے کہ مؤلفۃ القلوب اگر کفار ہیں تو ان کا حصہ ساقط ہو چکا، لغلبۃ الاسلام، اور اگر مسلم ہیں تو باقی ہے، اور صاحب منہل مالکیہ کے مسلک میں لکھتے ہیں کہ مؤلف کافر کے بارے میں تو دو قول ہیں، "قیل یعطی و قیل لا یعطی" اور مؤلف مسلم کو ان کے یہاں بالاتفاق دے سکتے ہیں۔

اسی طرح شافعیہ کے نزدیک مؤلفۃ المسلمین کا سہم باقی ہے، اور مؤلفۃ الکفار کے بارے میں یہ ہے کہ زکوۃ تو ان کو بالاتفاق نہیں دی جائے گی، اور غیر زکوۃ بھی علی الاصح لیکن شدید مجبوری کے وقت مصلحۃً

غیر زکوۃ دے سکتے ہیں۔ (روضۃ المحتاجین: ۲۸۹)

حنابلہ کے یہاں مؤلفۃ القلوب مطلقاً کفار ہوں یا مسلمین مصرف زکوۃ ہیں، لیکن بشرط الحاجت یعنی اگر تالیف کی حاجت ہو ورنہ نہیں، چنانچہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں چونکہ تالیف کی حاجت نہیں تھی، اس لئے ان حضرات نے ان کو نہیں دیا، اور نہ دینے کی وجہ یہ نہیں تھی کہ ان کا حصہ ساقط ہوگیا۔ (الروض المربع: ۲/۴۴)

(۵)...... الرقاب: حنفیہ کے نزدیک اس کا مصداق مکاتبین ہیں، زکوۃ کی رقم سے مکاتبین کا تعاون کیا جائے تاکہ وہ بدل کتابت اداء کرکے اپنی گردنوں کو غلامی سے رہا کرسکیں، تحریر رقبہ یعنی خالص غلام کو آزاد کرنا اس میں داخل نہیں، یہی مذہب شافعیہ وحنابلہ کا ہے، حنابلہ کی کتب میں فی الرقاب کے ضمن میں یہ بھی لکھا ہے کہ "ویفک الاسیر المسلم" کہ زکوۃ کی رقم سے مسلمان قیدی کو بھی رہا کیا جاسکتا ہے۔ البتہ مالکیہ کا اس میں اختلاف ہے، ان کے نزدیک وفی الرقاب سے مراد تحریر رقبہ ہے، یعنی رقیق مؤمن کو خرید کر آزاد کرنا نیز یہ بھی شرط ہے کہ وہ خالص رقیق ہو، (جس کو قِنّ کہتے ہیں) مدبر یا مکاتب نہ ہو۔ امام مالکؒ کا مشہور قول یہی ہے، اور اسی طرف میلان امام بخاریؒ کا ہے، اور ایک روایت امام مالکؒ سے اس میں یہ بھی ہے کہ مکاتب کی اعانت بھی اس میں داخل ہے وہ بھی مالِ زکوۃ سے کی جاسکتی ہے۔

رقیق مومن کو خرید کر آزاد کرنا، جمہور کے نزدیک اس سے زکوۃ اداء نہیں ہوگی، اس لئے کہ زکوۃ میں تملیک ضروری ہے، اور یہ رقم زکوۃ کی جس سے شراء عبد ہوگا اس کی تملیک کس کو کی جارہی ہے؟ عبد کو یا مولیٰ کو؟ عبد میں تو مالک بننے کی صلاحیت نہیں ہے، اور مولیٰ ہوسکتا ہے کہ غنی ہو، بخلاف مکاتب کے کہ اس میں مالک بننے کی صلاحیت ہے، کیونکہ اس کو اگرچہ ملک رقبہ حاصل نہیں ہے، لیکن ملک ید حاصل ہے، مولیٰ نے اس کو کمانے کی اور مالک بننے کی اجازت دے رکھی ہے۔

(۶)...... والغارمین: اس سے مراد وہ مدیون ہے جس کے پاس وفاء دین نہ ہو یا ہو لیکن اداء دین کے بعد کچھ نہ بچتا ہو، اور اگر بچتا بھی ہو تو وہ بقدر نصاب کے نہ ہو، اور اسی طرح وہ شخص جس کا

دین لوگوں کے ذمہ ہو، اور وہ ان سے وصول کرنے پر قادر نہ ہو، (غارم کا اطلاق مدیون اور دائن دونوں پر ہوتا ہے) اور شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک اس کے مصداق میں وہ شخص بھی داخل ہے جس نے اصلاحِ ذات البین کے لئے تحمل حمالہ کیا ہو، اگرچہ وہ غنی ہو، اور حنفیہ کے نزدیک تحمل حمالہ والا شخص غنی ہونے کی صورت میں مصرف زکوۃ نہیں ہے۔

(۷)...... فی سبیل اللہ: اس کا مصداق عندالحنفیہ منقطع الغزاۃ ہے، یعنی جو شخص جہاد میں جانا چاہتا ہے، لیکن وہ سامان جہاد کے مہیا کرنے پر قادر نہ ہونے کی وجہ سے مجاہدین کی جماعت سے منقطع ہو رہا ہے، تو ایسے شخص کا زکوۃ کی رقم سے تعاون کیا جاسکتا ہے، اور ائمہ ثلاثہ شافعیہ ومالکیہ وحنابلہ کے نزدیک اس سے مطلقاً غزاۃ ومجاہدین مراد ہیں، بلاقید فقر کے لہٰذا یہ لوگ غنی ہونے کے باوجود سامان جہاد وغیرہ کی تیاری کے لئے بقدر ضرورت زکوۃ لے سکتے ہیں۔ **(کماھو مصرح فی کتبھم)**

(۸)...... ابن السبیل: سے مراد وہ مسافر ہے جس کے پاس سفر میں مال نہ رہا ہو، اگرچہ اپنے وطن میں وہ ذومال اور غنی ہو، پھر جاننا چاہئے کہ مسافر دو طرح کے ہیں، **"المسافر المنقطع بالسفر"** اور **"المسافر المنشئ للسفر"** اول کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص جو پہلے سے سفر میں ہے، اور درمیانِ سفر اس کو حاجت پیش آ گئی، نفقہ ختم ہوجانے کی وجہ سے، اور **"منشئ للسفر"** وہ شخص ہے جو انشاء سفر یعنی سفر کی ابتداء کر رہا ہے، اپنے وطن سے اور حال یہ ہے کہ اس کے پاس سفر خرچ ہے نہیں۔ حنفیہ حنابلہ کے نزدیک ابن السبیل کے مصداق میں صرف قسم اول داخل ہے، اور شافعیہ کے نزدیک اس میں دونوں قسمیں داخل ہیں۔ **"کماھو مصرح فی کتبھم"** اور علامہ باجی مالکی نے امام مالکؒ کا مذہب بھی یہی نقل کیا ہے۔ (کمافی ہامش البذل) لہٰذا اگر کوئی شخص اپنے وطن سے سفر کرنا چاہتا ہے لیکن سفر خرچ اس کے پاس ہے نہیں، ویسے قدر کفایت معاش کا انتظام اس کے پاس ہے تو یہ شخص اگر سفر نہ کرے تو اس کے لئے شافعیہ کے نزدیک اخذ زکوۃ جائز نہیں ہے، ہاں سفر کے لئے زکوۃ لینا جائز ہے۔

لیکن ان کے یہاں یہ قید ہے کہ وہ سفر کسی غرض صحیح کے لئے ہو، خواہ نزہت (تفریح) ہی کے لئے سہی، لہٰذا جو شخص ہائم کے لئے یعنی جس کا حال پراگندہ ہے، سفر سے کوئی خاص نیت نہیں ہے، اخذ زکوۃ جائز نہیں ہے، اسی طرح جمہور کے نزدیک یہ بھی قید ہے کہ وہ سفر کسی معصیت کے لئے نہ ہو بلکہ مباح ہو۔ بحمداللہ مصارف زکوۃ کی تشریح پوری ہوگئی۔

بحث ثانی: بحث اول کے ضمن میں مؤلفۃ القلوب کے بیان میں گذر چکی ہے۔

بحث ثالث: شافعیہ کے نزدیک زکوۃ کو ان اصناف ثمانیہ پر تقسیم کرنا ضروری ہے، بشرطیکہ یہ جملہ مصارف واصناف محل مال میں موجود ہوں، ورنہ جو موجود ہوں ان میں تقسیم کی جائے گی، یہ اس صورت میں ہے جب کہ تقسیم امام المسلمین کی طرف سے ہو، جس نے عمال کے ذریعہ زکوۃ وصول کی ہے، لیکن مالک اگر خود اداء کرے بدون توسط عامل کے تو اس صورت میں زکوۃ عامل کے علاوہ باقی مصارف سبعہ میں تقسیم کی جائے گی، نیز ہر صنف میں کم از کم تین شخصوں کو دینا ضروری ہے، سوائے عامل کے، عامل اگر صرف ایک ہی ہو تو ظاہر ہے کہ پھر اس ایک ہی کو دی جائے گی۔ (انوار ساطعہ: ۱۴۸)

اور حنابلہ کے نزدیک تعمیم الاصناف واجب نہیں، صنف واحد پر بھی اکتفاء جائز ہے، البتہ تعمیم مستحب ہے۔ (نیل المآرب) اسی طرح مالکیہ کے نزدیک بھی تعمیم واجب نہیں، بلکہ ان کے یہاں ایثار المضطر علی غیرہ اولیٰ ہے، یعنی جو زیادہ محتاج ہو اس کو دینا اولیٰ ہے۔ "الاحوج فالاحوج" (انوار ساطعہ: ۲۲۷) حنفیہ کے نزدیک بھی تعمیم ضروری نہیں بلکہ تخییر ہے چاہے جملہ اصناف میں تقسیم کرے اور چاہے بعض میں، خواہ صرف ایک ہی میں۔ (الدر المنضود: ۳/۹۸) مرقاۃ: ۴۵۰/۲۔

﴿الفصل الثالث﴾

خلیفۂ دوم کا کمال تقویٰ

{۱۷۴۲} وَعَنْ زَیْدِ بْنِ اَسْلَمَ قَالَ شَرِبَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ لَبَناً فَاَعْجَبَہُ فَسَأَلَ الَّذِیْ سَقَاہُ مِنْ اَیْنَ ھٰذَا اللَّبَنُ فَاَخْبَرَہ اَنَّہُ وَرَدَ عَلٰی مَاءٍ قَدْ سَمَّاہُ فَاِذَا نَعَمٌ مِنْ نَعَمِ الصَّدَقَۃِ وَھُمْ یَسْقُوْنَ فَحَلَبُوْا مِنْ اَلْبَانِہَا فَجَعَلْتُہُ فِیْ سِقَائِیْ فَھُوَ ھٰذَا فَاَدْخَلَ عُمَرُ یَدَہُ فَاسْتَقَاءَ۔ ﴿رواہ مالک والبیہقی فی شعب الایمان﴾

حوالہ: موطا امام مالک: ۱۱۵، باب ماجاء فی اخذ الصدقات الخ، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۳۱۔ بیہقی فی شعب الایمان: ۵/ ۲۰، باب المطاعم والمشارب، حدیث نمبر: ۵۷۷۱۔

حل لغات: لبنا: دودھ، جمع: البان، فاعجبہ: (افعال) اچھا لگنا، سقاہ: سقی (ض) سقیا: پلانا، ورد (ض) ورودا علی الماءِ: پانی میں آنا، نعم: اونٹ، جمع: انعام، فاستقاءَ: قاء (ض) قیاءً: قے کرنا، استقاء استقاءۃ: بہ تکلف قے کرنا۔

ترجمہ: حضرت زید بن اسلم سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دودھ پیا وہ دودھ انہیں بڑا اچھا لگا، جس شخص نے انہیں پلایا اس سے پوچھا یہ دودھ کہاں سے آیا، اس شخص نے ایک جگہ کا نام لے کر بتایا کہ میں وہاں گیا جہاں پانی پلایا جاتا ہے، میں نے وہاں صدقات کی اونٹنیاں دیکھیں وہ لوگ پانی پلا کر ان کا دودھ دوہ رہے تھے، چنانچہ میں نے اپنے مشک میں ڈال لیا یہ وہی دودھ ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا ہاتھ (منہ میں) ڈالا اور بہ تکلف قے کر دی۔

تشریح: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ عمل تقویٰ ہی پر محمول کیا جائیگا، ورنہ تو یہ مسئلے کی رو سے جائز تھا لیکن انہوں نے کمال تقویٰ کی بنیاد پر اس دودھ کو اپنے بدن کا جز بننا پسند نہ کیا،

ورنہ جہاں تک مسئلہ کا تعلق ہے تو پیچھے بتایا ہی جاچکا ہے کہ زکوۃ کا مال مستحق زکوۃ کے مالکانہ قبضہ میں آچکا ہے، اور وہ اس مال میں سے کچھ لاکر ہدیہ کے طور پر کسی غنی کو دے تو اس غنی کا اسے کھانا جائز ہے، جیسا کہ ما قبل میں حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث شریف گذری، اس حدیث شریف سے مقصود اسی جواز کو بیان کرنا تھا۔ (مظاہر حق: ۶۲۲ / ۲) مرقاۃ: ۴۵۰ / ۲۔

باب من لا تحل له المسئلة و من تحل له

(سوال کرنا کس شخص کو درست ہے اور کس کو نہیں؟)

رقم الحدیث: ۱۷۴۳/ تا ۱۷۶۴/

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

باب من لا تحل له المسئلة و من تحل له
(سوال کرنا کس شخص کو درست ہے اور کس کو نہیں؟)

﴿الفصل الاول﴾

سوال کرنا کب درست ہے؟

{۱۷۴۳} وَعَنۡ قَبِیۡصَةَ بۡنِ مُخَارِقٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنۡہُ قَالَ تَحَمَّلۡتُ حَمَالَةً فَاَتَیۡتُ رَسُوۡلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ اَسۡأَلُہٗ فِیۡہَا فَقَالَ اَقِمۡ حَتّٰی تَأۡتِیَنَا الصَّدَقَةُ فَنَأۡمُرَ لَکَ بِہَا ثُمَّ قَالَ یَاقَبِیۡصَةُ! اِنَّ الۡمَسۡئَلَةَ لَاتَحِلُّ اِلَّا لِاَحَدِ ثَلَاثَةٍ رَجُلٌ تَحَمَّلَ حَمَالَةً فَحَلَّتۡ لَہُ الۡمَسۡئَلَةُ حَتّٰی یُصِیۡبَہَا ثُمَّ یُمۡسِکُ وَرَجُلٌ اَصَابَتۡہُ جَائِحَةٌ نِ اجۡتَاحَتۡ مَالَہٗ فَحَلَّتۡ لَہُ الۡمَسۡئَلَةُ حَتّٰی یُصِیۡبَ قِوَاماً مِنۡ عَیۡشٍ اَوۡ قَالَ سِدَاداً مِنۡ عَیۡشٍ وَرَجُلٌ اَصَابَتۡہُ فَاقَةٌ حَتّٰی یَقُوۡمَ ثَلٰثَة مِنۡ ذَوِی الۡحِجٰی مِنۡ قَوۡمِہٖ لَقَدۡ اَصَابَتۡ فُلَاناً فَاقَةٌ فَحَلَّتۡ لَہُ الۡمَسۡئَلَةُ حَتّٰی یُصِیۡبَ قِوَاماً مِنۡ عَیۡشٍ اَوۡ قَالَ سِدَاداً مِنۡ عَیۡشٍ فَمَا سِوَاھُنَّ مِنَ الۡمَسۡئَلَةِ یَاقَبِیۡصَةُ! سُحۡتٌ یَأۡکُلُہَا صَاحِبُہَا سُحۡتاً۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/ ۳۳۴، من تحل لہ المسئلۃ، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۱۰۴۴۔

حل لغات: تحملت: تحمل (تفعل) حمل (ض) حملا: اٹھانا، حمالۃ: ضمانت، دیت، اقم: امر کا صیغہ ہے، قام (ن) قیاما: ٹھہرنا، یصیبھا: اصاب (افعال) الشی: پانا، یمسک: امسکہ (افعال) رکنا، جائحۃ: بلا، ہلاکت، جمع: جائحات، قواما: قاف پر زبر اور زیر دونوں درست ہیں، بمعنی گذارہ، سدادا: سین کے کسرہ کے ساتھ بمعنی اتنا مال جو فقر کو ڈھانپ دے، سحت: بمعنی ہلاکت۔

ترجمہ: حضرت قبیصہ بن مخارق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک دیت کا ضامن بن کر حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا، تاکہ اس دیت کی ادائیگی کے بارے میں کچھ مانگوں، تو حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ آپ ٹھہرئے، یہاں تک کہ ہمارے پاس صدقہ آئے گا تو ہم دلادیں گے، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے قبیصہ! صرف تین طرح کے آدمی کے لئے سوال کرنا جائز ہے، ایک وہ آدمی جو بوجھ کا ضامن بن گیا تو اس کے لئے مانگنا حلال ہے، یہاں تک کہ ضمانت کے بقدر اس کو مل جائے، دوسرا وہ آدمی جس کو مصیبت نے ایسا گھیرا کہ اس کا مال تباہ ہوگیا، تو اس کے لئے مانگنا حلال ہے، یہاں تک کہ اس کے گذارہ کا بندوبست ہوجائے، یا یوں ارشاد فرمایا: کہ گذارہ سے اس کا فقر چھپ جائے، تیسرا وہ شخص جس کو فاقہ نے ایسا گھیرا ہو کہ اس کے محلے کے تین ذی شعور اس بات کو بتائیں کہ فلاں کو فاقہ نے آ گھیرا ہے، تو اس کے لئے مانگنا حلال ہے، یہاں تک کہ اس کے گذارہ کا بندوبست ہوجائے، یا یوں کہا گذارہ سے اس کا فقر چھپ جائے، تو اے قبیصہ! ان تینوں کے سوا جو مانگتا ہے حرام ہے، اور اس کا لینے والا حرام کھاتا ہے۔

تشریح: یعنی سوال کی گنجائش صرف تین قسم کے لوگوں کے لئے ہے:

(۱)......جس نے تحمل حمالہ کیا ہو، یعنی دو شخصوں کے درمیان صلح صفائی کرانے کے لئے اپنے ذمہ کسی کا حق لے لیا ہو۔

(۲)......وہ شخص کہ جس کے مال پر ناگہانی آفت اور مصیبت آ پڑی ہو، جس کی وجہ سے اس کا سارا مال

تباہ و برباد ہوگیا ہو (تو وہ سوال کرسکتا ہے) ”حتی یصیب قواما من عیش او قال سدادا من عیش“ [یہاں تک کہ اس کو اپنی روزی اور گذارہ کا بندوبست حاصل ہو، یعنی جب تک حاصل نہ ہو سوال کرسکتا ہے، حاصل ہونے کے بعد نہیں۔]

(٣)......ایک وہ شخص جس کی پہلے سے تو مالی حالت اچھی تھی لیکن بعد میں تنگی میں مبتلا ہوگیا، بلکہ اس کی تنگی محقق ہوگئی، اس طور پر کہ اس کی قوم کے تین شخص باخبر عقلمند یہ گواہی دیں کہ ہاں واقعی فلاں شخص آج کل فاقہ میں مبتلا ہے۔

دراصل مانگنے والے دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک غیر معروف شخص جس کی حاجت اور عدم حاجت کا حال اچھی طرح معلوم نہ ہو، دوسرے معروف شخص جانا پہچانا، جس کے بارے میں محلہ والے پہلے سے یہ جانتے ہوں کہ وہ حاجت مند نہیں ہے، ایسا آدمی چونکہ سوال میں متہم ہوتا ہے، اس لئے اس کیلئے سوال اس وقت تک مباح نہیں ہے جب تک کہ اس کی قوم کے چند اشخاص یہ نہ کہہ دیں کہ ہاں یہ واقعی اب یہ شخص حاجت مند ہے، اپنی قوم کی قید اس لئے ہے کہ وہ بنسبت دوسروں کے زیادہ واقف حال ہوتے ہیں، اس حدیث شریف سے بعض شافعیہ جیسے ابن خزیمہ وغیرہ نے اس پر استدلال کیا ہے کہ ثبوت اعسار کیلئے تین آدمیوں کی شہادت درکار ہے، جمہور علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ چیزیں باب شہادت سے نہیں ہیں، بلکہ تبیین حال اور تحقیق حال کے قبیل سے ہے، یا یہ کہا جائے کہ بطریق استحباب کے ہے، ورنہ اعسار (تنگدستی) کا ثبوت بھی دوسرے دعاوی کی طرح شہادت عدلین سے ہوجاتا ہے۔

حد غنی کے بارے میں جمہور کی دلیل

اس حدیث شریف میں ”حتی یصیب قواما من عیش“ سے جمہور کی تائید ہوتی ہے، کہ غنیٰ اور فقر کا مدار حصول کفایت پر ہے۔

بلاضرورت مانگنا

{١٧٤٤} وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَأَلَ النَّاسَ اَمْوَالَهُمْ تَكَثُّرًا فَاِنَّمَا يَسْأَلُ جَمْرًا فَلْيَسْتَقِلَّ اَوْلِيَسْتَكْثِرْ۔ ﴿رواه مسلم﴾

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۳۳۳، باب النہی عن المسئلۃ، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۱۰۴۱۔

حل لغات: تکثرا: (تفعل) تکثرا: دوسرے کے مال سے غنی ہونا، جمرا: انگارہ، واحد: جمرۃ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص نے اپنا مال بڑھانے کے لئے لوگوں کا مال مانگا تو وہ آگ کا انگارہ مانگتا ہے، خواہ کم مانگے یا زیادہ۔''

تشریح: جس شخص نے اپنے مال میں مزید اضافہ کرنے کے لئے دوسروں سے مال مانگنا شروع کر دیا تو اس کو جہنم کی سزا ملے گی۔ مطلب یہ ہے کہ وہ فقر و حاجت رفع اور دور کرنے کے لئے نہیں بلکہ اپنا مال بڑھانے کی غرض سے گداگری کرتا ہے، اور لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتا ہے تو اس ناروا مقصد سے گداگری کرکے اور لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلا کر جو مال وہ حاصل کرے گا اس کے سبب سے اس کو دوزخ کے آگ کی سزا دی جائے گی۔

سأل الناس اموالهم: ''اموالھم'' اصل میں ''من اموالھم'' تھا، من حرف جار کو حذف کرکے اس پر نصب دے دیا گیا ہے۔

تکثرا: تاکہ اپنے مال میں اضافہ کرے۔

فانما یسأل جمرا: وہ آگ مانگ رہا ہے، یعنی وہ جہنم میں جلے گا، یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے: ''ان الذین یأکلون اموال الیتامی ظلما انما یأکلون فی بطونھم نارا'' (نساء: ۱۰) طیبی: ۴/۶۸۔

بلاوجہ مانگنے پر وعید

{۱۷۴۵} وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَايَزَالُ الرَّجُلُ يَسْأَلُ النَّاسَ حَتّٰى يَأْتِيَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَيْسَ فِيْ وَجْهِهٖ مُزْعَةُ لَحْمٍ۔ ﴿متفق علیہ﴾

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۱۹۹، باب من سأل الناس کثرا، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر:۱۴۵۳۔ مسلم شریف: ۱/۳۳۳، باب النھی عن المسئلة، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر:۱۰۴۰۔

حل لغات: مزعة: گوشت کا ٹکڑا، جمع: مزع، لحم: گوشت، جمع: لحام، لحوم۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کہ جو شخص برابر مانگتا ہے وہ قیامت کے دن ایسے حال میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر بالکل گوشت نہ ہوگا۔''

تشریح: بلاوجہ مانگ کر گذارہ کرنے والے کو قیامت کے دن بڑی رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا، اور اس کی حالت ایسی ہوگی کہ دور سے پہچانا جائے گا۔

مزعۃ لحم: گوشت کی ایک بوٹی بھی نہیں ہوگی، اس کے منہ پر گوشت کا ذرا بھی نہ ہونا یا تو کنایہ ہے کہ ذلت و بے آبروئی سے کہ دنیا میں بے ضرورت سوال کرنے والا اور گداگری کرنے والا قیامت کے دن نہایت ذلت اور بے آبروکی حالت میں پیش ہوگا، یا حقیقۃً یہی حال ہوگا کہ جو آدمی دنیا میں بھیک مانگنے ہی کو اپنا پیشہ بنائے ہوئے ہے، اس کو قیامت کے دن بطور سزا ذلیل و رسوا کرنے کے لئے اس حالت میں لایا جائے گا، کہ اس کے منہ پر گوشت کا ایک ٹکڑا بھی نہیں ہوگا، صرف ہڈیاں رہ جائیں گی، اس سے عیاں ہوگا کہ یہ آدمی دنیا میں مانگتا رہتا تھا، اس کی سزا یہ ملی۔ (مرقاۃ: ۴۵۲/۲، التعلیق: ۳۲۹)

اصرار کر کے مانگنے کی ممانعت

{۱۷۴۶} وَعَنْ مُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتُلْحِفُوْا فِي الْمَسْئَلَةِ فَوَاللّٰهِ

لَا یَسْأَلُنِیْ اَحَدٌ مِنْکُمْ شَیْئاً فَتُخْرِجُ لَہٗ مَسْئَلَتُہٗ مِنِّیْ شَیْئاً وَاَنَا لَہٗ کَارِہٌ فَیُبَارَکُ لَہٗ فِیْمَا أَعْطَیْتُہٗ۔ ﴿رواہ مسلم﴾

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۳۳۳، باب النھی عن المسئلة، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۱۰۳۸۔

حل لغات: لا تلحفوا: الحف (افعال) اصرار سے مانگنا۔

ترجمہ: حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کہ تم لوگ مانگنے میں اصرار نہ کیا کرو، اللہ کی قسم تم میں سے جو شخص مجھ سے کوئی چیز مانگ کر لے جاتا ہے اور میں اس کو ناپسند کرتا ہوں تو جو میں نے دیا ہے اس میں برکت کہاں سے ہوگی۔''

تشریح: لا تلحفوا فی المسئلۃ: یعنی مانگنے میں اصرار نہ کرے کہ آدمی نہ چاہتے ہوئے بھی دینے پر مجبور ہو جائے۔

فیبارک لہ فیما اعطیتہ: اس مانگنے میں نقصان یہ ہے کہ برکت ختم ہو جاتی ہے۔ یعنی جو آدمی بڑی لجاجت کے ساتھ مجھ سے مانگتا ہے اور از راہ حیا مجھے اس کا سوال پورا کرنا پڑتا ہے تو اس کو مجھے دیتے ہوئے خوشی نہیں ہوتی، اور ظاہر ہے کہ میرا ناخوشی کے ساتھ کچھ دینا اور یہ برکت، یہ دونوں باتیں جمع نہیں ہو سکتی ہیں۔ (التعلیق: ۲/۳۲۹)

کمانا مانگنے سے بہتر ہے

{۱۷۴۷} وَعَنْ الزُّبَیْرِ بْنِ الْعَوَّامِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَاَنْ یَّأْخُذَ اَحَدُکُمْ حَبْلَہ فَیَأْتِیَ بِحُزْمَۃِ حَطَبٍ عَلیٰ ظَھْرِہٖ فَیَبِیْعَھَا فَیَکُفَّ اللّٰہُ بِھَا وَجْھَہٗ خَیْرٌ لَہٗ مِنْ اَنْ یَّسْأَلَ النَّاسَ اَعْطَوْہُ اَوْ مَنَعُوْہُ۔ ﴿رواہ البخاری﴾

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۱۹۹، باب الاستعناف عن المسئلة، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۱۴۵۰۔

حل لغات: حبلہ: رسی، جمع: حبال، بحزمۃ: لکڑی وغیرہ کا گٹھا، حطب: لکڑی، جمع: أحطاب،

علی ظهره: پیٹھ، جمع: اظھر، فیکف کف (ن) کفا: آبرو بچانا۔

ترجمہ: حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کہ تم میں کا کوئی اپنی رسی لے کر اپنی پیٹھ پر لاد کر لکڑی کا گٹھا لائے اور اس کو بیچے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کی عزت بچاتا ہے، یہ اس کے لئے اس بات سے بہتر ہے کہ لوگوں سے مانگے وہ لوگ اس کو دیں یا منع کردیں۔''

تشریح: آدمی کو دوسروں کے سامنے دست سوال دراز کرنے سے پرہیز کرنا چاہئے، اس لئے کہ یہ ضروری نہیں کہ جس سے مانگا جائے وہ دے بھی دے، اس لئے مناسب یہ ہے کہ استطاعت ہو تو اپنا کوئی دھندا کرے تا کہ عزت کی روٹی میسر ہو۔ ؎

غربت کے رنج فاقہ کشی کے ملال کھینچ
پر زمانہ سے غالب تو دست سوال کھینچ

لینے اور دینے میں فرق

{۱۷۴۸} وَعَنْ حَکِیْمِ بْنِ حِزَامٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَأَعْطَانِیْ ثُمَّ سَأَلْتُہٗ فَأَعْطَانِیْ ثُمَّ قَالَ لِیْ یَاحَکِیْمُ اِنَّ ھٰذَا الْمَالَ خَضِرٌ حُلْوٌ فَمَنْ اَخَذَہٗ بِسَخَاوَۃِ نَفْسٍ بُوْرِکَ لَہٗ فِیْہِ وَمَنْ اَخَذَہٗ بِاِشْرَافِ نَفْسٍ لَمْ یُبَارَکْ لَہٗ فِیْہِ وَکَانَ کَالَّذِیْ یَأْکُلُ وَلَایَشْبَعُ وَالْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِنَ الْیَدِ السُّفْلیٰ قَالَ حَکِیْمٌ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) وَالَّذِیْ بَعَثَکَ بِالْحَقِّ لَااَرْزَأُ اَحَداً بَعْدَکَ شَیْئاً حَتّٰی اُفَارِقَ الدُّنْیَا۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۱۹۹، باب الاستعناف عن المسئلة، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۱۴۵۱۔ مسلم شریف: ۱/۳۳۲، باب بیان ان الید العلیاء خیر الخ، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۱۰۳۵۔

حل لغات: خضر: سبز، حلو: میٹھا، لذیذ، بسخاوۃ: فیاضی، بخشش، کسی چیز کی طرف دل کا میلان نہ ہونے کا نام بھی سخاوت ہے، باشراف: اشرف (افعال) نفس کا حریص ہونا، ولا یشبع: شبع (س) شبعا: شکم سیر ہونا، لاارزأ (ف) رزأ: حاصل کرنا۔

ترجمہ: حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اکرم ﷺ سے مانگا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ کو دیا، میں نے پھر مانگا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیا، پھر مجھ سے ارشاد فرمایا: اے حکیم! یہ مال مرغوب اور لذیذ ہے، تو جس شخص نے اس کو بغیر لالچ کے لیا، اس کے لئے اس میں برکت کی جائے گی، اور جس شخص نے اس کو لالچ سے لیا اس کے لئے اس میں برکت نہیں کی جائے گی، اور وہ اس شخص کی طرح ہے جو کھائے مگر اس کا دل نہ بھرے، اور اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ حکیم رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہا یارسول اللہ! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، آپ کے بعد میں کسی سے کچھ حاصل نہ کروں گا، یہاں تک کہ میں دنیا سے جدا ہو جاؤں۔

تشریح: خضر: خاء پر زبر اور ضاد کے نیچے زیر خضر اس مال کو کہا جاتا ہے جو نظر میں مرغوب اور اچھا معلوم ہوتا ہے۔

حلو: اس مال کو کہا جاتا ہے جس کا ذائقہ زبان میں بھلا لگے۔

بسخاوۃ نفس: مطلب یہ ہے کہ بغیر مانگے اور بغیر لالچ کے جو مال مل جائے۔

بورک فیہ: اس لئے برکت ہوگی، کہ اس صورت میں لینے والا خدا کی طرف سے ایک انعام سمجھتا ہے۔

لا یشبع: لالچ سے مانگنے والے کا حال یہ ہے کہ جتنا بھی مال مل جائے اس کا دل نہیں بھرتا ہے، جیسے کسی کو بھگندر کی بیماری ہو جائے۔

الید العلیا: مراد دینے والا ہاتھ ہے۔

الید السفلی : مراد لینے والا ہاتھ ہے، اور چونکہ عام طور پر دینے والا ہاتھ اوپر اور لینے والا ہاتھ نیچے ہوتا ہے اس لئے یہ تعبیر اختیار کی گئی ہے۔

الید العلیا و السفلیٰ کا مطلب

{۱۷۴۹} وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ وَهُوَ يَذْكُرُ الصَّدَقَةَ وَالتَّعَفُّفَ عَنِ الْمَسْئَلَةِ اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلىٰ وَالْيَدُ الْعُلْيَا هِيَ الْمُنْفِقَةُ وَالسُّفْلىٰ هِيَ السَّائِلَةُ۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/ ۱۹۲، باب لا صدقة الا علی الخ، کتاب الزکوة، حدیث نمبر: ۱۴۱۰۔ مسلم شریف: ۱/ ۳۳۲، باب بیان ان الید العلیاء خیر الخ، کتاب الزکوة، حدیث نمبر: ۱۰۳۳۔

حل لغات: التعفف: عف (ض) عفا تعفف (تفعل) رکنا۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہو کر صدقہ اور سوال سے بچنے کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''کہ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے، اور اوپر والا ہاتھ خرچ کرنے والا ہے، اور نیچے والا ہاتھ مانگنے والا ہے۔''

تشریح: آدمی کو دست سوال دراز کرنے سے پرہیز کرنا چاہئے، اور کسی کو دینے کی ہمت کرنی چاہئے اس لئے کہ دینے والا لینے والے سے بہتر ہے۔

صبر و قناعت کی فضیلت

{۱۷۵۰} وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ اِنَّ اُنَاساً مِنَ الْاَنْصَارِ سَأَلُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَعْطَاهُمْ ثُمَّ سَأَلُوْهُ فَاَعْطَاهُمْ حَتّٰى نَفِدَ مَاعِنْدَهٗ فَقَالَ مَايَكُوْنُ

عِنْدِیْ مِنْ خَیْرٍ فَلَنْ اَدَّخِرَہٗ عَنْکُمْ وَمَنْ یَسْتَعِفَّ یُعِفَّہُ اللّٰہُ وَمَنْ یَسْتَغْنِ یُغْنِہِ اللّٰہُ وَمَنْ یَتَصَبَّرْ یُصَبِّرْہُ اللّٰہُ وَمَااُعْطِیَ اَحَدٌ عَطَاءً ھُوَ خَیْرٌ وَاَوْسَعُ مِنَ الصَّبْرِ۔ ﴿متفق علیہ﴾

حوالہ: بخاری شریف: ۱/ ۱۹۸، باب الاستعناف عن المسئلۃ، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۱۴۴۸۔ مسلم شریف: ۱/ ۳۳۷، باب فضل التعفف، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۱۰۵۳۔

حل لغات: اناس: 'اِنْسٌ' کی جمع ہے، بمعنی آدمی، حتی نفد: نَفِدَ (س) نَفْداً: ختم ہونا، ادّخرہ: دَخَرَ (ف) دَخراً: جمع کرنا اِدَّخَرَ اور اِدَّخَرَ (افتعال) جمع کرنا، اسٹاک کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انصار میں سے کچھ لوگوں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو دے دیا، ان لوگوں نے پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مانگا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دے دیا، یہاں تک کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا ختم ہوگیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے پاس جو مال ہے اس کو تم لوگوں سے بچا کر نہیں رکھ سکتا، اور جو شخص بچتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بچاتا ہے، اور جو شخص بے نیاز رہتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو مستغنی کر دیتا ہے، اور جو شخص صبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو صبر دلاتا ہے، اور صبر سے زیادہ اچھا اور وسیع کوئی عطیہ نہیں ہے۔

تشریح: بعض انصار آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بار بار سوال کرتے رہے، (کچھ وقفہ سے) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کو عطا فرماتے رہے، یہاں تک کہ جب آنحضرت ﷺ کے پاس جو کچھ تھا وہ نہ رہا تو ایک روز آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا: دیکھو! جو کچھ مال میرے پاس ہوتا ہے اس کو میں ہرگز اٹھا کر نہیں رکھتا ہوں، (بلکہ تقسیم کر دیتا ہوں) پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "و من یستعفف یعفہ اللہ و من یستغن یغنہ اللہ"

جو شخص اپنے نفس سے عفت عن السوال طلب کرتا ہے یعنی سوال سے بچنے کی کوشش کرتا ہے

اور اپنے نفس کو اس پر آمادہ کرتا ہے، اور یا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے عفت عن السوال طلب کرتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ وہ اس کو سوال سے بچالے، "یعفه الله" تو پھر واقعی اللہ تعالیٰ اس کو بچالیتے ہیں، اور اس سے اگلے جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اور جو شخص اپنا غنیٰ ظاہر کرتا ہے (لوگوں سے استغناء برت کے) تو پھر اللہ تعالیٰ اس کو فی الواقع غنی بنا دیتے ہیں، مال کے ذریعہ یا غنی القلب کے ذریعہ۔

و من یتصبر یصبره الله: جو شخص اللہ تعالیٰ سے توفیق صبر طلب کرتا ہے یا جو شخص اپنے آپ کو صبر پر آمادہ کرتا ہے اور بتکلف اس کو اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو خصلت صبر عطا فرما ہی دیتے ہیں، جس سے اس کو صبر کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

و ما اعطی احد من عطاء اوسع من الصبر: یعنی صبر سے زیادہ وسیع تر کوئی دولت کبھی کسی کو عطا نہیں ہوئی، (اس لئے کہ اس سے زیادہ وسیع کوئی خصلت ہے ہی نہیں) کیونکہ صبر ایک ایسی خصلت ہے جس کی ضرورت زندگی کے شعبوں میں سے ہر ایک شعبہ میں پیش آتی ہے، اس لئے کہ انسان کو منازل حیات میں سے ہر منزل میں کوئی نہ کوئی ناگوار بات پیش آتی ہی ہے، اور اس کا بہترین علاج اور حل صبر ہے، تو گویا صبر آدمی کے قدم قدم پر کام آنے والی شئ ہے، اسی لئے اس کو اوسع العطایا فرما رہے ہیں، صبر کا خلاصہ رضا بالقضاء ہے، کہ جو ناگوار بات پیش آئی ہے وہ منجانب اللہ اور تقدیر الٰہی سے ہے، جس میں نہ معلوم کتنی مصالح ہوں گی۔ (الدر المنضود: ۳/۱۱۰) التعلیق: ۲/۳۳۰، مرقاۃ: ۲/۴۵۴۔

بغیر سوال کے ملنے والا مال

{۱۷۵۱} وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُعْطِیْنِیْ الْعَطَاءَ فَاَقُوْلُ اَعْطِهِ اَفْقَرَ اِلَیْهِ مِنِّیْ فَقَالَ خُذْهُ فَتَمَوَّلْهُ وَتَصَدَّقْ بِهٖ فَمَا جَاءَكَ مِنْ هٰذَا الْمَالِ وَاَنْتَ غَیْرُ مُشْرِفٍ وَّلَا سَائِلٍ فَخُذْهُ وَمَالاً فَلَا تُتْبِعْهُ نَفْسَكَ۔

﴿متفق علیہ﴾

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۱۹۹، باب من اتاہ اللہ شیئاً الخ، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۱۴۵۲۔

مسلم شریف: ۱/۳۳۴، باب جواز الاخذ بغیر سوال، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۱۰۴۵۔

حل لغات: فتموله: مال (ن) مولا: مال دینا، تَمَوَّلَ (تفعل) سرمایہ کاری کرنا۔

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ مجھے عطیہ دیا کرتے تھے، میں کہتا اس کو آپ اس شخص کو دے دیجئے جو مجھ سے زیادہ محتاج ہے، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس کو لے کر سرمایہ کاری کرلو، اور صدقہ کے طور پر دے دو، اس طرح کا جو مال تمہارے لالچ اور مانگ کے بغیر تمہارے پاس آئے اسکو لے لو، اور جو اس طرح سے نہ آئے اس کے پیچھے اپنا دل نہ لگاؤ۔

تشریح: آدمی کو جو مال بغیر لالچ اور سوال کے ملے اس کو لے لے، اور جس مال میں لالچ یا سوال کا دخل ہو اس کو چھوڑ دے۔

یعنی اس کی طلب میں مشقت نہ اٹھاؤ، اور نہ اس کے انتظار میں رہو، حاصل یہ ہے کہ جو مال طمع نفس اور سوال کے بغیر آئے اس کو اللہ تعالیٰ کا عطیہ سمجھ کر خوش دلی کے ساتھ قبول کرلینا چاہئے، اور جو مال اس طرح حاصل ہونے والا نہ ہو اس کی طلب اور اس کے انتظام میں مشقت وکلفت نہ اٹھائی چاہئے۔

یعطینی العطاء: حدیث شریف کے ان کلمات سے اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطیہ دینے کا عمل بار بار ہوا تھا، یہ بار بار کیوں دے رہے تھے؟ حضرات محدثین لکھتے ہیں کہ یہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محنت کا حق ہوتا تھا، جو وہ صدقہ وغیرہ وصول کرکے لایا کرتے تھے، دیکھئے تیسری فصل کی دوسری حدیث۔

فقال خذہ فتموله: جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صدقہ لے کر اپنے مال میں اس لئے ملانے کے لئے کہا تھا کہ بغیر مانگے اور لالچ کے جو مال ملتا ہے اس میں برکت ہوتی ہے۔

08 Babu Man la Tahillul Masalatu

جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ اس برکت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی مستفید ہو جائیں۔

و تصدق بہ: اس مال کی واقعتاً اگر ضرورت نہیں ہے تو اس کے بقدر صدقہ کر دیا کرو۔ (التعلیق: ٣٣٠/ ٢، مرقاۃ: ٤٥٤/ ٢)

﴿الفصل الثانی﴾

بلاوجہ مانگنا ذلت کو دعوت دینا ہے

{١٧٥٢} وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَسَائِلُ كُدُوْحٌ يَكْدَحُ بِهَا الرَّجُلُ وَجْهَهٗ فَمَنْ شَاءَ اَبْقٰى عَلٰى وَجْهِهٖ وَمَنْ شَاءَ تَرَكَهٗ اِلَّا اَنْ يَسْأَلَ الرَّجُلُ ذَاسُلْطَانٍ اَوْفِيْ اَمْرٍ لَا يَجِدُ مِنْهُ بُدًّا۔ ﴿رواه ابوداؤد والترمذی والنسائی﴾

حوالہ: ابوداؤد شریف: ١/ ٢٣١، باب ما تجوز فیہ المسئلۃ، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ١٦٣٩۔ ترمذی شریف: ١/ ١٤٧، باب ماجاء فی النهی عن المسئلة، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ٦٨١۔ نسائی شریف: ١/ ٢٧٩، باب مسئلة الرجل ذا سلطان، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ٢٦٠٠۔

حل لغات: کدوح: جمع ہے 'کدح' کی، یا کَدُوْح مثل صَبُوْر مبالغہ کا صیغہ ہے، یعنی خراش، کدح (ف) کدحا الوجہ: چہرے پر خراش لگانا، بدا: بمعنی چارہ کار کہا جاتا ہے، لا بد من هذا: یہ لازمی ہے۔

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”کہ سوالات خراش ہیں، آدمی ان کے ذریعہ سے اپنا چہرہ چھیل ڈالتا ہے، تو جو چاہے اپنے چہرے پر باقی رکھے اور جو چاہے ان کو ترک کردے، مگر یہ کہ آدمی حاکم سے مانگے یا یہ کہ

سوال کرنا نا گزیر ہو۔"

تشریح: مسائل مسئلہ کی جمع بمعنی سوال، اور کدوح کدح کی جمع کسی چوٹ یا کھرچنے کا نشان، مراد داغ دھبہ، یعنی لوگوں سے مانگنا، سوال کرنا، اپنے چہرہ کو داغدار عیب دار بنانا ہے، پس جس کا جی چاہے اپنے چہرہ کو داغدار بنالے، نہ چاہے تو سوال سے بچے، یعنی سوال کی ذلت سے آدمی کے چہرہ کی رونق آب وتاب زائل ہوتی ہے، اس کی عزت پامال ہوتی ہے، جس کا جی چاہے اپنے چہرہ کی رونق کو باقی رکھ لے، اور جس کا نہ چاہے، وہ اس کو زائل کر دے لیکن اس سے مقصود تخییر نہیں ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دے رہے ہیں، بلکہ یہ زجر و توبیخ کے قبیل سے ہے "کقولہ تعالیٰ فمن شاء فلیؤ من و من شاء فلیکفر انا اعتدنا للظالمین نارا" پھر آگے فرماتے ہیں مگر یہ کہ کوئی شخص سوال کرے کسی ذی سلطنت شخص سے (امیر اور حاکم سے جو بیت المال میں سے دے اس لئے کہ بیت المال میں سب مسلمانوں کا حصہ ہے) یا یہ کہ کسی کی حاجت اور مجبوری بڑی شدید ہو جہاں سوال کے بغیر چارہ ہی نہ ہو۔ (تو پھر اس صورت میں غیر ذی سلطنت سے بھی سوال کرسکتا ہے۔) (الدر المنضود:١٠٧/٣) التعلیق:٣٣١/٢، مرقاۃ:٤٥٥/٢۔

کتنی مالیت پر سوال کرنا ممنوع ہے؟

{١٧٥٣} وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَأَلَ النَّاسَ وَلَهٗ مَایُغْنِیْهِ جَاءَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَمَسْئَلَتُهٗ فِیْ وَجْهِهٖ خُمُوْشٌ اَوْ خُدُوْشٌ اَوْ كُدُوْحٌ قِیْلَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ! وَمَایُغْنِیْهِ قَالَ خَمْسُوْنَ دِرْهَمًا اَوْ قِیْمَتُهَا مِنَ الذَّهَبِ۔ ﴿رواه ابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجة والدارمی﴾

حوالہ: ابوداؤد شریف: ٢٢٩/١، باب من یعطی من الصدقة الخ، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر:١٦٢٦۔ ترمذی شریف: ١٤١/١، باب من تحل له الزکوۃ، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر:٦٥٠۔ نسائی شریف: ٢٧٩/١،

باب حد الغنیٰ، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۲۵۹۳۔ ابن ماجہ شریف: ۱۳۲، باب من سأل عن ظھر الغنی، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۱۸۴۰۔ دارمی: ۱/۳۸۶، باب من تحل له الصدقة، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۱۶۴۰۔

حل لغات: خموش: جمع ہے 'خَمْشٌ' کی، بمعنی خراش، خدوش: جمع ہے 'خَدْشٌ' کی، بمعنی خراش۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص نے اتنی مالیت کے باوجود سوال کیا جو اس کو بے نیاز کردے تو قیامت کے دن وہ اور اس کا سوال اس حال میں آئے گا کہ اس کا چہرہ خموش یا خدوش یا کدوح ہوگا۔'' کہا گیا یا رسول اللہ! اس کو کتنی چیز بے نیاز کر دیتی ہے؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پچاس درہم یا اس کی قیمت کے بقدر سونا۔

تشریح: آدمی کے پاس گذر بسر کے لائق مالیت ہو تو بھیک نہ مانگے، اس لئے کہ یہ حرکت کوئی اچھی نہیں، قیامت کے دن چہرے پر خراش پڑ جائیں گے، جو بھیک منگوں کی علامت ہوگی، اور رسوائی کا سامنا الگ سے کرنا پڑیگا۔

خموش اور خدوش اور کدوح: راوی کو شک ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے ان تینوں الفاظ میں سے کس کو استعمال فرمایا تھا، اس لئے احتیاطا تینوں کا ذکر کر دیا گیا اور تینوں کے معنی ایک ہی ہیں یعنی خراش۔

اقسام غنیٰ

اس حدیث شریف میں اور اس باب کی دوسری احادیث شریفہ میں غنیٰ کے باوجود سوال کرنے کی مذمت کی گئی ہے۔ غنیٰ کی تین قسمیں ہیں:

(۱)......ایک آدمی نصاب نامی کا مالک ہے اور اس پر سال بھی گذر چکا ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ اس پر زکوٰۃ قربانی اور صدقۃ الفطر واجب ہے، زکوۃ مانگنا یا لینا اس کیلئے جائز نہیں۔

(۲)......اتنا مال ہے جو ضرورت اصلیہ سے زائد ہے، اور مقدار نصاب کو پہنچتا ہے لیکن وہ نصاب نامی نہیں، اس پر زکوۃ فرض نہیں، صدقہ اور قربانی ضروری ہے، زکوۃ لینا یا سوال کرنا جائز نہیں۔

(۳)......مالک نصاب تو نہیں ہے، لیکن ضروریات اصلیہ پوری ہو رہی ہیں، کوئی ضرورت اٹکی ہوئی نہیں ہے، اس پر زکوۃ، صدقہ فطر اور قربانی واجب نہیں، سوال کرنا بھی اس کے لئے جائز نہیں، اگر کوئی زکوۃ دے تو لینا جائز ہے، اس حدیث میں "مایغنیه" میں غنیٰ کی یہی تیسری صورت مراد ہے، اس "مایغنیه" کی مقدار متعین نہیں کی جا سکتی، ہر شخص کی ضروریات وحالات کے پیش نظر مختلف مقداریں ہو سکتی ہیں، کسی کی ضروریات اصلیہ تھوڑی مقدار سے پوری ہوتی ہیں، کسی کی زیادہ سے، اس باب کی احادیث میں اس غنیٰ کی مقداریں مختلف آ رہی ہیں، اس اختلاف کی وجہ اختلاف احوال مخاطبین ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مخاطب کی حالت دیکھ کر اس کے مناسب "مایغنیه" کی تعیین فرمادی۔ (اشرف التوضیح: ۲/۲۵۳) التعلیق: ۲/۳۳۱۔

ایضاً

{۱۷۵۴} وَعَنْ سَهْلِ بْنِ الْحَنْظَلِيَّةِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَأَلَ وَعِنْدَهٗ مَايُغْنِيْهِ فَاِنَّمَا يَسْتَكْثِرُ مِنَ النَّارِ قَالَ النُّفَيْلِيُّ وَهُوَ اَحَدُ رُوَاتِهٖ فِيْ مَوْضِعٍ اٰخَرَ وَمَا الْغِنٰى الَّذِيْ لَاتَنْبَغِيْ مَعَهُ الْمَسْئَلَةُ قَالَ قَدْرُ مَايُغَدِّيْهِ وَيُعَشِّيْهِ وَقَالَ فِيْ مَوْضِعٍ اٰخَرَ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ شِبَعُ يَوْمٍ اَوْ لَيْلَةٍ وَيَوْمٍ۔ ﴿رواہ ابوداؤد﴾

حواله: ابوداؤد شریف: ۱/۲۳۰، باب من یعطی من الصدقة، کتاب الزکوة، حدیث نمبر: ۱۶۲۹۔

حل لغات: یستکثر: کثر (ک) کثرۃ: بہت ہونا، استکثر (استفعال) زیادہ سمجھنا، جمع

کرنا،لاتنبغی: بغی (ض) بغیا الشیئ:طلب کرنا،انبغی (انفعال) آسان ہونا،مناسب ہونا۔

ترجمہ: حضرت سہل بن حنظلیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کہ جس شخص نے اپنے پاس اتنی مالیت ہونے کے باوجود مانگا جو اس کو بے نیاز کردے تو وہ اپنے لئے آگ جمع کررہا ہے۔'' نفیلی نے دوسری جگہ کہا جو اس کے ایک روای ہیں، بے نیازی کیا ہے؟ جس کے ہوتے ہوئے مانگنا مناسب نہیں ہے، حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: صبح وشام کی خوراک کے بقدر۔ اور نفیلی نے دوسری جگہ کہا کہ جو اس کے ایک دن اور ایک رات کی آسودگی کے لئے کافی ہو۔

تشریح: فانما یستکثر من النار: یعنی جس شخص نے خواہ مخواہ اپنے مال میں اضافہ کرنے کے لئے لوگوں سے مانگنا شروع کردیا تو وہ گویا اپنے لئے جہنم کی آگ مانگ رہا ہے۔

فی موضع آخر: یعنی دوسری روایت میں ''شبع یوم او لیلۃ و یوم'' راوی کو اس میں شک ہے کہ اصل حدیث میں ''یوم او لیلۃ'' دونوں کہا گیا ہے، یا صرف یوم کہا گیا ہے، دونوں صورتوں میں مفہوم ایک ہی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جس کے پاس اتنا مال موجود ہو جس سے وہ ایک دن ایک رات کا کھانا کھا سکے تو اس کو اس اعتبار سے غنی کہا جائے گا، کہ فی الوقت وہ سوال کرنے سے مستغنی ہے، اس وقت اس کو سوال کرنا اور مانگنا حرام ہے، یہی حنفیہ کا مسلک ہے، اور یہ روایت ان کی دلیل ہے۔ (التعلیق: ۲/۳۳۲)

ایک اوقیہ کی مالیت کے باوجود سوال

{۱۷۵۵} وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ رَجُلٍ مِّنْ بَنِيْ اَسَدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَأَلَ مِنْكُمْ وَلَهٗ أَوْقِيَّةٌ اَوْ عَدْلُهَا فَقَدْ سَأَلَ اِلْحَافًا۔ ﴿رواه مالك وابوداؤد والنسائی﴾

حوالہ: موطا امام مالک: ۳۹۰، باب ماجاء التعفف عن المسئلۃ، کتاب الزکوۃ، ابوداؤد شریف: ۱/۲۳۰،

باب من یعطی من الصدقة الخ، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۱۶۲۷۔ نسائی شریف: ۱/۲۷۹، باب اذا لم یکن له دراھم، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۲۵۹۷۔

حل لغات: أوقیة: چالیس درہم کا ایک وزن، جمع: اواقی، او عدلها: عدل، بمعنی برابری، جمع: اعدال، الحف (افعال) چمٹ کر مانگنا۔

ترجمه: حضرت عطاء بن یسار سے روایت ہے کہ بنی اسد کے ایک آدمی نے کہا کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”کہ تم میں سے جس نے ایک اوقیہ چاندی یا اس کے برابر ہوتے ہوئے مانگا تو اس نے بطریق الحاف سوال کیا۔“

تشریح: آدمی کے پاس جب گذارے کے لئے معقول رقم ہو تو دست سوال دراز نہ کرے۔

عن رجل من بنی اسد: رجل سے مراد ایک صحابی ہیں، جن کا نام یہاں ظاہر نہیں کیا گیا ہے، اگر کہیں صحابی کا نام ظاہر نہ کیا جائے تو یہ کوئی عیب کی بات نہیں ہے، اور نہ ہی سند میں کوئی فرق پڑتا ہے، اس لئے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عادل ہیں۔

اوقیة: ایک اوقیہ چالیس درہم کے برابر کا ہوتا ہے، اور چالیس درہم کا وزن تقریبا ایک کلو چوالیس گرام چالیس ملی گرام کے برابر کا ہوتا ہے۔

او عدلها: یا ایک اوقیہ چاندی کی قیمت کے برابر رقم یا کوئی دوسری چیز ہو۔

فقد سأل الحافا: اشارہ ہے قرآن کریم کی آیت ”یسئلون الناس الحافا“ کی طرف جو ایک بری عادت ہے، اس لئے آدمی کو اس قبیح عادت سے حتی الامکان پرہیز کرنا چاہئے۔

انتہائی مجبوری کی حالت میں کیا کرے؟

{۱۷۵۶} وَعَنْ حُبْشِيِّ بْنِ جُنَادَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمَسْئَلَةَ لَاتَحِلُّ لِغَنِيٍّ وَلَا لِذِىْ مِرَّةٍ سَوِيٍّ اِلَّا لِذِىْ فَقْرٍ مُدْقِعٍ اَوْ غُرْمٍ مُفْظِعٍ وَمَنْ سَأَلَ

النَّاسَ لِیُثْرِیَ بِہٖ مَالَہٗ کَانَ خُمُوْشاً فِیْ وَجْہِہٖ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَرَضْفاً یَأْکُلُہٗ مِنْ جَہَنَّمَ فَمَنْ شَاءَ فَلْیُقِلَّ وَمَنْ شَاءَ فَلْیُکْثِرْ۔ ﴿رواہ الترمذی﴾

حوالہ: ترمذی شریف: ١/١٤١، باب من لا تحل له الصدقة، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ٦٥٣۔

حل لغات: مدقع: سخت بھوک جو زمین پر گرا دے، مفظع: بہت برا، فظع (ک) فظاعة: قباحت میں حد سے بڑھ جانا، رضفا: گرم پتھر، واحد: رضفة۔

ترجمہ: حضرت حبشی بن جنادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کہ غنی اور تندرست طاقت ور کے لئے مانگنا حلال نہیں ہے، مگر زمین پر گرا دینے والے فقر اور قبیح قرض دار والے کے لئے اور جس شخص نے اپنا مال بڑھانے کے لئے سوال کیا، قیامت کے دن اس کے چہرے پر خراش ہوگی، اور دوزخ کا گرم پتھر جس کو وہ کھائے گا، تو جو چاہے زیادہ کرے اور جو چاہے کم کرے۔''

تشریح: لوگ اپنے مال میں اضافہ کرنے کی غرض سے دست سوال دراز نہ کریں، بلکہ پرہیز کریں، البتہ جب ضرورت آ پڑے اور مانگنا ناگزیر ہو جائے تو بقدر ضرورت مانگنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

حبشی بن جنادۃ: صحابی ہیں، حجۃ الوداع کے موقعہ پر حضرت نبی کریم ﷺ سے ان کی ملاقات ثابت ہے۔ (مرقاۃ: ٢/٤٥٦)

مدقع: ایسی شدید بھوک کو کہتے ہیں کہ جس کی وجہ سے آدمی چلنے پھرنے سے بھی معذور ہو جائے، اور زمین پر پڑا رہے۔ یہ کنایہ ہے شدت محتاجگی سے، یعنی ایسا سخت محتاج ہو، کہ افلاس اور محتاجگی نے گویا اس کو زمین پر گرا دیا ہے، اور وہ زمین سے اٹھ کھڑے ہونے پر بھی قادر نہیں، یا یہ کہ وہ اس درجہ کا محتاج ہو کہ لیٹنے سونے کے لئے اس کے پاس بچھونا تک نہ ہو۔

فمن شاء فلیکثر الخ: یہ بات از راہ تنبیہ و تہدید فرمائی گئی ہے، یعنی سخت حاجت و ضرورت کے بغیر سوال کرنے اور مانگنے کا جو وبال کل قیامت کے دن سامنے آنے والا ہے اس سے ہم

نے آگاہ کر دیا، اب کوئی اس آگاہی سے سبق حاصل کرے یا نہ کرے، یہ اس کا کام ہے، اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے: "فمن شاء فلیؤمن و من شاء فلیکفر انا اعتدنا للظالمین نارا" (مرقاۃ: ۲/۴۵۷)

مانگنے سے بہتر کمانا ہے

{۱۷۵۷} وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ رَجُلًا مِنَ الْاَنْصَارِ اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَسْأَلُہُ فَقَالَ اَمَا فِیْ بَیْتِکَ شَیْئٌ فَقَالَ بَلٰی حِلْسٌ نَلْبَسُ بَعْضَہٗ وَنَبْسُطُ بَعْضَہٗ وَقَعْبٌ نَشْرَبُ فِیْہِ مِنَ الْمَاءِ قَالَ ائْتِنِی بِہِمَا فَاَتَاہُ بِہِمَا فَاَخَذَہُمَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِیَدِہٖ وَقَالَ مَنْ یَّشْتَرِیْ ھٰذَیْنِ قَالَ رَجُلٌ اَنَا اٰخُذُہُمَا بِدِرْھَمٍ قَالَ مَنْ یَّزِیْدُ عَلٰی دِرْھَمٍ مَرَّتَیْنِ اَوْ ثَلٰثًا قَالَ رَجُلٌ اَنَا اٰخُذُہُمَا بِدِرْھَمَیْنِ فَاَعْطَاھُمَا اِیَّاہُ فَاَخَذَ الدِّرْھَمَیْنِ فَاَعْطَاھُمَا الْاَنْصَارِیَّ وَقَالَ اشْتَرِ بِاَحَدِھِمَا طَعَامًا فَانْبِذْہُ اِلٰی اَھْلِکَ وَاشْتَرِ بِالْاٰخَرِ قَدُوْمًا فَأْتِنِیْ بِہٖ فَاَتَاہُ بِہٖ فَشَدَّ فِیْہِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عُوْدًا بِیَدِہٖ ثُمَّ قَالَ اِذْھَبْ فَاحْتَطِبْ وَبِعْ وَلَا اَرَیَنَّکَ خَمْسَۃَ عَشَرَ یَوْمًا فَذَھَبَ الرَّجُلُ یَحْتَطِبُ وَیَبِیْعُ فَجَاءَہٗ وَقَدْ اَصَابَ عَشَرَۃَ دَرَاھِمَ فَاشْتَرٰی بِبَعْضِھَا ثَوْبًا وَبِبَعْضِھَا طَعَامًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھٰذَا خَیْرٌ لَکَ مِنْ اَنْ تَجِیْئَ الْمَسْئَلَۃُ نُکْتَۃً فِیْ وَجْھِکَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اَنَّ الْمَسْئَلَۃَ لَا تَصْلُحُ اِلَّا لِثَلٰثَۃٍ لِذِیْ فَقْرٍ مُّدْقِعٍ اَوْ لِذِیْ غُرْمٍ مُفْظِعٍ اَوْ لِذِیْ دَمٍ مُّوْجِعٍ۔ (رواہ ابوداؤد) وَرَوَی ابْنُ مَاجَۃَ اِلٰی قَوْلِہٖ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ۔

حوالہ: ابو داؤد شریف: ١/ ٢٣٢، باب ماتجوز فیه المسئلة، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ١٦٤١۔ ابن ماجہ شریف: ١٥٨، باب بیع المزیدہ، کتاب التجارات، حدیث نمبر: ٢١٩٨۔

حل لغات: حلس: ٹاٹ، زمین پر یا کجاوہ کے نیچے بچھانے کا کپڑا، جمع: احلاس، نلبس: لبس (س) لبسا: پہننا، نبسط: بسط (ن) بسطا: بچھانا، قعب: بڑا پیالہ، جمع: اقعب، اور قعاب، قدوما: کلہاڑی، جمع: قدم، عودا: لکڑی، جمع: عیدان، اور اعواد، فاحتطب: حطب (ض) حطبا: اور احتطب (افتعال) لکڑی چننا، لکڑی جمع کرنا۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انصاریوں میں سے ایک آدمی نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آ کر کچھ مانگا تو حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ کیا تمہارے گھر میں کچھ نہیں ہے، تو انہوں نے جواب دیا کہ کیوں نہیں ایک ٹاٹ ہے، جس کا کچھ حصہ اوڑھتے ہیں، اور کچھ بچھاتے ہیں، اور ایک پیالہ ہے جس سے ہم پانی پیتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان دونوں کو میرے پاس لاؤ، وہ ان دونوں کو لے کر آئے، تو حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان دونوں کو اپنے ہاتھ میں لے کر کہا ان کو کون خریدے گا، ایک آدمی نے کہا میں ان کو ایک درہم میں لیتا ہوں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو یا تین مرتبہ فرمایا: ایک درہم سے کون بڑھائے گا، ایک آدمی نے کہا ان دونوں کو دو درہم میں لیتا ہوں، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہ دونوں ان کو دے کر درہم لے لئے، اور دونوں درہم انصاری کو دیکر ارشاد فرمایا: ایک درہم سے غلہ خرید کر اپنے گھر والوں کے حوالے کرو، اور دوسرے سے کلہاڑی خرید کر میرے پاس لاؤ، چنانچہ وہ کلہاڑی لے کر آئے، تو حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اس میں لکڑی کا دستہ لگایا، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جاؤ! لکڑیاں جمع کرو، اور بیچو، اور میں تمہیں پندرہ دن تک نہ دیکھوں، چنانچہ اس آدمی نے جا کر لکڑیاں جمع کرنا اور بیچنا شروع کر دیا، جب وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آیا تو اس کے پاس دس دراہم تھے، ان میں سے کچھ کے کپڑے خریدے اور کچھ کا غلہ، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ اس سے بہتر ہے کہ سوال

تیرے چہرے پر قیامت کے دن داغ لگادے،سوال کرنا صرف تین طرح کے آدمی کیلئے درست ہے، زمین پر گرادینے والے فقر،قبیح قرضدار،اور مقدور سے باہر خون بہا ادا کرنیوالے کیلئے۔

تشریح: مضمون حدیث واضح ہے،محتاج تشریح نہیں،کہ آدمی خود کمانے کی فکر کرے، دوسروں کے دست نگر ہو کر نہ رہے۔

بیع المزایدۃ (نیلامی بولی) کا جواز

نیز اس حدیث شریف میں یہ مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس شخص کے ٹاٹ اور لکڑی کے پیالہ کو اس طریقہ پر فروخت فرمایا،جس کو بیع من یزید اور بیع المزایدہ سے تعبیر کرتے ہیں، پہلی تعبیر کو امام ترمذی نے اور دوسری تعبیر کو امام بخاری نے ترجمۃ الباب میں اختیار کیا ہے،جس کو ہمارے یہاں نیلام کرنا اور نیلامی بولنا کہتے ہیں،یہ جمہور کے نزدیک جائز ہے،اور ابراہیم نخعی کے نزدیک مکروہ ہے،اور بعض علماء جیسے امام اوزاعی واسحق بن راہویہ تخصیص کے قائل ہیں وہ یہ کہ اس طرح کی بیع صرف غنائم اور مواریث میں جائز ہے، ہر جگہ نہیں،حدیث الباب کو امام ترمذی نے حسن کہا ہے،اور امام بخاری نے اس مسئلہ میں کوئی صریح حدیث مسنداً ذکر نہیں فرمائی۔

ولا ارینک خمسۃ عشر یوما: ہرگز نہ دیکھوں تم کو پندرہ دن تک (پندرہ دن تک مجھ کو اپنی صورت نہ دکھانا) یعنی میری مجلس میں مت آنا،بلکہ جس کام پر تجھ کو مامور کر رہا ہوں،اسی میں لگے رہنا، پھر پندرہ دن پورے ہونے کے بعد آکر صورت حال بیان کرنا۔

ان المسألۃ لاتصلح الا لثلاثۃ: سوال کرنا نہیں جائز ہے،مگر تین قسم کے لوگوں کے لئے۔

(١)......ایسے شخص کے لئے جس کو اس کا فقر مٹی میں ملا دینے والا ہو،"کما فی قولہ تعالیٰ، أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ"

(٢)......ایسے مدیون شخص کے لئے جس کا دین فظیع یعنی شدید ہو، "یقال افظع الامر ای

اشتد" دین کے شدید ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی ادائیگی بہت مشکل ہو، فقدانِ اسباب کی وجہ سے۔

(٣)......ایسے دم والے کے لئے جس کو اس کا دم بےچین کر دینے والا ہو، یعنی کسی قتل کے مسئلہ میں ایک شخص نے اپنے اوپر دیت لے لی، اصلاح ذات البین کے طور پر، لیکن اس کے اندر اتنی استطاعت نہیں کہ وہ اس کو اداء کر سکے، اب اگر دیت اداء نہیں کرتا ہے تو قاتل کو قتل کر دیا جائے گا، جس سے اس ذمہ لینے والے کو تکلیف ہوگی، تو ایسی صورت حال میں اس کو سوال کرنا جائز ہے۔ (الدر المنضود: ١٠٩/٣) التعلیق: ٣٣٣/٢، مرقاۃ: ٤٥٧/٢۔

اللہ تعالیٰ ہی سے فریاد کرے

{١٧٥٨} وَعَنْ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَصَابَتْہُ فَاقَۃٌ فَاَنْزَلَہَا بِالنَّاسِ لَمْ تُسَدَّ فَاقَتُہٗ وَمَنْ اَنْزَلَہَا بِاللّٰہِ اَوْشَکَ اللّٰہُ لَہٗ بِالْغِنٰی اِمَّا بِمَوْتٍ عَاجِلٍ اَوْ غِنًی اٰجِلٍ۔ ﴿رواہ ابوداؤد والترمذی﴾

حوالہ: ابو داؤد شریف: ٢٣٣/١، باب الاستعفاف، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ١٦٤٥۔ ترمذی شریف: ٥٨/٢، باب ماجاء فی ھم الدنیا الخ، کتاب الزھد، حدیث نمبر: ٢٣٣٢۔

حل لغات: لم تسد: سد (ن) سدا: بند کرنا، روکنا، عاجل: جلد باز، آجل: مؤخر، جمع: آجال۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "کہ جس شخص کو فاقہ گھیر لے، پھر وہ لوگوں پر ظاہر کرے تو اس کا فاقہ نہیں رکے گا، اور جس نے اللہ کے سامنے رکھا بہت جلد اللہ تعالیٰ اس کو بے نیاز کر دے گا، یا تو جلد آنے والی موت سے یا بعد میں آنے والی بے نیازی سے۔"

تشریح: جس شخص کو فقر و فاقہ پیش آئے اور وہ اس کو لوگوں کے سامنے رکھدے تو اس کا فاقہ دور نہ ہوگا، (اس لئے کہ اول تو یہ ضروری نہیں کہ وہ اس کو دیں اور اگر دے بھی دیں تو لوگوں کی طرف احتیاج تو باقی رہی ان سے استغناء نہ ہوا، اور جو اپنے اس فاقہ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے رکھے اور اسی سے اپنی حاجت طلب کرے تو (دو حال سے خالی نہیں) یا تو اللہ تعالیٰ اس کا انتظام موت عاجل سے فرمادیں گے کہ قریب ہی زمانہ میں اس کے کسی عزیز قریب کو موت دے کر اس کے ترکہ سے اس کی ضرورت پوری فرمادیں گے، یا مطلب یہ کہ خود اس حاجت مند ہی کو اس کا وقت آ جانے کی وجہ سے اٹھالیں گے، نہ محتاج ہوگا نہ حاجت باقی رہے گی، دوسری شکل یہ ہے کہ اس کو کسی بھی ذریعہ سے سر دست اور فوراً ہی غناء عطا فرمادیں گے۔ (الدر المنضود: ١١١/٣) مرقاۃ: ٤٥٨/٢۔

﴿الفصل الثالث﴾

سوال کرنا ہی پڑے تو صالحین سے کرے

{١٧٥٩} وَعَنْ ابْنِ الْفِرَاسِيِّ اَنَّ الْفِرَاسِيَّ قَالَ قُلْتُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْأَلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا وَاِنْ كُنْتَ لَابُدَّ فَاسْئَلِ الصَّالِحِيْنَ۔ ﴿رواه ابوداؤد والنسائی﴾

حوالہ: ابوداؤد شریف: ١/٢٣٣، باب الا ستعفاف، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ١٦٥٦۔ نسائی شریف: ٣٧٨، باب سوال الصالحین، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ٢٥٧٨۔

حل لغات: الصالحین: جمع ہے ’صالح‘ کی، بمعنی نیک۔

ترجمہ: حضرت ابن فراسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فراسی ؓ نے فرمایا: کہ میں نے حضرت رسول اکرم ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ! کیا میں لوگوں سے مانگ سکتا ہوں؟ تو جناب نبی کریم ﷺ نے جواب دیا کہ نہیں، اور اگر تمہارے لئے ضروری

ہوجائے تو صالحین سے مانگو۔

تشریح: فقال النبی ﷺ: جب حضرت فراسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت نبی کریم ﷺ سے مانگنے کی اجازت چاہی تو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ لوگوں سے کسی قسم کا مالی سوال نہ کرو، اور ہر حال میں اللہ پر بھروسہ کرو۔

وان کنت لابد الخ: اور اگر سوال تیرے لئے ایسا ہی ضروری ہو تو پھر صلحاء سے سوال کرنا، اس لئے کہ صالح سے سوال کرنے میں زیادہ ذلت نہیں ہے، کیونکہ صالح شخص کسی مسلمان کو ذلیل نہیں سمجھتا، دوسرے یہ کہ اگر اس کے پاس ہوا تو دیدیگا ورنہ کم از کم دعاء کرے گا اور مناسب رہنمائی کرے گا۔

اس حدیث شریف کو ابن الفراسی اپنے باپ فراسی سے روایت کرتے ہیں، بنو فراس ایک قبیلہ ہے، ان دونوں میں سے کسی کا نام معلوم نہیں ہے، اور بعض کہتے ہیں فراسی ہی نام ہے، اور کہا گیا ہے صحیح فراس ہے بغیر یاء نسبت کے اور فراس ہی ان کا نام ہے۔ (الدر المنضود: ١١٢/٣) مرقاة: ٤٥٨۔

بغیر سوال کے ملنے والے مال کا حکم

{١٧٦٠} وَعَنْ ابْنِ السَّاعِدِيِّ قَالَ اسْتَعْمَلَنِيْ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَلَى الصَّدَقَةِ فَلَمَّا فَرَغْتُ مِنْهَا وَاَدَّيْتُهَا اِلَيْهِ اَمَرَلِيْ بِعُمَالَةٍ فَقُلْتُ اِنَّمَا عَمِلْتُ لِلّٰهِ وَأَجْرِيْ عَلَى اللّٰهِ قَالَ خُذْ مَا أُعْطِيْتَ فَاِنِّيْ قَدْ عَمِلْتُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَمَّلَنِيْ فَقُلْتُ مِثْلَ قَوْلِكَ فَقَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا أُعْطِيْتَ شَيْئًا مِنْ غَيْرِ اَنْ تَسْأَلَهُ فَكُلْ وَتَصَدَّقْ۔ ﴿رواہ ابوداؤد﴾

حوالہ: ابوداؤد شریف: ٢٣٣/١، باب الاستعفاف، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ١٦٤٧۔

حل لغات: فرغت: فرغ (ن، س) فراغا: خالی ہونا، اجری: ثواب، بدلہ، جمع: آجار، اجور۔

ترجمہ: حضرت ابن الساعدی سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے صدقے کا عامل بنایا، تو جب میں صدقہ وصول کر کے فارغ ہوا اور ان تک اس کو پہنچا دیا، انہوں نے میرے لئے معاوضہ دینے کا حکم کیا تو میں نے کہا کہ یہ میں نے اللہ کے لئے کیا ہے، اور میرا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے، انہوں نے کہا جو تمہیں دیا جا رہا ہے لے لو، اس لئے کہ میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عامل بنا تھا، چنانچہ مجھے معاوضہ دیا تو میں نے تمہارے قول کی طرح کہا تو جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: جب آپ کو بغیر مانگے کوئی چیز ملے تو کھائیے اور صدقہ کیجئے۔

تشریح: استعملنی عمر: حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور خلافت میں ابن الساعدی کو عامل بنایا۔

علی الصدقۃ: اس کے تین مفہوم ہیں، صدقہ وصول کرنے، اس کو جمع کرنے اور اس کی حفاظت کرنے کی ذمہ داری ان کو دی گئی۔

ادیتھا: یعنی بیت المال میں جمع کر دیا۔

امر لی بعمالۃ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیت المال کے ذمے داروں کو ہدایت دی کہ ابن الساعدی کا معاوضہ دے دیا جائے۔

اذا اعطیت شیئا من غیر ان تسئلہ فکل و تصدق: یعنی جب کہیں سے کوئی چیز بغیر سوال و اشراف نفس کے آئے تو اس کو قبول کر لینا چاہئے، اور قبول کر کے کھائے پیئے اور صدقہ بھی کرے۔

صوفیاء کہتے ہیں کہ اگر کوئی چیز (حلال) بغیر فرمائش اور لالچ کے ملے تو اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھتے ہوئے رد نہیں کرنا چاہئے، ورنہ پھر سوال پر بھی نہیں ملتی، صاحب منہل لکھتے ہیں ایسی شیء کا قبول کرنا امام احمد کے نزدیک واجب ہے، ظاہر حدیث کی بنا پر، اور جمہور کے نزدیک صرف مستحب ہے۔ (الدر المنضود: ۱۱۲/۳) التعلیق: ۳۳۴/۲، مرقاۃ: ۴۵۸/۲۔

یوم عرفہ میں سوال

{١٧٦١} وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ اَنَّهٗ سَمِعَ يَوْمَ عَرَفَةَ رَجُلاً يَسْأَلُ النَّاسَ فَقَالَ اَفِيْ هٰذَا الْيَوْمِ وَفِيْ هٰذَا الْمَكَانِ تَسْأَلُ مِنْ غَيْرِ اللّٰهِ فَخَفَقَهٗ بِالدُّرَّةِ۔ ﴿رواه رزين﴾

حوالہ: رزین۔

حل لغات: خفق: (ن ض) خفقا: مارنا، بالدرة: کوڑا، جمع: درر۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرفہ کے دن ایک آدمی کو لوگوں سے سوال کرتے ہوئے سنا تو انہوں نے کہا کیا تو اس دن اور اس مقام پر اللہ تعالیٰ کے علاوہ سے مانگتا ہے؟ اور انہوں نے اس آدمی کو کوڑا لگایا۔

تشریح: کچھ مواقع اور محل ایسے ہوتے ہیں جہاں ضرورت کے باوجود اللہ تعالیٰ کے علاوہ سے مانگنا، اللہ تعالیٰ کو نہایت ناپسند ہے، اس لئے ایسے مقامات میں لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرنے سے پرہیز کرے تاکہ غیرت خداوندی کو ٹھیس پہنچانے سے بچا جاسکے۔

فقال افی: اس قال کے فاعل حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، یعنی یہ کہ انہوں نے اس آدمی کو خود ڈانٹا۔

افی هذا الیوم و فی هذا المکان: یعنی یہ وہ جگہ ہے جہاں غیر اللہ سے کچھ نہیں مانگنا چاہئے۔

اس لئے کہ یہ میدان عرفات وہ مقام ہے جو آثار مغفرت اور نزول انوار رحمت کے سبب انتہائی بابرکت ہے، اور آج (یوم عرفہ) وہ دن ہے جو اللہ تعالیٰ سے دعاء کرنے اور دعاؤں کے قبول ہونے کا دن ہے، اس کے باوجود تو اللہ تعالیٰ کے سوا سے مانگتا ہے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ مسجد میں بھی سوال نہ کرنا چاہئے۔(مرقاۃ:۴۵۹/۲،التعلیق:۳۳۴/۲)

لالچ کا وبال

{۱۷۶۲} وَعَنْ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ تَعْلَمُنَّ اَیُّہَا النَّاسُ اَنَّ الطَّمَعَ فَقْرٌ وَاَنَّ الْاِیَاسَ غِنًی وَاَنَّ الْمَرْءَ اِذَا یَئِسَ عَنْ شَیْءٍ اسْتَغْنٰی عَنْہُ۔ ﴿رواہ رزین﴾

حوالہ: رزین۔

حل لغات: الطمع: لالچ، جمع: اطماع، الایاس: ایس (س) ایاسا: ناامید ہونا۔

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: اے لوگو! جان لو کہ لالچ محتاجگی ہے، اور ناامیدی مالداری ہے، اس لئے کہ آدمی جب کسی چیز سے ناامید ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو بے نیاز کر دیتا ہے۔

تشریح: آدمی کو لالچ ترک کر دینا چاہئے، اس لئے کہ اس سے محتاجگی کے دروازے کھلتے ہیں، نیز جملہ لوگوں سے اپنی امیدیں منقطع کر کے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی سے اپنی امید وابستہ رکھے اس سے مالداری آئے گی۔

ان الطمع: وہ لالچ مراد ہے جو مخلوق سے کیا جائے۔

وان الایاس: مراد لوگوں سے ناامیدی ہے، اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں سے ناامید ہو کر اپنی امیدیں اللہ تعالیٰ سے وابستہ کر دے۔ اس لئے کہ جب اپنا رشتہ اللہ تعالیٰ سے جوڑے گا تو فراخی آئے گی۔ (مرقاۃ:۴۵۹/۲)

ترک سوال پر جنت کی ضمانت

{۱۷۶۳} وَعَنْ ثَوْبَانَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَّكْفُلُ لِيْ اَنْ لَا يَسْأَلَ النَّاسَ شَيْئاً فَاَتَكَفَّلُ لَهٗ بِالْجَنَّةِ فَقَالَ ثَوْبَانُ اَنَا فَكَانَ لَايَسْئَلُ اَحَداً شَيْئاً۔ ﴿رواه ابوداؤد والنسائی﴾

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۲۳۲، باب کراھیۃ المسئلۃ، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۱۶۴۳۔ نسائی شریف: ۲۷۸، باب فضل من لا یسئل الناس، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۲۵۹۱۔

حل لغات: یکفل: کفل (ن س) کفلا: ضامن ہونا۔

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جو شخص مجھ سے اس بات کا عہد کرے کہ وہ لوگوں سے کچھ نہیں مانگے گا تو میں اس کے لئے جنت کی ضمانت لیتا ہوں، تو حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں اس بات کا عہد کرتا ہوں چنانچہ وہ کسی سے کچھ نہیں مانگتے تھے۔

تشریح: تمام مخلوقات کی ضروریات کی تکمیل اللہ تعالیٰ ہی کے ذمہ ہے، اس لئے اگر کوئی انسان یہ طے کرے کہ جب میری ضروریات کا متکفل خود ذات باری تعالیٰ ہے تو کسی کے سامنے دست سوال کیوں دراز کیا جائے، یہ ادا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے، اس کا بدلہ دنیا میں جو کچھ ملنے کا ہے وہ تو ملے گا ہی اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو آخرت میں جنت عطا کریگا، اس کی ذمہ داری خود حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لی ہے۔

فاتکفل لہ بالجنۃ: جنت میں تو سبھی کلمہ گو جائیں گے، تو لوگوں سے نہ مانگنے والے کی خصوصیت کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایسے افراد کا داخلہ اول وہلہ میں کرادیں گے، یعنی انہیں جہنم کی سختی کا سامنا کرنا نہ پڑیگا۔ (مرقاۃ: ۴۵۹/۲)

ایضاً

{۱۷۶۴} وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ دَعَانِيْ

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَشْتَرِطُ عَلَيَّ اَنْ لَّا تَسْأَلَ النَّاسَ شَيْئاً قُلْتُ نَعَمْ قَالَ وَلَا سَوْطَكَ اِنْ سَقَطَ مِنْكَ حَتّٰى تَنْزِلَ اِلَيْهِ فَتَأْخُذَهٗ۔ ﴿رواه احمد﴾

حوالہ: مسند احمد: ۱۷۲/۵۔

حل لغات: سوطک: 'سوط' کوڑا، جمع: اسواط، سقط: سقط (ن) سقوطا: گرنا، حتی تنزل: نزل (ض) نزولا: اترنا۔

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے مجھے بلا کر اس بات کا عہد لیا کہ تم لوگوں سے کچھ نہیں مانگنا، تو میں نے کہا کہ جی، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: اور نہ اپنا چابک، اگر وہ تم سے گر جائے تو نیچے اتر کر اس کو اٹھالو۔

تشریح: ادنی سی چیز کی ضرورت کیوں نہ پڑے اس کو خود انجام دینے کی زحمت گوارہ کرے، کسی اور سے اس کو پوری کرانے کی فکر نہ کرے۔

قلت نعم: یعنی حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے جو معاہدہ کیا اس کو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منظور کرلیا۔

ولا سوطک: اپنا کوڑا گر جانے کی صورت میں کسی کو اٹھانے کے لئے کہنا کسی سے کوئی چیز مانگی نہیں جارہی ہے، لیکن چونکہ اس میں بھی سوال کرنے کی بو پائی جارہی ہے، اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس سے بھی منع فرمادیا۔ (مرقاۃ: ۲/۴۵۹)

باب الانفاق و کراھیۃ الامساك

(انفاق کی فضیلت اور امساک کی مذمت کا بیان)

رقم الحدیث: ۱۷۶۵/تا۱۷۹۳/

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

باب الانفاق و کراھیۃ الامساك

(انفاق کی فضیلت اور امساک کی مذمت کا بیان)

انفاق کا مطلب ہے حلال جگہ میں مال خرچ کرنا، اور امساک سے مراد ہے مال روکے رکھنا، خرچ نہ کرنا۔

﴿الفصل الاول﴾

سخاوت النبی ﷺ

{۱۷۶۵} وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَوْکَانَ لِیْ مِثْلُ اُحُدٍ ذَهَبًا لَسَرَّنِیْ اَنْ لَّا یَمُرَّ عَلَیَّ ثَلٰثُ لَیَالٍ وَعِنْدِیْ مِنْهُ شَیْءٌ اِلَّا شَیْءٌ اُرْصِدُهٗ لِدَیْنٍ۔ ﴿رواہ البخاری﴾

حوالہ: بخاری شریف: ۲/ ۹۵۴، باب قول النبیؐ ما احب فی ا لخ، کتاب الرقاق، حدیث نمبر: ۶۱۹۶۔ و باب الاستقراض، باب اداء الدیون، ص: ۱/ ۳۲۱، حدیث نمبر: ۲۳۲۷۔

حل لغات: ذھب: سونا، جمع: اذھاب، وذھوب، لسرنی: سر (ن) سرورا: خوش ہونا، یمر: مر او مرورا: گذرنا، ارصدہ: رصد (ن) جمع کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ

نے ارشاد فرمایا: ”اگر میرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو تو مجھے اس بات سے خوشی ہوگی کہ مجھ پر تین راتیں نہ گذریں اور اس میں سے کچھ میرے پاس موجود ہو، الا یہ کہ قرض کے لئے کچھ روک لوں۔

تشریح: اس حدیث شریف میں ایک تو اس بات کا اظہار ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں سخاوت وفیاضی کا وصف انتہائی درجہ کا تھا، اور اس کے ساتھ اس امت کے لئے اس سخاوت وفیاضی کی ترغیب وتشویق بھی ہے۔

اور دوسری اہم بات اس حدیث شریف میں یہ ہے کہ قرضہ وغیرہ کی صورت میں کسی کا حق اگر واجب الاداء ہو تو پہلے اس کو اداء کرنے کی فکر کرنی چاہئے، خرچ واخراجات کی مدیں اس کے بعد ہیں، مگر افسوس کہ بہت سے عوام اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں، وہ اپنی اور اپنے اہل وعیال کی راحت وآسائش کے لئے خوب خرچ کرتے ہیں، مگر ان پر لوگوں کے جو حقوق چڑھے ہوئے ہیں انکی طرف التفات بھی نہیں کرتے۔ (التعلیق: ۲/۳۳۵، مرقاۃ: ۲/۴۶۰)

سخی اور بخیل کے لئے فرشتے کی دعاء

{۱۷۶۶} وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ يَوْمٍ يُصْبِحُ الْعِبَادُ فِيْهِ اِلَّا مَلَكَانِ يَنْزِلَانِ فَيَقُوْلُ اَحَدُهُمَا اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُنْفِقاً خَلَفاً وَيَقُوْلُ الْاٰخَرُ اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُمْسِكاً تَلَفاً۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۱۹۴، باب قولہ تعالیٰ فاما من اعطی الخ، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۱۴۲۳۔ مسلم شریف: ۱/۳۲۵، باب بیان اسم الصدقۃ الخ، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۱۰۱۰۔

حل لغات: یصبح: اصبح (افعال) صبح میں داخل ہونا، العباد: بندے، واحد: عبد، ملکان: تثنیہ ہے 'ملکۃ' کا، بمعنی فرشتے، جمع: ملائکۃ، منفقا: اسم فاعل ہے، بمعنی خرچ کرنے والا، انفق (افعال) المال: خرچ کرنا، خلفا خلف (ض) خلفا: بدلہ دینا، ممسکا: اسم فاعل بمعنی روکنے والا، امسک (افعال) اپنے لئے حفاظت کرنا، تلفا: تلف (س) تلفا: ہلاک ہونا، برباد ہونا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کہ روزانہ بندے جب صبح کرتے ہیں تو اس میں دو فرشتے اترتے ہیں، ان میں سے ایک کہتا ہے یا اللہ خرچ کرنے والے کو اس کا بدلہ دے اور دوسرا کہتا ہے یا اللہ روکنے والے کو ہلاکت دے۔''

تشریح: فیاضی اور کنجوسی کرنے والے ہر ایک کے لئے دو فرشتے متعین ہیں، جو ہر روز آسمان سے اترتے ہیں، فیاضی کرنے والے کے لئے ایک فرشتہ بدلہ اور برکت کی دعاء کرتا ہے، اور ایک فرشتہ کنجوسی کرنے والے کیلئے اس کے مال کی ہلاکت اور بربادی کی دعاء کرتا ہے، چنانچہ خرچ کرنیوالے کے مال میں بے پناہ برکت ہوتی ہے، جتنا جتنا وہ خرچ کرتا ہے اسی قدر اس کے مال میں برکت ہوتی ہے، جس کی وجہ سے اس کا مال برابر بڑھتا چلا جاتا ہے اور سارے کام بھی بنتے چلے جاتے ہیں، اور بخیل کا مال کتنا بھی بظاہر بڑھتا نظر آتا ہے؛ لیکن اس میں ایسی بے برکتی ہوتی ہے یا ایسی بیماریاں اور آفات پیش آتی ہیں کہ سارا مال بھی برباد ہو جاتا ہے، اور پریشانیوں کا شکار الگ ہوتا ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۴۶۰، التعلیق: ۲/۳۳۵)

کشادہ دستی کی فضیلت

{۱۷۶۷} وَعَنْ اَسْمَاءَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْفِقِیْ وَلَاتُحْصِیْ فَیُحْصِیَ اللّٰہُ عَلَیْکِ وَلَاتُوْعِیْ فَیُوْعِیْ اللّٰہُ عَلَیْکِ اِرْضَخِیْ مَااسْتَطَعْتِ۔ ﴿متفق علیہ﴾

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۳۵۳، باب ھبۃ المرأۃ الخ، کتاب الھبۃ، حدیث نمبر: ۲۵۱۹۔ مسلم شریف: ۱/۳۳۱، باب الحث علی الانفاق الخ، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۱۰۲۹۔

حل لغات: ولا تحصی: (حصی (ض) حصیا: کنکری پھینکنا، احصی (افعال) شمار کرنا، ولاتوعی: وعی (ض) وعیا: جمع کرنا، اوعی (افعال) روک کر رکھنا، ارضخی: رضخ (ض

ف) رضخا۔ ارضخی (افعال) بہت میں سے تھوڑا دینا۔

ترجمہ: حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ خرچ کرو، اور گنو مت ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تمہارے حق میں گنے گا، اور روک کر مت رکھو ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تمہارے حق میں روک کر رکھے گا، اور جہاں تک تم سے ہوسکے اللہ تعالیٰ کی راہ میں دو۔''

تشریح: انفقی: مراد ایسی جگہ خرچ کرنا ہے جہاں سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی امیدیں وابستہ ہوں، یعنی جائز اور حلال جگہوں میں۔

و لاتحصی: انسان جب محتاجوں کو گن کر دے گا تو اس مال سے اس کی برکت ختم ہوجائے گی، مطلب یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے راستہ میں گن کر اور شمار کرکے دیتا ہے اس کو اسی حساب سے دیا جاتا ہے، اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے راستہ میں بغیر گنے ہوئے دل کھول کر اسی طرح دیتا رہتا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو بھی بے حساب دیا جاتا ہے۔

ارضخی: یعنی جب موقعہ آئے تو حقیر سے حقیر چیز دینے میں بھی اپنی حقارت نہیں سمجھنی چاہئے، بلکہ دے دینا چاہئے، اللہ تعالیٰ مال کی مقدار کو نہیں دیکھتا بلکہ دل کی کیفیت کو دیکھتا ہے۔ (التعلیق ۳۳۶/ ۲، مرقاۃ: ۴۶۰/ ۲)

انفاق کا حکم

{١٧٦٨} وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَنْفِقْ يَابْنَ اٰدَمَ اُنْفِقْ عَلَيْكَ۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ۸۰۵/ ۲، باب فضل النفقۃ، کتاب النفقات، حدیث نمبر: ۵۱۴۴۔ مسلم شریف: ۳۲۲/ ۱، باب الحث علی النفقۃ، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۹۹۳۔

حل لغات: انفق: انفق (افعال) خرچ کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ابن آدم خرچ کرو! میں تم پر خرچ کروں گا۔''

تشریح: انفق یا ابن آدم الخ: مطلب یہ ہے کہ جو مال اللہ تعالیٰ نے دیا ہے وہ لاچار اور محتاج لوگوں پر خرچ کیا جائے تا کہ اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کا بہترین بدلہ دے۔

پہلے اہل وعیال پر خرچ کرے

{١٧٦٩} وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَا ابْنَ اٰدَمَ اَنْ تَبْذُلَ الْفَضْلَ خَیْرٌ لَّکَ وَاَنْ تُمْسِکَهُ شَرٌّ لَکَ وَلَا تُلَامُ عَلٰی کَفَافٍ وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ۔ ﴿رواہ مسلم﴾

حوالہ: مسلم شریف: ١/٣٣٢، باب ان الید العلیا خیر الخ، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ١٠٣٦۔

حل لغات: تبذل: بذل (ن) بذلا: خرچ کرنا، تمسکہ: امسک (افعال) روکے رکھنا، شرا: مصدر، بمعنی برائی، جمع: شرور، ولا تلام: لام (ن) لوما علی کذا: ملامت کرنا، کفاف: کف (ن) کفا و کفافۃ: جمع کرنا، وابدأ: بدأ (ف) بدأ: شروع کرنا، تعول: عال (ن) عولا: اہل وعیال کے معاش کی کفالت کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تمہارا بچا ہوا مال خرچ کرنا تمہارے لئے بہتر ہے، اور اس کو روکے رکھنا تمہارے لئے برا ہے، اور بقدر ضرورت مال جمع کرنے پر تم ملامت نہیں کئے جاؤ گے، اور اپنے اہل وعیال سے شروع کرو۔''

تشریح: الفضل: اس مال کو کہتے ہیں جو اپنی ذات اور اہل وعیال پر خرچ کر کے بچ جائے۔

خیر لک: یعنی دنیا اور آخرت دونوں جگہ بھلائی ہی بھلائی ہے۔

وان تمسکہ شر لک: یعنی اس بچے ہوئے مال کو روک لیا جائے اور ضرورت مندوں پر خرچ نہ کیا جائے تو وہ مال عند اللہ اور عند الناس بھی وبال جان بن جاتا ہے۔

ولا تلام علی کفاف: یعنی اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنے، محتاجوں کو دینے کے ساتھ ساتھ کچھ بچا کر رکھنا برا نہیں ہے، اس لئے اگر کوئی جمع کر کے رکھتا ہے تو اسے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے کہ وہ تو جملہ حقوق ادا کر ہی رہا ہے۔

اور دینے میں پہلے ان لوگوں سے شروع کرے جن لوگوں کی کفالت تیرے ذمہ ہے، اور جن کا نان نفقہ تجھ پر لازم ہے، خرچ کرنے اور دینے میں پہل انہی سے کر جب ان سے بچ جائے تب بیگانوں کو دے یہ نہیں کہ اہل وعیال ضرورتمند اور محتاج ہوں، اور دوسروں پر سخاوت کرے۔ (التعلیق: ۲/۳۳۶، مرقاۃ: ۲/۴۶۰)

متصدق اور بخیل کی مثال

{۱۷۷۰} وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْبَخِیْلِ وَالْمُتَصَدِّقِ کَمَثَلِ رَجُلَیْنِ عَلَیْهِمَا جُنَّتَانِ مِنْ حَدِیْدٍ قَدِ اضْطُرَّتْ اَیْدِیْهِمَا اِلٰی ثُدِیِّهِمَا وَتَرَاقِیْهِمَا فَجَعَلَ الْمُتَصَدِّقُ کُلَّمَا تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ انْبَسَطَتْ عَنْهُ وَجَعَلَ الْبَخِیْلُ کُلَّمَا هَمَّ بِصَدَقَةٍ قَلَصَتْ وَاَخَذَتْ کُلُّ حَلْقَةٍ بِمَکَانِهَا۔ ﴿متفق علیہ﴾

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۸۶۲، باب حسب القمیص الخ، کتاب اللباس، حدیث نمبر: ۵۵۶۹۔ مسلم شریف: ۱/۳۲۸، باب مثل المنفق والبخیل، حدیث نمبر: ۱۰۲۱۔

حل لغات: البخیل: اسم صفت ہے، بمعنی کنجوس، جمع: بخلاء، بخل (ک) بخلا: کنجوس

ہونا، جنتان: 'جنۃ' کا تثنیہ ہے، بمعنی ہتھیار سے بچاؤ کی چیز، ڈھال، جمع: جنن، حدید: لوہا، تراقی: جمع ہے 'ترقوۃ' کی، بمعنی ہنسلی کی ہڈی، قلصت: قلص (ض) قلوصا: سمٹنا، سکڑنا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بخیل اور متصدق کی مثال ان دو آدمی کی طرح ہے کہ ان دونوں کے پاس لوہے کی ڈھال ہو، جس نے ان دونوں کو ہاتھوں کے سینہ اور ہنسلی کی ہڈی میں جکڑ رکھا ہو، لہٰذا جب جب متصدق صدقہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ ڈھال اس کے لئے ڈھیلی پڑ جاتی ہے اور بخیل جب جب صدقہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے وہ ڈھال سکڑ جاتی ہے، اور ہر حصہ اپنی اپنی جگہ پکڑ لیتا ہے۔''

تشریح: صدقہ دینے والے اور بخیل کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کسی شخص کو ایسی مشین سے جکڑ دیا جائے کہ جس سے اس کا بدن جکڑا ہوا رہے، لیکن جب صدقہ کرے تو اس کی پکڑ ڈھیلی پڑ جائے، اور جب یہ ارادہ ترک کر دے تو وہ اپنی گرفت مزید سخت کر دے، یہی حال متصدق اور بخیل کا ہے کہ متصدق جب صدقہ کرتا ہے تو اپنے دل میں وسعت محسوس کرتا ہے، اور بخیل جب صدقہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا دل بھنچ جاتا ہے، بال آخر وہ صدقہ کرنے سے عاجز ہو جاتا ہے۔

علیہا جنتان: جنۃ کے اصل معنی تو ڈھال کے آتے ہیں، لیکن یہاں زرہ مراد ہے، اس لئے کہ کشادہ اور تنگ ہونے کی صفت زرہ میں پائی جاتی ہے، نہ کہ ڈھال میں نیز بعض روایتوں میں ''**علیہما درعان**'' کے الفاظ آتے ہیں۔ (مرقاۃ: ۲/۴۶۱)

زرہ کی مثال کے ذریعہ سخی اور بخیل کی نفسانی کیفیت کو اجاگر فرمایا گیا ہے، مطلب اس کا یہ ہے کہ سخی جب خرچ کرنے کا قصد کرتا ہے تو اس کا سینہ فراخ اور اس کا دل کشادہ ہو جاتا ہے، پھر اس کے ہاتھ اس کے دل کے تابع ہو جاتے ہیں، اور دینے کے لئے آگے بڑھتے ہیں۔ سخی کے برعکس بخیل کا حال یہ ہوتا ہے کہ خرچ کرنے کے خیال سے اس کا سینہ تنگ ہو جاتا ہے، اور اس کے ہاتھ سمٹ جاتے ہیں۔

اور اس کو یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ سخی جب مصارف خیر میں خرچ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا راستہ اس کے لئے آسان کر دیا جاتا ہے، اور بخیل پر وہ راستہ

دشوار ہوجاتا ہے۔ (مرقاۃ: ۴/۱۶۱/۲، التعلیق: ۳۳۶/۲)

بخل کا وبال

{۱۷۷۱} وَعَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اتَّقُوْا الظُّلْمَ فَإِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَاتَّقُوْا الشُّحَّ فَإِنَّ الشُّحَّ اَھْلَکَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ حَمَلَھُمْ عَلٰی اَنْ سَفَکُوْا دِمَاءَھُمْ وَاسْتَحَلُّوْا مَحَارِمَھُمْ۔ ﴿رواہ مسلم﴾

حوالہ: مسلم شریف: ۳۲۰/۲، باب تحریم الظلم، کتاب البر و الصلۃ، حدیث نمبر: ۲۵۷۸۔

حل لغات: اتقوا: وقی (ض) وقیا: بچانا، اتقی (افعال) پرہیز کرنا، بچنا، الشح: مصدر ہے، بمعنی بخل کرنا۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”ظلم سے بچو اس لئے کہ ظلم قیامت کے دن تاریکیوں کا باعث ہوگا، اور بخل سے بچو اس لئے کہ بخل ان لوگوں کو ہلاک کر چکا ہے، جو تم سے پہلے تھے، بخل نے ان لوگوں کو آپسی خونریزی پر آمادہ کیا اور ان لوگوں نے حرام کو حلال سمجھا۔“

تشریح: فان الظلم ظلمات یوم القیامۃ: یعنی قیامت کے دن یہی ظلم تاریکی کی شکل میں اس کے سامنے ہوگا، اور اسے آگے بڑھنے کا راستہ نظر نہیں آئے گا، اس کے برخلاف وہ قومیں جنہوں نے ظلم و زیادتی نہ کر کے اچھے اعمال کئے ہیں ان کے آگے آگے نور ہوگا، جس کی وجہ سے قیامت کی ہولناکی ان کے لئے آسان ہوجائے گی۔ ”والذین آمنو نورھم یسعی بین ایدیھم الآیۃ و اتقوا الشح“ شح اس بخل کو کہا جاتا ہے، جس میں لالچ بھی شامل ہو، یعنی یہ کہ خرچ تو کرتا نہیں ہے، ساتھ ہی یہ لالچ بھی ہو کہ فلاں فلاں کی طرف سے مال آتا رہے یہ بھی ایک طرح سے ظلم ہے، لیکن الگ سے اس کا تذکرہ اس لئے کیا گیا کہ اس کے مفاسد بڑھے ہوتے ہیں۔ اور اس کی نظر میں

حلت وحرمت کا بھی خیال نہیں رہتا، بس مال آنا چاہیئے۔حلال سے ہو یا حرام سے ہو۔(مرقاۃ:۴۶۱/۲)

صدقہ میں جلدی کرے

{۱۷۷۲} وَعَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَصَدَّقُوْا فَإِنَّهُ يَاتِيْ عَلَيْكُمْ زَمَانٌ يَّمْشِي الرَّجُلُ بِصَدَقَتِهٖ فَلَا يَجِدُ مَنْ يَّقْبَلُهَا يَقُوْلُ الرَّجُلُ لَوْ جِئْتَ بِهَا بِالْاَمْسِ لَقَبِلْتُهَا فَاَمَّا الْيَوْمَ فَلَا حَاجَةَ لِيْ بِهَا۔ ﴿متفق علیہ﴾

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۱۹۰، باب الصدقۃ قبل الرد، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر:۱۳۹۳۔ مسلم شریف: ۱/۳۲۵، باب ان اسم الصدقۃ تقع الخ، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر:۱۰۱۱۔

حل لغات: یمشی مشی (ض) مشیا: چلنا، فلایجد وجد (ض) وجدا: پانا۔

ترجمہ: حضرت حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''صدقہ دو اس لئے کہ تم لوگوں پر ایسا زمانہ آنے والا ہے، ایک آدمی صدقہ لے کر چلے گا وہ کسی کو نہیں پائے گا جو اس صدقہ کو لے آدمی کہیں گے اگر آپ کل ہی لے کر آتے تو قبول کر لیتے، آج ہمارے لئے اس کی ضرورت نہیں ہے۔''

تشریح: تصدقوا: یعنی جنہیں اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے انہیں اس بات کو غنیمت سمجھنا چاہیئے کہ ہمارے پاس مال ہے، اور فقراء بھی موجود ہیں، اور خرچ کرنے کا موقع ہے، اس لئے دل کھول کر خرچ کرنا چاہیئے، ایسا نہ ہو کہ انتظار میں رہے اور وہ دن آجائے کہ مال نہ رہے یا مال ہو لیکن فقراء موجود نہ رہیں۔

یأتی علیکم: سے پوری امت مراد نہیں ہے بلکہ امت کا وہ طبقہ مراد ہے جو اس زمانہ میں موجود ہوگا۔

فلایجد من یقبلھا: یہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ ہوگا جیسا کہ صحیح حدیث

میں ہے: "ویفیض المال حتی لایقبلہ احد حتی تکون السجدة الواحدة خیر من الدنیا ومافیھا" (بخاری شریف:٤٩٠/١، مسلم شریف:٨٧/١)

فلاحاجۃ لی: یعنی اس کو کہیں سے مال مل گیا تو اب صدقے کے مال کی ضرورت باقی نہ رہی، دوسرا مطلب یہ ہے کہ اب اس نے زہد اختیار کرلیا تو اب مال کی طرف کوئی رغبت باقی نہ رہی۔ (التعلیق:٣٣٧/٢، مرقاۃ:٤٦٢/٢)

احتیاج کے وقت صدقہ کرنا

{١٧٧٣} وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَجُلٌ یَارَسُوْلَ اللہِ! ﴿صَلَّی اللہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ﴾ اَیُّ الصَّدَقَۃِ اَعْظَمُ اَجْرًا؟ قَالَ اَنْ تَصَدَّقَ وَاَنْتَ صَحِیْحٌ شَحِیْحٌ تَخْشَی الْفَقْرَ وَتَأْمَلُ الْغِنٰی وَلَا تُمْھِلْ حَتّٰی اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمُ قُلْتَ لِفُلَانٍ کَذَا وَلِفُلَانٍ کَذَا وَقَدْ کَانَ لِفُلَانٍ۔ ﴿متفق علیہ﴾

حوالہ: بخاری شریف: ١٩٠/١، باب فضل الصدقۃ الشحیح الخ، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر:١٤٠١۔ مسلم شریف: ٣٣٢/١، باب بیان ان افضل الصدقۃ الخ، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر:١٠٣٢۔

حل لغات: شحیح: بخیل، حریص، جمع: شحاح، تخشی خشی (ش) خشیا: ڈرنا، تامل: املہ (ن) املا: امید کرنا، ولاتمھل: مھل (ف) مھلا: اطمینان کے بغیر جلدبازی سے کام کرنا، امھل (افعال) مہلت دینا، الحلقوم: گلا، جمع: حلاقیم۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یارسول اللہ! کونسا صدقہ اجر کے حساب سے بڑھا ہوا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ تمہارا ایسی حالت میں صدقہ کرنا کہ تم تندرست ہو، حریص ہو، فقر سے ڈرتے ہو، اور مالداری کی تمنا کرتے ہو، دیر مت کرو، حتی کہ جان حلق میں آجائے اور تم کہو: اتنا فلاں

کے لئے ہے، اور اتنا فلاں کے لئے ہے، حالانکہ وہ تو فلاں کا ہو ہی چکا ہے۔

تشریح: آدمی اپنی ضرورت اور اپنے زمانہ صحت کے وقت خرچ کرے، اصل صدقہ کرنا تو یہی ہے نہ کہ جب مرض الموت نے اس کی زندگی کی رفتار میں بیڑیاں ڈال دی ہیں تب وہ نام بنام صدقہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے، یہ اس کا صدقہ کرنا کوئی فضیلت نہیں رکھتا، اس لئے کہ اس کی زندگی آخری ہونے کی وجہ سے، اس کے اموال میں وارثین کا حق ثابت ہو رہا ہے، اور اس کے حق میں سونا اور مٹی برابر ہے؛ اس لئے اب صدقہ کرنا اور نہ کرنا بھی برابر ہے۔ (التعلیق: ۲/۳۳۷، مرقاۃ: ۲/۴۶۲)

راہ خدا میں خرچ نہ کرنا بڑی محرومی ہے

{۱۷۷۴} وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ اِنْتَہَیْتُ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ جَالِسٌ فِیْ ظِلِّ الْکَعْبَۃِ فَلَمَّا رَاٰنِیْ قَالَ ھُمُ الْاَخْسَرُوْنَ وَرَبِّ الْکَعْبَۃِ فَقُلْتُ فِدَاکَ اَبِیْ وَاُمِّیْ مَنْ ھُمْ قَالَ ھُمُ الْاَکْثَرُوْنَ اَمْوَالًا اِلَّا مَنْ قَالَ ھٰکَذَا وَھٰکَذَا مِنْ بَیْنِ یَدَیْہِ وَمِنْ خَلْفِہٖ وَعَنْ یَمِیْنِہٖ وَعَنْ شِمَالِہٖ وَقَلِیْلٌ مَّاھُمْ۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۹۸۲، باب کیف کان یمین الخ، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۶۳۸۳۔ مسلم شریف: ۱/۳۲۰، باب تغلیظ عقوبۃ من الخ، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۹۹۰۔

حل لغات: انتھیت: انتھی (افتعال) الی فلان: پہنچنا، ظل: سایہ، جمع: ظلال، الاخسرون: حالت رفعی میں ہے، اسم فاعل، 'خاسر' کی جمع ہے، بمعنی گھاٹے میں رہنے والے۔

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس حال میں پہنچا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کعبہ کے سایہ میں بیٹھے ہوئے تھے، جب انہوں نے مجھے دیکھا تو ارشاد فرمایا: ''خدا کی قسم وہ لوگ گھاٹے میں ہیں''، میں نے کہا: آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، وہ کون لوگ ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے

ارشاد فرمایا: وہ مال دار لوگ ہیں مگر وہ جس نے کہا اتنا اور اتنا، اتنا اپنے آگے سے، اپنے پیچھے سے، اپنے دائیں اور بائیں سے اور ایسے لوگ کم ہیں۔"

تشریح: مال اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، جسے یہ نعمت مل جائے اس کی قدر یہ ہے کہ ضرورت مندوں میں خرچ کرے، جن لوگوں نے ایسا کیا وہ تو بڑے فائدے میں ہیں، اور جن لوگوں نے ایسا نہیں کیا اور مال کو جمع کرتے رہے وہ بڑے خسارے میں ہیں۔

فلما رأنی: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ صحابی ہیں جنہوں نے مالداری کے مقابلہ فقیری اختیار کی تھی، ان ہی کے قلب کی تقویت کے لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جو لوگ مال کو جمع کرکے رکھتے ہیں اور راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے وہ لوگ بڑے خسارے میں ہیں۔

الا من ھکذا قال الخ: یہ استثنا ہے خرچ کرنے والے لوگوں سے یعنی جو لوگ آگے پیچھے دائیں بائیں اور جیسا موقعہ ملتا ہے ویسا ہی خرچ کرتے ہیں یہ لوگ خسارے میں نہیں ہیں۔ (مرقاۃ: ۲/۴۶۲)

﴿الفصل الثانی﴾

فیاضی اور بخیلی میں فرق

{۱۷۷۵} وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ السَّخِیُّ قَرِیْبٌ مِنَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِنَ الْجَنَّةِ قَرِیْبٌ مِنَ النَّاسِ بَعِیْدٌ مِنَ النَّارِ وَالْبَخِیْلُ بَعِیْدٌ مِنَ الْجَنَّةِ بَعِیْدٌ مِنَ النَّاسِ قَرِیْبٌ مِنَ النَّارِ وَالْجَاهِلُ سَخِیٌّ اَحَبُّ اِلَی اللّٰهِ مِنْ عَابِدٍ بَخِیْلٍ۔ ﴿رواہ الترمذی﴾

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/ ۱۷، باب ماجاء فی السخاءِ، کتاب البر والصلۃ، حدیث نمبر: ۱۹۶۸۔

حل لغات: السخی: فیاض، جمع: اسخیاء۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''سخی اللہ تعالیٰ سے جنت سے اور لوگوں سے قریب ہے، دوزخ سے دور ہے، اور بخیل اللہ تعالیٰ سے، جنت سے اور لوگوں سے دور ہے، اور جہنم سے قریب ہے، اور یقیناً اللہ تعالیٰ کو جاہل سخی عابد بخیل سے زیادہ پیارا ہے۔''

تشریح: اللہ تعالیٰ کو فیاضی بہت ہی زیادہ پسند ہے، یہی وجہ ہے کہ جس شخص میں یہ کمال پیدا ہو جائے وہ اللہ تعالیٰ، جنت اور لوگوں سے قریب ہوگا، اور جس شخص میں یہ صفت نہ ہوگی وہ ان تمام سے دور ہوگا، یہیں تک بس نہیں بلکہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق جاہل سخی، عبادت گذار بخیل سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

السخی: اس کو کہتے ہیں جو مال خرچ کر کے اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرے۔

قریب من اللّٰہ: اللہ تعالیٰ سے قریب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سخی لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے قریب ہوتے ہیں۔

قریب من الجنۃ: جنت کے قریب اس لئے کہ وہ مالی حقوق اداء کر کے نیک اعمال کر رہا ہے، اور جو نیک عمل کرے گا وہ جنت میں جائے گا۔

قریب من الناس: سخی فیاضی کرنے میں اپنے پرائے اور امیر و فقیر کو نہیں دیکھتا ہر ایک پر وہ خرچ کرتا ہے، اس احسان کے بدلے اس کی طرف لوگوں کا میلان ہو ہی جاتا ہے۔

والبخیل: بخیل اس کو کہتے ہیں جو مال کا واجبی حق بھی اداء نہ کرے۔

والجاھل سخی احب الی اللّٰہ من عابد بخیل: اس حدیث شریف میں جاہل عابد کے مقابلے میں بولا گیا ہے، مراد وہ مسلمان ہے جو ضروری اعمال کو انجام تو دیتا ہو، لیکن عابد کی طرح نوافل کی پابندی نہیں کرتا ہے، اس کے باوجود سخی جاہل اللہ تعالیٰ کی نظر میں عابد سے زیادہ پیارا ہے، اس

لئے کہ سخاوت ہر بھلائی کی جڑ ہے، جاہل سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ اس کے مبلغ علم کا حال یہ ہے کہ وہ ضروری اور غیر ضروری کو سمجھتا بھی نہیں ہے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی محبت میں مال لٹائے جا رہا ہے، جس نے اس کی محبوبیت پر چار چاند لگا دئے ہیں۔ (التعلیق: ۸/۳۳۸، ۲، مرقاۃ: ۲/۴۶۳)

کس وقت کا صدقہ افضل ہے؟

{۱۷۷۶} وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَاَنْ یَّتَصَدَّقَ الْمَرْءُ فِیْ حَیٰوتِہٖ بِدِرْھَمٍ خَیْرٌ لَّہٗ مِنْ اَنْ یَّتَصَدَّقَ بِمِائَۃٍ عِنْدَ مَوْتِہٖ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۲/۳۹۶، باب فضل الصدقۃ، کتاب الوصایا، حدیث نمبر: ۲۸۶۶۔

حل لغات: حیوۃ: بمعنی زندگی، حی (س) حیاۃً: زندہ رہنا۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”کہ آدمی کا اپنی زندگی میں ایک درہم خرچ کرنا موت کے وقت سو درہم خرچ کرنے سے بہتر ہے۔“

تشریح: بہتر یہ ہے کہ آدمی اپنی زندگی ہی میں خرچ کرے، ایسا نہیں کہ جب موت آنے لگے تو تب وہ خرچ کرنے پر تل جائے، اس وقت خرچ کرنا چنداں مفید نہ ہوگا۔

فی حیاتہ: مراد صحت والی زندگی ہے۔

بدرھم: یعنی کوئی حقیر چیز۔

بمائۃ: مراد مال کی زیادتی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جو فرائض و واجبات کو انجام دے وہ بہر حال اس شخص سے بہتر ہے جو نوافل کی پابندی تو کرے لیکن ضروریات کو پس پشت ڈال دے۔ (طیبی: ۴/۹۴، مرقاۃ: ۲/۴۶۳)

موت کے وقت کا صدقہ

{۱۷۷۷} وَعَنْ اَبِیْ الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الَّذِیْ یَتَصَدَّقُ عِنْدَ مَوْتِہٖ اَوْ یُعْتِقُ کَالَّذِیْ یُہْدِیْ اِذَا شَبِعَ۔ ﴿رواہ احمد والنسائی والدارمی والترمذی وَصَحَّحَہٗ۔

حوالہ: مسند احمد: ۱۱۷/۵، نسائی شریف: ۱۱۰/۲، باب الکراھیۃ فی تاخیر الوصیۃ، کتاب الوصایا، حدیث نمبر: ۳۶۴۴۔ دارمی: ۵۰۵/۲، باب من احب الوصیۃ، کتاب الوصایا، ترمذی شریف: ۳۳/۲، باب ماجاء فی الرجل یتصدق الخ، کتاب الوصایا، حدیث نمبر: ۲۱۳۰۔

حل لغات: یعتق: عتق (ض) عتقا: پرانا ہونا، اعتق (افعال) آزاد کرنا، یھدی: اھدی (افعال) ہدیہ دینا، شبع: شبع (س) شبعا: شکم سیر ہونا۔

ترجمہ: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو موت کے وقت صدقہ دیتا ہے یا آزاد کرتا ہے اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے اپنا پیٹ بھرنے کے بعد ہدیہ دیا ہو۔

تشریح: موت کے وقت صدقہ دینا یا غلام آزاد کرنا ایسا ہی ہے جیسے کسی شخص نے آسودگی اور اپنا پیٹ بھرنے کے بعد کسی کو بطور ہدیہ کھانا دیا ہو۔

اس کی نظر میں اس وقت کھانے کی کوئی قدر نہیں ہے، کیونکہ کھانے کی اب خواہش ہی نہیں ہے، تو رکھ کر کیا کرے گا؟ ایسے ہی اس مرنے والے کا حال ہے کہ وہ دیکھ رہا ہے کہ زندگی کا آخر ہے، مال و دولت سب وارثین لے لیں گے تو اب وہ ہدیہ کرنے یا غلاموں کو آزاد کرنے کے لئے آمادہ ہو رہا ہے۔ (التعلیق: ۳۳۹/۲، مرقاۃ: ۴۶۳/۲)

بخل اور بداخلاقی کی مذمت

{۱۷۷۸} وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَصْلَتَانِ لَا تَجْتَمِعَانِ فِیْ مُؤْمِنٍ اَلْبُخْلُ وَسُوْءُ الْخُلُقِ۔ ﴿رواہ الترمذی﴾

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/۱۷، باب ماجاء فی البخل، کتاب البر والصلۃ، حدیث نمبر: ۱۹۶۹۔

حل لغات: خصلتان: 'خصلۃ' کا تثنیہ ہے، بمعنی عادت، جمع: خصائل، تجتمعان: اجتمع (افتعال) اجتماعا: جمع ہونا، سوء: برا، ساء (ن) سوء: برا ہونا، الخلق: عادت، جمع: اخلاق۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''دو عادتیں کسی مومن میں جمع نہیں ہوسکتیں: (۱) بخل، (۲) بری عادت۔

تشریح: فی مومن: یعنی یہ دونوں عادتیں مومن کامل میں نہیں پائی جاسکتی ہیں، جس مسلمان میں یہ چیزیں پائی جائیں گی اس کے ایمان میں کھوٹ ہوگا۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں چیزیں کسی مومن میں پائی جائیں مناسب نہیں ہے۔ (التعلیق: ۲/۳۳۹، مرقاۃ: ۲/۴۶۴)

احسان جتلانے والے کی مذمت

{۱۷۷۹} وَعَنْ اَبِیْ بَکْرِنِ الصِّدِّیْقِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ خَبٌّ وَلَا بَخِیْلٌ وَلَا مَنَّانٌ۔ ﴿رواہ الترمذی﴾

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/۱۷، باب ماجاء فی البخل، کتاب البر والصلۃ، حدیث نمبر: ۱۹۷۰۔

حل لغات: خب: دغاباز، فریبی، جمع: خبوب، منان: مبالغہ کا صیغہ ہے، بمعنی بہت احسان

جتلانے والا، من (ن) منا: احسان جتانا۔

ترجمہ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”فریبی، بخیل اور بہت احسان جتلانے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔“

تشریح: لا یدخل الجنۃ: یعنی اول مرحلے میں جنت میں داخلہ نصیب نہ ہوگا، بلکہ اپنے برے اعمال کی سزا بھگتنے کے بعد جنت میں جائے گا۔

”خَبّ“ مکّار سے مراد وہ شخص ہے جو مکر وفریب اور دھوکہ کے ذریعہ لوگوں کے درمیان فساد پیدا کرے، اور معاملات کو بگاڑے، اور بخیل سے مراد وہ ہے جو اپنے مال اور پیسے میں سے حق واجب ادا نہ کرے۔ اور ”منان“ کے ایک معنی تو وہ ہیں جو ترجمہ میں گذرے، اور ایک معنی ہے کاٹنے والا یعنی وہ شخص جو رشتہ داروں سے قطع تعلق کرے، اور جو اپنے مسلمان بھائیوں سے محبت نہ رکھے۔

(التعلیق: ٣٣٩/٢، مرقاۃ: ٤٦٤/٢)

کنجوسی اور بزدلی کی مذمت

{١٧٨٠} وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ شَرُّ مَا فِی الرَّجُلِ شُحٌّ هَالِعٌ وَجُبْنٌ خَالِعٌ۔ ﴿رواه ابوداؤد﴾ وَسَنَذْكُرُ حَدِیْثَ اَبِیْ هُرَیْرَةَ لَایَجْتَمِعُ الشُّحُّ وَالْاِیْمَانُ فِیْ كِتَابِ الْجِهَادِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی۔

حوالہ: ابوداؤد شریف: ٣٤٠/١، باب الجرأۃ والجبن، کتاب الجہاد، حدیث نمبر: ٢٥١١۔

حل لغات: شح: شح (ن) شحا: بخل کرنا، ھالع: ھلع (س) ھلعا: بے صبری سے شور کرنا، گھبرانا، جبن: جبن (ض) جبنا: بزدل ہونا، خالع: خلع (ف) خلعا: خالص ہونا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ

نے ارشاد فرمایا: ''آدمی میں سب سے زیادہ بری عادتیں انتہائی درجے کا بخل اور خالص بزدلی ہے۔''

تشریح: آدمی کے اندر تو بری عادتیں ہوتی ہی ہیں، ان میں کمال درجے کی کنجوسی اور اعلیٰ درجے کی بزدلی بہت ہی بری صفت ہے۔

شح ھالع: ایسے بخیل کو کہتے ہیں جو بخل میں کمال درجہ رکھتا ہو۔ یعنی انتہاء درجہ کا بخیل ہو۔

جبن خالع: نہایت درجے کا ڈرپوک۔ (مرقاۃ: ۴۶۴/۲)

﴿الفصل الثالث﴾

لمبے ہاتھ کا مطلب

{۱۷۸۱} وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهَا اَنَّ بَعْضَ اَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْنَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّنَا اَسْرَعُ بِكَ لُحُوْقاً قَالَ اَطْوَلُكُنَّ يَداً فَاَخَذُوْا قَصَبَةً يَذْرَعُوْنَهَا وَكَانَتْ سَوْدَةُ اَطْوَلَهُنَّ يَداً فَعَلِمْنَا بَعْدُ اَنَّمَا كَانَ طُوْلُ يَدِهَا الصَّدَقَةَ وَكَانَتْ اَسْرَعَنَا لُحُوْقاً بِهٖ زَيْنَبُ وَكَانَتْ تُحِبُّ الصَّدَقَةَ۔ ﴿رواہ البخاری﴾ وَفِيْ رِوَايَةِ مُسْلِمٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْرَعُكُنَّ لُحُوْقاً بِيْ اَطْوَلُكُنَّ يَداً قَالَتْ وَكَانَتْ يَتَطَاوَلْنَ اَيَّتُهُنَّ اَطْوَلُ يَداً قَالَتْ فَكَانَتْ اَطْوَلَنَا يَداً زَيْنَبُ لِاَنَّهَا كَانَتْ تَعْمَلُ بِيَدِهَا وَتَتَصَدَّقُ۔

حوالہ: بخاری شریف: ۱۹۱/۱، بعد باب فضل صدقۃ الشھید، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۱۴۰۲۔ مسلم شریف: ۲۹۱/۲، باب فضائل زینب رضی اللہ عنہا، کتاب فضائل الصحابۃ، حدیث نمبر: ۲۴۵۳۔

حل لغات: اسرع: سرع (س) سرعا: جلدی کرنا، لحوقا: لحق (س) لحقا

ولحوقا: ملنا، **قصبة:** بانس، **یذرعونھا:** ذرع (ف) ذرعا: ناپنا، **یتطاولن:** تطاول (تفاعل) ناپنے میں مقابلہ کرنا۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ کی بعض بیویوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا ہم میں سے کون آپ سے جلدی ملے گی؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے جو لمبے ہاتھ والی ہے، تو ان سب نے بانس لے کر ہاتھوں کو ناپنا شروع کیا، تو حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاتھ سب سے لمبے تھے، تو ہم نے بعد میں جانا کہ طول ید سے ان کی مراد صدقہ تھا، اس لئے کہ ہم میں سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ملنے والی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں، وہ صدقہ پسند کرتی تھیں۔ (بخاری) اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں وہ جلدی مجھ سے ملے گی جو لمبے ہاتھ والی ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا وہ سب ایک دوسرے کی لمبائی ناپتی تھیں کہ کس کے ہاتھ لمبے ہیں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ہم میں لمبے ہاتھ والی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں، اس لئے کہ وہ ہاتھ سے کما کر صدقہ کرتی تھیں۔

تشریح: اینا اسرع بک لحوقا: ازواج مطہرات نے حضرت نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہم میں سے پہلے کس کی موت ہوگی، جس کی بنیاد پر آپؐ سے وہ جا کر ملے گی؟

قال اطولکن یدا: حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جواب مرحمت فرمایا کہ تم میں سے مجھ سے وہ پہلے آکر ملے گی جس کے ہاتھ لمبے ہیں، یعنی جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں سب سے زیادہ خرچ کرتی ہے۔

فأخذوا: یہ صیغہ مؤنث کا ہونا چاہئے، لیکن ازواج مطہرات کی عظمت کے پیش نظر مذکر کا صیغہ استعمال کرلیا گیا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے "وکانت من القانتین"

قصبۃ یذرعونھا: بانس کے ٹکڑے سے اس لئے ناپنا شروع کردیا تھا کہ تمام ازواج مطہرات نے طول ید سے حقیقت میں ہاتھ کا لمبا ہونا سمجھ لیا تھا، حالانکہ طول ید سے حضرت نبی کریم ﷺ کی مراد صدقہ تھا، اسلئے حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سب سے پہلے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی کی وفات ہوئی ہے، اور یہ سب سے زیادہ کشادہ دست تھیں، تو ازواج مطہرات نے سمجھ لیا کہ طول ید سے آپ کی مراد صدقہ تھا۔

وکانت تحب الصدقۃ: یعنی حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا صدقہ اور خیرات کرنا بہت ہی زیادہ پسند کرتی تھیں۔ (التعلیق: ۳۴۰/ ۲، مرقاۃ: ۴۶۴/ ۲)

حدیث پاک سے بھی صدقہ خیرات کی فضیلت ظاہر ہے۔

لاعلمی میں غیر مستحق کو صدقہ دینے کا حکم

{۱۷۸۲} وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لَاَ تَصَدَّقَنَّ بِصَدَقَةٍ فَخَرَجَ بِصَدَقَتِهٖ فَوَضَعَهَا فِیْ یَدِ سَارِقٍ فَاَصْبَحُوْا یَتَحَدَّثُوْنَ تُصُدِّقَ اللَّیْلَةَ عَلٰی سَارِقٍ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰی سَارِقٍ لَاَتَصَدَّقَنَّ بِصَدَقَةٍ فَخَرَجَ بِصَدَقَتِهٖ فَوَضَعَهَا فِیْ یَدِ زَانِیَةٍ فَاَصْبَحُوْا یَتَحَدَّثُوْنَ تُصُدِّقَ اللَّیْلَةَ عَلٰی زَانِیَةٍ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰی زَانِیَةٍ لَاَتَصَدَّقَنَّ بِصَدَقَةٍ فَخَرَجَ بِصَدَقَتِهٖ فَوَضَعَهَا فِیْ یَدِ غَنِیٍّ فَاَصْبَحُوْا یَتَحَدَّثُوْنَ تُصُدِّقَ اللَّیْلَةَ عَلٰی غَنِیٍّ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰی سَارِقٍ وَزَانِیَةٍ وَ غَنِیٍّ فَاُتِیَ فَقِیْلَ لَهٗ اَمَّا صَدَقَتُكَ عَلٰی سَارِقٍ فَلَعَلَّهٗ اَنْ یَسْتَعِفَّ عَنْ سَرِقَتِهٖ وَاَمَّا الزَّانِیَةُ فَلَعَلَّهَا اَنْ تَسْتَعِفَّ عَنْ زِنَاهَا وَاَمَّا الْغَنِیُّ فَلَعَلَّهٗ یَعْتَبِرُ فَیُنْفِقُ مِمَّا اَعْطَاهُ اللّٰهُ۔ (متفق علیہ) وَلَفْظُهٗ لِلْبُخَارِیِّ۔

حوالہ: بخاری شریف: ۱/ ۱۹۱، باب اذا تصدق علی غنی الخ، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر:۱۴۰۳۔ مسلم شریف: ۱/ ۳۲۹، باب ثبوت اجر المتصدق الخ، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۱۰۲۲۔

حل لغات: فوضعھا: وضع (ض) وضعا: رکھنا، سارق: چور، سرق (ض) سرقا: چوری کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ایک آدمی نے کہا میں صدقہ دوں گا، چنانچہ وہ صدقہ لے کر نکلا لیکن اس کو چور کے ہاتھ میں رکھ دیا جب صبح ہوئی تو لوگ بول رہے تھے آج رات چور کو صدقہ دیا گیا ہے، تو اس شخص نے کہا یا اللہ! چور کو دینے پر تیری ہی تعریف ہے، البتہ میں صدقہ دوں گا، چنانچہ وہ صدقہ لے کر نکلا لیکن اس کو زانیہ کے ہاتھ میں رکھ دیا، جب صبح ہوئی تو لوگ بول رہے تھے آج رات زانیہ کو صدقہ دیا گیا ہے، تو اس شخص نے کہا یا اللہ! زانیہ کو دینے پر تیری ہی تعریف ہے، البتہ صدقہ دوں گا، چنانچہ وہ صدقہ لے کر نکلا، لیکن مالدار کے ہاتھ میں رکھ دیا، جب صبح ہوئی تو لوگ بول رہے تھے آج رات غنی کو صدقہ دیا گیا ہے، تو اس شخص نے کہا یا اللہ! چور، زانیہ اور مالدار کو صدقہ دینے پر تیری ہی تعریف ہے، تو اس کو خواب میں بتلایا گیا: بہر حال چور پر تیرا صدقہ، تو امید ہے کہ اس کو چوری سے روک دے اور بہر حال زانیہ پر، تو امید ہے کہ زانیہ کو زنا سے روک دے، اور بہر حال غنی پر امید ہے کہ وہ سبق حاصل کرے اور جو اللہ نے اس کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرے۔''

تشریح: قال رجل: یعنی بنی اسرائیل کے ایک آدمی نے صدقہ دینے کا عزم کیا۔

لاتصدقن بصدقۃ: اس شخص نے رات میں صدقہ دینے کا عزم اس لئے کیا تھا کہ کوئی دیکھے نہیں، اور اخلاص کی بنیاد پر اجر زیادہ ملے۔

فخرج بصدقتہ: یعنی اپنے گھر سے صدقہ کامل لے کر نکلا۔

فوضع فی ید سارق: اس شخص کو دینے کی جلدی تھی تاکہ کوئی دیکھے نہیں اس نے تحقیق بھی نہیں کی، کہ کون ہے؟ ایک آدمی ملا جھٹ سے اس کو دیا اور واپس آ گیا۔

فاصبحوا یتحدثون: صبح لوگوں میں چرچا ہونے لگا کہ آج ایک چور کو کسی صاحب

نے صدقہ کا مال دے دیا ہے۔

فقال اللھم لک الحمد علی سارق: یعنی اے اللہ! چور کے ہاتھ میرا صدقہ پڑ گیا یہ بھی تیری ہی توفیق سے ہوسکا ہے، ورنہ تو میں چور کو بھی صدقہ نہیں دے سکتا تھا۔

لاتصدقن بصدقۃ: جب اس شخص نے دیکھا کہ پہلی رات صدقہ دینے میں ناکامی ہوگئی تو اس نے دوسری رات بھی صدقہ دینے کا ارادہ کیا۔

فخرج: چنانچہ وہ شخص صدقہ کا مال لے کر نکلا، لیکن اس دفع دھوکے میں ایک زانیہ کو دے دیا، اور بعد میں اسے پتہ چلا کہ وہ صدقہ ایک زانیہ کے ہاتھ میں پڑ گیا۔

لاتصدقن بصدقۃ: اس شخص نے تیسری مرتبہ صدقہ دینے کا ارادہ کیا اور صدقہ دیا تھا، مگر وہ غیر مستحق غنی کے ہاتھ میں پڑ گیا صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا۔

فاتی فقیل: تو اس شخص کو خواب میں بتایا گیا کہ تمہارا صدقہ قبول ہوگیا۔

اس شخص نے جو الحمدللہ کہا یعنی اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کا اظہار کیا یا تو وہ ادائے شکر کے طریق پر تھا یا اظہار تعجب و حیرت کے طور پر، یا اپنی تسلی اور اپنے اطمینان کی خاطر کہا، بہرحال اس حدیث شریف کے بیان سے مقصود یہ ہے کہ راہِ خدا میں دینا بہرنوع بہتر ہے، صدقہ خیرات کا مال لاعلمی کی وجہ سے غیر مستحق کو بھی دیدیا جائے تب بھی ثواب ضرور ملے گا۔ اور اس کی زکوۃ ادا ہوجائے گی۔ (التعلیق: ۲/۳۴۱، مرقاۃ: ۲/۴۶۵)

خیرات کرنے کا دنیوی فائدہ

{۱۷۸۳} وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَا رَجُلٌ بِفَلَاةٍ مِّنَ الْاَرْضِ فَسَمِعَ صَوْتاً فِي سَحَابَةٍ اَسْقِ حَدِيْقَةَ فُلَانٍ فَتَنَحّٰى ذٰلِكَ السَّحَابُ فَاَفْرَغَ مَاءَهُ فِي حَرَّةٍ فَاِذَا شَرْجَةٌ مِنْ تِلْكَ الشِّرَاجِ قَدِ اسْتَوْعَبَتْ ذٰلِكَ الْمَاءَ فَتَتَبَّعَ الْمَاءَ فَاِذَا رَجُلٌ قَائِمٌ فِي

حَدِیْقَتِہٖ یُحَوِّلُ الْمَاءَ بِمِسْحَاتِہٖ فَقَالَ لَہٗ یَا عَبْدَاللّٰہِ مَااسْمُکَ؟ قَالَ فُلَانٌ اَلْاِسْمُ الَّذِیْ سَمِعَ فِی السَّحَابَۃِ فَقَالَ لَہٗ یَا عَبْدَاللّٰہِ لِمَ تَسْأَلُنِیْ عَنْ اِسْمِیْ؟ فَقَالَ اِنِّیْ سَمِعْتُ صَوْتًا فِی السَّحَابِ الَّذِیْ ھٰذَا مَاؤُہٗ یَقُوْلُ اسْقِ حَدِیْقَۃَ فُلَانٍ لِاِسْمِکَ فَمَا تَصْنَعُ فِیْھَا قَالَ اَمَّا اِذْ قُلْتَ ھٰذَا فَاِنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی مَایَخْرُجُ مِنْھَا فَاَتَصَدَّقُ بِثُلُثِہٖ وَاٰکُلُ اَنَا وَعِیَالِیْ ثُلُثًا وَاَرُدُّ فِیْھَا ثُلُثَہٗ۔

﴿رواہ مسلم﴾

حوالہ: مسلم شریف: ۲/۴۱۱، باب فضل الانفاق، کتاب الزھد، حدیث نمبر: ۲۹۸۴۔

حل لغات: فلاۃ: جنگل، جمع: فلوات، سحابۃ: بادل، جمع: سحائب، حدیقۃ: باغیچہ، جمع: حدائق، فتنحی: تنحی (تفعل) جدا ہونا، حرۃ، سیاہ پتھر والی زمین، جمع: حرات، شرجۃ: پتھریلی زمین سے نرم کی طرف پانی بہنے والی جگہ، یحول: حول (تفعیل) ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا، مسحاۃ: بیلچہ۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”کہ ایک دفعہ ایک آدمی زمین کے کسی جنگل میں تھا، اس نے بادل میں ایک آواز سنی کہ فلاں کا باغیچہ سیراب کرو، چنانچہ وہ بادل ایک طرف چلا اور اس نے ایک پتھریلی زمین میں اپنا پانی انڈیل دیا، پھر ان نالوں میں سے ایک نالے نے اس پانی کو جمع کرلیا تو وہ آدمی پانی کے پیچھے پیچھے چلا، اچانک اس نے دیکھا کہ ایک آدمی اپنے باغیچے میں کھڑے ہو کر بیلچے سے پانی ڈال رہا ہے، اس سے کہا اے اللہ کے بندے! آپ کا نام کیا ہے؟ کہا: فلاں، وہی نام جو اس نے بادل میں سنا تھا، اس نے اس سے کہا: اے اللہ کے بندے! آپ نے میرا نام کیوں پوچھا؟ تو اس نے کہا میں نے اس بادل میں آواز سنی ہے، جس کا یہ پانی تیرا نام لے کر کہہ رہا تھا کہ فلاں کا باغیچہ سیراب کر، تو آپ اس میں کیا کرتے ہیں، باغ والے نے کہا جب آپ نے یہ پوچھ لیا تو میں اس کی پیداوار کے بارے میں بتادیتا ہوں اس کا ایک ثلث صدقہ کردیتا ہوں، اور ایک ثلث میں اور گھر والے کھاتے ہیں اور ایک ثلث اسی میں لوٹا دیتا ہوں۔

تشریح: حدیقۃ: ایسے باغیچہ کو کہتے ہیں جو چہار دیواری سے گھرا ہوا ہو۔

فلان: باغیچہ والے صاحب سے کنایہ ہے۔

حرۃ: حرۃ سیاہ پتھریلی زمین کو کہتے ہیں۔

شرجۃ: پتھریلی زمین کے ایسے نالے کو کہا جاتا ہے کہ جس سے بہہ کر نرم زمین میں پانی جاتا ہو۔

فتتبع الماء: یعنی اس شخص نے جب بادل سے یہ آواز سنی کہ فلاں آدمی کے باغیچہ کو سیراب کر تو اس کے دل میں داعیہ پیدا ہوا کہ ایسا خوش نصیب کون شخص ہے اس سے ملاقات کرنی چاہئے، چنانچہ وہ پانی کے پیچھے پیچھے چلا۔

فاذا رجل: وہاں اس نے دیکھا کہ واقعتا وہاں باغیچہ میں ایک آدمی موجود ہے، جو بیلچے سے پانی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر رہا ہے۔

فقال لہ: اس جانے والے نے باغیچہ والے سے نام پوچھا تو اس نے وہی نام بتایا جو اس نے بادل میں سنا تھا۔

فقال لہ یا عبد اللہ! لم تسئلنی الخ: نام پوچھنے والا چونکہ اجنبی تھا اس لئے باغیچے والے نے اس سے پوچھا کہ آپ نے میرا نام کیوں پوچھا، تو انہوں نے بادل سے آواز آنے پانی جمع ہونے اور پھر اس کے باغیچہ تک بہہ کر آنے کا پورا واقعہ سنایا۔

فما تصنع: پورا واقعہ سنانے کے بعد اس نے یہ بھی پوچھا کہ آپ کے ساتھ اس قدر اچھا سلوک کیا گیا آپ کون سا ایسا عمل کرتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کو اتنا پسند ہے کہ آپ کے ساتھ خصوصی رعایت کی گئی۔

قال اما اذ قلت: اس باغیچہ والے نے کہا یہ تو راز کی بات تھی جب آپ نے پوچھ ہی لیا ہے تو سن لیجئے اس باغیچہ کی پیداوار کو میں تین حصوں میں تقسیم کرتا ہوں، ایک حصہ صدقہ کر دیتا ہوں، دوسرے حصے کو گھر والوں کی ضروریات میں خرچ کرتا ہوں، اور جو ایک حصہ بچ جاتا ہے اس

کے ذریعہ سے دوبارہ اس میں فصل لگاتا ہوں، اور ضرورت پڑتی ہے تو اس سے اس چہار دیواری کی مرمت بھی کراتا ہوں۔ (مرقاۃ:٢/٤٦٦)

فائدہ: معلوم ہوا کہ صدقہ کرنے والوں کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور خاص مدد ہوتی ہے، اور ان کے کاروبار میں بھی برکت ہوتی ہے۔

شکر اور ناشکری کا بدلہ

{١٧٨٤} **وَعَنْہُ** اَنَّہٗ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰى عَلَيْہِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ ثَلٰثَةً مِنْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ اَبْرَصَ وَاَقْرَعَ وَاَعْمٰى فَاَرَادَ اللّٰہُ اَنْ يَبْتَلِيَہُمْ فَبَعَثَ اِلَيْہِمْ مَلَكًا فَاَتَى الْاَبْرَصَ فَقَالَ اَيُّ شَيْءٍ اَحَبُّ اِلَيْكَ قَالَ لَوْنٌ حَسَنٌ وَجِلْدٌ حَسَنٌ وَيَذْهَبُ عَنِّي الَّذِيْ قَدْ قَذِرَنِيَ النَّاسُ قَالَ فَمَسَحَہُ فَذَهَبَ عَنْہُ قَذِرُہٗ وَاُعْطِيَ لَوْنًا حَسَنًا وَجِلْدًا حَسَنًا قَالَ فَاَيُّ الْمَالِ اَحَبُّ اِلَيْكَ؟ قَالَ الْاِبِلُ اَوْ قَالَ الْبَقَرُ شَكَّ اِسْحٰقُ اِلَّا اَنَّ الْاَبْرَصَ اَوِ الْاَقْرَعَ قَالَ اَحَدُهُمَا الْاِبِلُ وَقَالَ الْاٰخَرُ الْبَقَرُ قَالَ فَاُعْطِيَ نَاقَةً عُشَرَاءَ فَقَالَ بَارَكَ اللّٰہُ لَكَ فِيْهَا قَالَ فَاَتَى الْاَقْرَعَ فَقَالَ اَيُّ شَيْءٍ اَحَبُّ اِلَيْكَ قَالَ شَعَرٌ حَسَنٌ وَيَذْهَبُ عَنِّيْ هٰذَا الَّذِيْ قَدْ قَذِرَنِيَ النَّاسُ قَالَ فَمَسَحَہٗ فَذَهَبَ عَنْہُ قَالَ وَاُعْطِيْ شَعْرًا حَسَنًا قَالَ فَاَيُّ الْمَالِ أَحَبُّ اِلَيْكَ؟ قَالَ الْبَقَرُ فَأُعْطِيَ بَقَرَةً حَامِلًا قَالَ بَارَكَ اللّٰہُ لَكَ فِيْهَا قَالَ فَاَتَى الْاَعْمٰى فَقَالَ اَيُّ شَيْءٍ اَحَبَّ اِلَيْكَ؟ قَالَ أَنْ يَّرُدَّ اللّٰہُ اِلَيَّ بَصَرِيْ فَاَبْصِرُ بِہِ النَّاسَ قَالَ فَمَسَحَہٗ فَرَدَّ اللّٰہُ اِلَيْہِ بَصَرَہٗ قَالَ فَأَيُّ الْمَالِ اَحَبُّ اِلَيْكَ قَالَ الْغَنَمُ فَاُعْطِيَ شَاةً وَالِدًا فَاُنْتِجَ هٰذَانِ وَوَلَّدَ هٰذَا فَكَانَ لِهٰذَا وَادٍ مِّنَ الْاِبِلِ وَلِهٰذَا وَادٍ مِّنَ الْبَقَرِ وَلِهٰذَا وَادٍ مِنَ الْغَنَمِ قَالَ

ثُمَّ اِنَّہٗ اَتَی الْاَبْرَصَ فِیْ صُوْرَتِہٖ وَھَیْئَتِہٖ فَقَالَ رَجُلٌ مِسْکِیْنٌ قَدِ انْقَطَعَتْ بِیْ الْحِبَالُ فِیْ سَفَرِیْ فَلَا بَلَاغَ لِیَ الْیَوْمَ اِلَّا بِاللّٰہِ ثُمَّ بِکَ اَسْئَلُکَ بِالَّذِیْ اَعْطَاکَ اللَّوْنَ الْحَسَنَ وَالْجِلْدَ الْحَسَنَ وَالْمَالَ بَعِیْراً اَتَبَلَّغُ بِہٖ فِیْ سَفَرِیْ فَقَالَ الْحُقُوْقُ کَثِیْرَۃٌ فَقَالَ اِنَّہٗ کَاَنِّیْ اَعْرِفُکَ اَلَمْ تَکُنْ اَبْرَصَ یَقْذَرُکَ النَّاسُ فَقِیْراً فَاَعْطَاکَ اللّٰہُ مَالًا فَقَالَ اِنَّمَا وُرِّثْتُ ھٰذَا الْمَالَ کَابِراً عَنْ کَابِرٍ فَقَالَ اِنْ کُنْتَ کَاذِباً فَصَیَّرَکَ اللّٰہُ اِلٰی مَاکُنْتَ قَالَ وَاَتَی الْاَقْرَعَ فِیْ صُوْرَتِہٖ فَقَالَ لَہٗ مِثْلَ مَا قَالَ لِھٰذَا وَرَدَّ عَلَیْہِ مِثْلَ مَارَدَّ عَلٰی ھٰذَا فَقَالَ اِنْ کُنْتَ کَاذِباً فَصَیَّرَکَ اللّٰہُ اِلٰی مَا کُنْتَ قَالَ وَاَتَی الْاَعْمٰی فِیْ صُوْرَتِہٖ وَھَیْئَتِہٖ فَقَالَ رَجُلٌ مِسْکِیْنٌ وَابْنُ سَبِیْلٍ انْقَطَعَتْ بِیَ الْحِبَالُ فِیْ سَفَرِیْ فَلَا بَلَاغَ لِیْ الْیَوْمَ اِلَّا بِاللّٰہِ ثُمَّ بِکَ اَسْأَلُکَ بِالَّذِیْ رَدَّ عَلَیْکَ بَصَرَکَ شَاۃً اَتَبَلَّغُ بِھَا فِیْ سَفَرِیْ فَقَالَ قَدْ کُنْتُ اَعْمٰی فَرَدَّ اللّٰہُ اِلَیَّ بَصَرِیْ فَخُذْ مَاشِئْتَ وَدَعْ مَاشِئْتَ فَوَاللّٰہِ لَااَجْھَدُکَ الْیَوْمَ بِشَیْئٍ اَخَذْتَہٗ لِلّٰہِ فَقَالَ اَمْسِکْ مَالَکَ فَاِنَّمَا ابْتُلِیْتُمْ فَقَدْ رَضِیَ عَنْکَ وَسَخَطَ عَلٰی صَاحِبَیْکَ۔ ﴿متفق علیہ﴾

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۹۲، باب حدیث ابرص وا قرع واعمی، کتاب الانبیاء، حدیث نمبر: ۳۳۴۵۔ مسلم شریف: ۲/۴۰۸، باب حدیث ابرص والا قرع والاعمی، کتاب الزھد، حدیث نمبر: ۲۹۶۴۔

حل لغات: ابرص: اسم صفت ہے، بمعنی برص کی بیماری والا، برص (س) برصا: برص کی بیماری والا ہونا، اقرع: گنجا، اعمی: اندھا، لون: رنگ، جمع: الوان، جلد: کھال، جمع: اجلاد وجلود، قذر: قذر (س) قذرا: ناپسند کرنا، شعر: بال، جمع: اشعار، کابر: مورث اعلیٰ، باپ دادا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت رسول اکرم ﷺ

کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: کہ بنی اسرائیل کے تین آدمی تھے، ایک کوڑھی، دوسرا گنجا، تیسرا اندھا، اللہ تعالیٰ نے انہیں آزمانا چاہا، تو ان کے پاس ایک فرشتہ بھیجا، چنانچہ فرشتے نے کوڑھی کے پاس آکر کہا تجھے کون سی چیز زیادہ پسند ہے؟ کوڑھی نے کہا اچھا رنگ، بہترین کھال اور میرے جسم سے یہ کوڑھ چلا جائے جس کی وجہ سے لوگ مجھے ناپسند کرتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: فرشتے نے اس کے جسم پر ہاتھ پھیرا تو اس کا کوڑھ جاتا رہا، اچھا رنگ اور بہترین کھال دے دی گئی، پھر فرشتے نے پوچھا تجھے کون سا مال زیادہ پسند ہے، اس نے کہا اونٹ یا گائے؟ اسحاق نے شک کیا، مگر یہ کہ کوڑھی اور گنجے میں سے ایک نے اونٹ کہا اور دوسرے نے گائے کہی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس کو دس حاملہ اونٹنیاں دے دی گئیں، تو فرشتے نے کہا اللہ تعالیٰ تیرے لئے ان میں برکت دے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پھر فرشتے نے گنجے کے پاس آکر کہا تجھے کون سی چیز زیادہ پسند ہے، گنجے نے کہا: عمدہ بال اور مجھ سے یہ چلا جائے جس کی وجہ سے لوگ مجھے ناپسند کرتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: فرشتے نے اس پر ہاتھ پھیرا تو وہ اس سے چلا گیا، اور اس کو عمدہ بال دے دئے گئے، فرشتے نے پوچھا تجھے کون سا مال زیادہ پسند ہے؟ اس نے کہا گائے، چنانچہ اسے حاملہ گائے دے دی گئیں، تو فرشتے نے کہا اللہ تعالیٰ تیرے لئے اس میں برکت دے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: فرشتے نے اندھے کے پاس آکر کہا تجھے کون سی چیز زیادہ پسند ہے؟ اندھے نے کہا کہ اللہ تعالیٰ میری بینائی لوٹا دے تاکہ میں اس کے ذریعے سے لوگوں کو دیکھوں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: فرشتے نے اس پر ہاتھ پھیرا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی بینائی لوٹا دی، فرشتے نے پوچھا تجھے کون سا مال زیادہ پسند ہے؟ اندھے نے کہا: بکریاں، چنانچہ بچے جننے والی بکریاں اس کو دے دی گئیں، چنانچہ ان دونوں کے یہاں اور اس کے یہاں ایسی نسل بڑھی کہ کوڑھی کے اونٹوں سے ایک وادی، گنجے کی گایوں سے دوسری وادی اور اندھے کی بکریوں سے تیسری گھاٹی بھر گئی، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پھر اس فرشتے نے اسی شکل وصورت میں کوڑھی کے پاس آکر کہا میں ایک محتاج آدمی ہوں، سفر میں میرا سارا سامان ختم ہو گیا، اللہ تعالیٰ کی عنایت

کے بغیر میں نہیں پہنچ سکتا، اس لئے میں اس ذات کے واسطے سے جس نے آپ کو اچھا رنگ عمدہ کھال اور مال دیا ہے، میں آپ سے ایک اونٹ مانگتا ہوں، تاکہ میں اس کے ذریعہ سے اپنا سفر طے کرسکوں، اس نے کہا مجھ پر حقوق بہت ہیں، تو فرشتے نے کہا میں آپ کو پہچانتا ہوں کیا آپ کوڑھی نہیں تھے؟ جس کی وجہ سے لوگ آپ سے نفرت کرتے تھے، آپ فقیر بھی تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو مال دیا تو اس نے کہا: کہ یہ مال مجھے آباء واجداد سے وراثت میں ملا ہے، تو فرشتے نے اس سے کہا اگر آپ جھوٹے ہیں تو اللہ تعالیٰ ویسا ہی کردے جیسا کہ تھے، پھر فرشتے نے اسی صورت میں گنجے کے پاس آ کر ویسا ہی کہا جیسا کہ کوڑھی سے کہا تھا، اور اس نے ویسا ہی انکار کیا، تو فرشتے نے اس سے کہا اگر آپ جھوٹے ہیں تو اللہ تعالیٰ ویسا ہی کردے جیسا کہ تھے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پھر اسی شکل وصورت میں اندھے کے پاس آ کر کہا میں ایک محتاج آدمی ہوں میرے سفر کا سارا سامان ختم ہوگیا ہے، میں اللہ تعالیٰ کی عنایت کے بغیر نہیں پہنچ سکتا ہوں، اس لئے میں اس ذات کے واسطے سے جس نے آپ کو بینائی لوٹائی ہے، ایک بکری مانگتا ہوں، تاکہ میں اس کے ذریعہ سے اپنا سفر طے کرسکوں، تو اس نے کہا: یقینا میں اندھا تھا، اللہ تعالیٰ نے میری بینائی لوٹائی ہے، اس لئے آپ جو چاہیں لے لیں، اور جو چاہیں چھوڑ دیں، میں آج آپ کو کسی چیز سے نہ روکوں گا، آپ لینے میں پریشانی محسوس نہ کریں، تو فرشتے نے کہا کہ آپ لوگ اپنا مال رکھئے، آپ لوگ آزمائے گئے؛ اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہے، اور آپ کے دونوں ساتھیوں سے ناراض ہے۔"

تشریح: اس حدیث شریف کا خلاصہ یہ ہے کہ اس میں بنی اسرائیل کے تین ایسے آدمی کا تذکرہ ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے مال و دولت سے آزمایا ان میں سے ایک اللہ تعالیٰ کا شکریہ بجالایا اور دو نے ناشکری کی اس وجہ سے اللہ تعالیٰ ان دونوں سے ناراض ہوگیا، اور ایک سے راضی رہا۔

ابرص و اقرع و اعمی: ثلاثۃ سے بدل ہے، اسی لئے منصوب ہے۔

فبعث الیھم ملکا: اللہ تعالیٰ نے فقیر کی شکل وصورت میں ایک فرشتہ بھیجا۔

قد قذرنی الناس: یعنی لوگ اس برص کی وجہ سے مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔

شک اسحاق: یہ اسحاق بن عبداللہ ہیں۔

قال احدھما الخ: یعنی اسحاق کو یہ معلوم تھا کہ کوڑھی اور گنجے میں سے ایک نے اونٹ کی اور دوسرے نے گائے کی خواہش ظاہر کی لیکن ان کو یہ یقین سے پتہ نہ چل سکا کہ اونٹ کی کس نے خواہش کی تھی، اور گائے کی کس نے؟

ناقۃ عشراء: ایسی اونٹنی کو کہا جاتا ہے جس کے حمل کی مدت دس ماہ ہو، یعنی بیانے کی مدت کے قریب ہو لیکن بعد میں ہر حاملہ اونٹنی کے لئے یہ لفظ بولا جانے لگا۔

فقال قد کنت اعمی: یعنی فرشتے نے جب اندھے کو زمانہ گذشتہ یاد دلایا کہ آپ اندھے تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی بینائی لوٹائی ہے، اور مال و دولت سے بھی نوازا تو اس نے اس کا اعتراف کیا، اور اپنا سارا مال اس فرشتے کے سامنے پیش کر دیا۔

فائدہ: معلوم ہوا بندہ کو اپنی پہلی حالت نہیں بھولنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی پوری پوری شکرگذاری کرنا چاہئے۔ نیز شکرگذاری سے نعمتیں بڑھتی ہیں، گھٹتی نہیں، اور ناشکری سے نعمتیں جاتی رہتی ہیں، غرباء مساکین، مسافرین کی ضرورت پوری کرنے کی فضیلت بھی ظاہر ہے۔

سائل کو خالی ہاتھ نہ لوٹاؤ

{۱۷۸۵} وَعَنْ اُمِّ بُجَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) اِنَّ الْمِسْكِيْنَ لَيَقِفُ عَلٰى بَابِيْ حَتّٰى اسْتَحْيِيْ فَلَا اَجِدُ فِيْ بَيْتِيْ مَا اَدْفَعُ فِيْ يَدِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِدْفَعِيْ فِيْ يَدِهٖ وَلَوْ ظِلْفًا مُحَرَّقًا۔ (رواہ احمد وابوداؤد والترمذی) وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔

حوالہ: مسند احمد: ۳۸۲/۶، ابوداؤد شریف: ۲۳۵/۱، باب حق السائل، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۱۶۶۷۔ ترمذی شریف: ۱۴۴/۱، باب ماجاء فی حق السائل،

کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر:۶۶۵۔

حل لغات: ادفع: دفع (ف) دفعا: دینا، ظلفا: کھر، جمع: ظلوف۔

ترجمہ: حضرت ام بجید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اکرم ﷺ سے کہا کہ مسکین جب میرے دروازے پر کھڑا ہوتا ہے تو مجھے شرم آتی ہے اس لئے کہ میں اپنے گھر میں اس کے ہاتھ میں دینے کے لئے کچھ نہیں پاتی ہوں، تو حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اس کے ہاتھ میں دے دو اگر چہ جلا ہوا کھر ہو۔''

تشریح: ام بجید: ان کا نام حواء بنت یزید بن سکن تھا۔

لیقف علی بابی: دروازے پر کھڑے ہونے کا مطلب مانگنا ہے، اور فقیر کی عادت بار بار مانگنے کی ہے، اس لئے وہ شرم محسوس کرتی تھیں کہ مکرر مانگا جارہا ہے، لیکن دینے کے لئے کچھ نہیں ہے۔

فلا اجد فی بیتی ما ادفع: تو انہوں نے یہ شکایت حضرت نبی کریم ﷺ سے کی کہ ایسی حالت میں میں کیا کروں؟

ادفعی فی یدہ ولو ظلفا محرقا: اگر کوئی چیز سائل کو دینے کے لئے نہ پائے سوائے ظلفِ محرق کے (جلا ہوا گائے یا بکری کا کھر) تو وہی دیدے۔

کہا گیا ہے کہ یہ بطور مبالغہ کے ہے، مراد معمولی اور حقیر شیٔ ہے، مقصد یہ ہے کہ سائل کو خالی ہاتھ واپس نہ جانے دے، اور بعض کہتے ہیں کہ نہیں! بلکہ حقیقت مراد ہے اس لئے کہ بعض لوگ بکری وغیرہ کے کھر کو آگ پر جلا کر اس کو پیس کر رکھ لیتے ہیں، اور پھر ضرورت اور مجبوری کی حالت میں اس کو پھانکتے ہیں۔ (الدر المنضود: ۳/۱۲۳) مرقاۃ: ۴۶۸/۲۔

گوشت کا پتھر بن جانا

{۱۷۸۶} وَعَنْ مَوْلًى لِعُثْمَانَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ

اُھْدِیَ لِاُمِّ سَلَمَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہَا بُضْعَۃٌ مِنَ اللَّحْمِ وَکَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُعْجِبُہُ اللَّحْمُ فَقَالَتْ لِلْخَادِمِ ضَعِیْہِ فِی الْبَیْتِ لَعَلَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَاْکُلُہُ فَوَضَعَتْہُ فِیْ کُوَّۃِ الْبَیْتِ وَجَاءَ سَائِلٌ فَقَامَ عَلَی الْبَابِ فَقَالَ تَصَدَّقُوْا بَارَکَ اللّٰہُ فِیْکُمْ فَقَالُوْا بَارَکَ اللّٰہُ فِیْکَ فَذَھَبَ السَّائِلُ فَدَخَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا اُمَّ سَلَمَۃَ! ھَلْ عِنْدَکُمْ شَیْءٌ اَطْعَمُہٗ فَقَالَتْ نَعَمْ قَالَتْ لِلْخَادِمِ اذْھَبِیْ فَأْتِیْ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِذٰلِکَ اللَّحْمِ فَذَھَبَتْ فَلَمْ تَجِدْ فِی الْکُوَّۃِ اِلَّا قِطْعَۃَ مَرْوَۃٍ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاِنَّ ذٰلِکَ اللَّحْمَ عَادَ مَرْوَۃً لِمَا لَمْ تُعْطُوْہُ السَّائِلَ۔ ﴿رواہ البیہقی فی دلائل النبوۃ﴾

حوالہ: دلائل النبوۃ للبیھقی:۶/۳۰۰، باب ماجاء فی لحم الذی صار حجرا، جماع ابواب اسئلہ الیھود۔

حل لغات: بضعۃ: گوشت کا ٹکڑا، جمع: بضع و بضع، کوۃ: بمعنی طاقچہ، مروۃ: سفید پتھر، جمع: مرو۔

ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مولیٰ سے روایت ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو گوشت کا ٹکڑا ہدیہ کیا گیا، حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گوشت پسند فرماتے تھے، تو انہوں نے خادمہ سے کہا: اسے گھر میں رکھ دو، شاید حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کو کھائیں، چنانچہ انہوں نے اس کو گھر کے طاقچے میں رکھ دیا، اتنے میں ایک سائل نے دروازے پر کھڑے ہو کر کہا: خیرات کیجئے اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کے حق میں برکت کرے، تو ان لوگوں نے کہا اللہ تعالیٰ تمہارے حق میں برکت کرے، تو سائل چلا گیا، پھر حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے، تو انہوں نے کہا اے ام سلمہ! کیا تمہارے پاس کھانے کے لئے کچھ ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ ہاں اور خادمہ سے کہا جاؤ حضرت نبی کریم ﷺ کے لئے وہ گوشت لاؤ، تو خادمہ گئی تو طاقچے میں گوشت نہیں ملا، بلکہ پتھر کا ٹکڑا تھا، تو حضرت نبی کریم ﷺ

نے ارشاد فرمایا: ''یقیناً وہ گوشت سائل کو نہ دینے سے پتھر بن گیا۔''

تشریح: حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گھر کی شان ہی نرالی تھی، وہاں پر ذرا ذرا سی کوتاہی کو بھی برداشت کیا جانا دشوار تھا، اسی بنیاد پر تھوڑا سا گوشت جو ضرورت کے لئے ہی رکھا گیا تھا، اتنے میں کسی سائل نے سوال کر دیا، یہ ضروری بھی نہ تھا کہ سائل کو وہی گوشت دے دیا جائے، لہٰذا اس سائل کو کچھ نہ دیا گیا، اور وہ واپس چلا گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس گوشت کو پتھر بنا دیا، اس لئے آدمی کو چاہئے کہ جب کوئی سائل مانگ لے تو اس کی ضرورت پوری کی جائے، خالی ہاتھ اس کو واپس نہ کیا جائے۔

من لحم: **لحم** سے پکا ہوا گوشت مراد ہے۔

فقالت للخادم: لفظ خادم کا اطلاق مذکر و مؤنث دونوں پر ہوتا ہے، یہاں مؤنث مراد ہے، یعنی حضرت ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خادمہ سے کہا۔

کوۃ البیت: گھر کے طاقچے کو کہتے ہیں۔

الا قطعۃ مروۃ: مروہ سفید پتھر کو کہا جاتا ہے۔

عاد: صار کے معنی میں ہے، یعنی وہ گوشت پتھر ہو گیا۔ (مرقاۃ: ۴۶۸/ ۲)

فوائد: (۱)......ضرورت مند کو اس کے سوال کے باوجود نہ دینے کی نحوست معلوم ہوئی۔

(۲)...... جو اللہ تعالیٰ کے خاص اور مقرب بندے ہوتے ہیں بعض دفعہ ان کو دنیا ہی میں تنبیہ کر دی جاتی ہے۔

گھٹیا آدمی کی علامت

{۱۷۸۷} **وَعَنْ** ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِشَرِّ النَّاسِ مَنْزِلاً قِيْلَ نَعَمْ قَالَ الَّذِيْ يُسْئَلُ بِاللّٰهِ وَلَا يُعْطِيْ بِهٖ۔ (رواہ احمد)

حوالہ: مسند احمد: ۱/ ۳۲۲۔

حل لغات: شر: برائی، جمع: شرور۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کہ کیا میں تمہیں نہ بتلاؤں مرتبے کے لحاظ سے سب سے برا آدمی کون ہے؟ کہا گیا جی بتلائیے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس سے اللہ تعالیٰ کے واسطے سے سوال کیا جائے اور وہ اس کو نہ دے۔''

تشریح: سائل نے کسی شخص سے اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر مانگا (یوں کہا مجھے اللہ کے واسطے دیدو) اور اس شخص نے اس کے باوجود سائل کو کچھ نہ دیا، تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو بہت حقیر درجہ رکھتے ہیں، تاہم واضح رہے کہ سائل کے مستحق نہ ہونے کے صورت میں یا جس شخص سے سوال کیا گیا اس کے پاس اس کی اپنی اور اپنے اہل وعیال کی حاجت سے زائد کچھ نہ ہو تو سائل کا سوال پورا نہ کرنے کی صورت میں گنہگار نہ ہوگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب کوئی اللہ تعالیٰ کے واسطے سے مانگ بیٹھے تو اس کو کچھ نہ کچھ ضرور دیا جائے۔ (مرقاۃ: ۴۶۹/۲)

دولت سے متعلق حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا نقطہ نظر

{۱۷۸۸} وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّہٗ اسْتَأْذَنَ عَلٰی عُثْمَانَ فَأَذِنَ لَہٗ وَبِیَدِہٖ عَصَاہُ فَقَالَ عُثْمَانُ یَاکَعْبُ! اِنَّ عَبْدَالرَّحْمٰنِ تُوُفِّیَ وَتَرَکَ مَالًا فَمَا تَرٰی فِیْہِ فَقَالَ اِنْ کَانَ یَصِلُ فِیْہِ حَقَّ اللّٰہِ فَلَا بَأْسَ عَلَیْہِ فَرَفَعَ اَبُوْذَرٍّ عَصَاہُ فَضَرَبَ کَعْبًا وَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَا اُحِبُّ لَوْ اَنَّ لِیْ ھٰذَا الْجَبَلَ ذَھَبًا اُنْفِقُہٗ وَیُتَقَبَّلُ مِنِّیْ اَذَرُ خَلْفِیْ مِنْہُ سِتَّ اَوَاقِیَ اَنْشُدُکَ بِاللّٰہِ یَا عُثْمَانُ! اَسَمِعْتَہٗ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ قَالَ نَعَمْ۔ (رواہ احمد)

حوالہ: مسند احمد: ۱/ ۶۳۔

حل لغات: عصاہ: لاٹھی، جمع: عصی و عصی، یصل: وصل (ض) وصلا: جوڑنا، ملانا۔

ترجمہ: حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اندر آنے کی اجازت مانگی تو ان کو اجازت دے دی گئی، اس حال میں کہ ان کے ہاتھ میں لاٹھی تھی، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اے کعب! عبدالرحمن کا انتقال ہوا اور انہوں نے مال چھوڑا ہے، اس مال کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ تو کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: اگر وہ اللہ تعالیٰ کا حق اداء کرتے تھے تو کوئی حرج نہیں ہے، تو ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا ڈنڈا اٹھا کر کعب رضی اللہ عنہ کو مارا اور فرمایا: کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: اگر میرے پاس اس پہاڑ کے برابر سونا ہو تو میں اس کو خرچ کردوں اور وہ قبول ہو جائے تو مجھے پسند نہیں ہے کہ اس میں سے چھ اوقیہ چھوڑ جاؤں۔ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کر کے تین مرتبہ کہا، میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں کیا آپ نے یہ نہیں سنا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ ہاں میں نے سنا ہے۔

تشریح: مال کے سلسلے میں حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ آئندہ کے لئے بالکل نہ جمع کیا جائے، اور اس پر وہ مضبوطی کے ساتھ عامل تھے، نہ اپنے حق میں اس کے قائل تھے، اور نہ ہی کسی دوسرے کے لئے وہ اس کو پسند کرتے تھے، چنانچہ وہ کسی پر بھی برس پڑتے تھے۔ ورنہ جہاں تک شرعی مسئلہ کی بات ہے تو جمہور کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ہر وہ مال اور دولت جس کی زکوۃ اداء کی جاتی ہے اس کے جمع کرنے اور اپنے پاس رکھ چھوڑنے میں چنداں مضائقہ نہیں، گرچہ وہ کتنی ہی بڑی تعداد اور کتنی ہی زیادہ مقدار میں ہو۔

استأذن علی عثمان: یعنی حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات کے لئے اندر آنے کی اجازت مانگی۔

وبیدہ عصاہ: یعنی حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

خدمت میں اس شان سے آئے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں لاٹھی تھی۔

وترک مالا: بہت زیادہ مال چھوڑا تھا، جس کی قیمت تقریباً تین لاکھ بیس ہزار دینار کے بقدر تھی۔

فما تری فیہ: یعنی کیا ان کو اس کثرت مال سے آخرت میں کسی نقصان کا سامنا تو نہیں کرنا پڑیگا؟ تو کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے مالی حقوق اداء کرتے رہے تھے تو ان کو کسی نقصان کا سامنا کرنا نہیں پڑے گا۔

فرفع ابوذر رضی اللہ عنہ عصاہ الخ: حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے کیوں مارا؟ اس کی کئی توجیہ کی جاتی ہیں، ان میں سے ایک توجیہ یہ ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ایک حالت طاری تھی، اس سے مغلوب ہوکر انہوں نے کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ہاتھ اٹھا دیا تھا۔ (مرقاۃ: ۱۹۷) لیکن سوال یہ ہے کہ یہ سوال پیدا ہی کیوں ہوا کہ ابوذر رضی اللہ عنہ نے کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر المؤمنین کے سامنے کیوں مارا؟ میرے خیال میں یہ سوال ہی نامناسب ہے، اس لئے کہ ضارب ابوذر رضی اللہ عنہ ہیں، اور مضروب (یعنی مار کھانے والے) کعب احبار رضی اللہ عنہ ہیں، اور عینی خود امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، نہ کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کا کوئی نوٹس لیا، نہ ہی امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوئی ایکشن لیا، اس وقت کے کیا حالات تھے وہ اگر سامنے آجائیں تو شاید لوگوں کے سارے شکوک وشبہات ختم ہوجائیں۔

ھذا الجبل: جبل سے احد پہاڑ مراد ہے۔

فائدہ: اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ صابر فقیر کا درجہ غنی شاکر سے بڑھا ہوا ہے۔

(التعلیق: ۲/۳۴۴، مرقاۃ: ۴۶۹/۲)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ پر زہد کا غلبہ تھا، اور ضرورت سے زائد کچھ مال جمع کرنا بھی وہ جائز نہیں سمجھتے تھے، اور کسی صحابی رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ بھی مال ہوجاتا اسی کے پاس لاٹھی لے کر پہنچ جاتے تھے

کہ یہ مال کیوں جمع کیا، اور کسی مالدار صحابی سے ان کی نہیں بنتی تھی۔ اسی لئے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان کو مدینہ طیبہ سے باہر ربذہ قیام پر منتقل فرمادیا تھا۔ یہاں تک کہ آخر حیات تک وہیں رہے اور وہیں وفات پائی۔

مال سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا احتراز

{۱۷۸۹} وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ صَلَّيْتُ وَرَاءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِيْنَةِ الْعَصْرَ فَسَلَّمَ ثُمَّ قَامَ مُسْرِعاً فَتَخَطّٰى رِقَابَ النَّاسِ اِلٰى بَعْضِ حُجَرِ نِسَائِهٖ فَفَزِعَ النَّاسُ مِنْ سُرْعَتِهٖ فَخَرَجَ عَلَيْهِمْ فَرَاٰى اَنَّهُمْ قَدْ عَجِبُوْا مِنْ سُرْعَتِهٖ قَالَ ذَكَرْتُ شَيْئاً مِنْ تِبْرٍ عِنْدَنَا فَكَرِهْتُ اَنْ يَّحْبِسَنِيْ فَاَمَرْتُ بِقِسْمَتِهٖ۔ ﴿رواہ البخاری﴾ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهٗ قَالَ كُنْتُ خَلَّفْتُ فِي الْبَيْتِ تِبْراً مِنَ الصَّدَقَةِ فَكَرِهْتُ اَنْ اُبَيِّتَهٗ۔

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۱۱۷، باب من صلی بالناس فذکر حاجتہ الخ، کتاب الاذان، حدیث نمبر: ۸۴۷۔

حل لغات: مسرعا: سرع (س) سرعۃ: جلدی کرنا، فتخطی: خط (ن) خطا الرقاب: گردن پھلانگنا، حجر: جمع ہے 'حجرۃ' کی، بمعنی کمرہ، تبر: سونے کا ڈلا، خلفت: خلف (تفعیل) پیچھے چھوڑنا۔

ترجمہ: حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے مدینہ منورہ میں عصر کی نماز پڑھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا پھر جلدی سے کھڑے ہو کر لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حجروں میں سے ایک میں تشریف لے گئے، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جلد بازی کی وجہ سے لوگ گھبرائے، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لوگوں کے سامنے آئے تو دیکھا کہ

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس جلد بازی کی وجہ سے لوگوں کو تعجب ہوا ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مجھے سونے کا وہ ڈلا یاد آ گیا جو ہمارے پاس رکھا ہوا تھا، تو مجھے ناپسند ہوا کہ وہ سونا مجھے روکے، اس لئے میں نے اس کے تقسیم کرنے کا حکم دے دیا۔ (بخاری) اور بخاری ہی کی دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ میں گھر میں صدقہ کے سونے کا ایک ڈلا چھوڑ آیا تھا، تو مجھے ناپسند ہوا کہ رات میں اسے اپنے پاس روکے رکھوں۔

تشریح: ففزع الناس من سرعتہ: یعنی حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس طرح جلدی سے اٹھ کر تشریف لیجانے سے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو بڑی حیرت ہوئی۔

فرای انھم عجبوا من سرعتہ: حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیکھا کہ میری اس جلد بازی کی وجہ سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بڑی حیرت ہے۔

قال ذکرت شیئا الخ: تو حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پورا واقعہ سنایا کہ آج صدقہ کا سونا آیا ہوا تھا، اور وہ میرے پاس ہی تھا ابھی مجھے یاد آیا اس کے لئے میں اندر گیا تھا، اور اس کو تقسیم کرنے کا حکم لے کر آیا ہوں اس لئے کہ مجھے یہ ناپسند ہے کہ وہ سونا میرے پاس ایک رات بھی رہ جائے۔

فوائد: (۱)......حدیث پاک سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دنیا اور دنیا کے مال ومتاع سے کمال بے رغبتی ظاہر ہوئی۔

(۲)......صدقہ اور زکوۃ کے اموال کو خرچ کرنے میں جلدی کرنا چاہئے۔

(۳)......اگر کسی سے خلاف معمولی کوئی کام سرزد ہوا اور اس کے متعلقین کو اس سے تعجب وحیرت ہو تو اس کی وجہ بیان کر دینا چاہئے تاکہ لوگوں کو اطمینان ہو جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری صدقہ

{۱۷۹۰} وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا اَنَّہَا قَالَتْ کَانَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عِنْدِیْ فِیْ مَرَضِہٖ سِتَّةُ دَنَانِیْرَ اَوْ سَبْعَةٌ فَاَمَرَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ أَنْ أُفَرِّقَهَا فَشَغَلَنِیْ وَجْعُ نَبِیِّ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ سَأَلَنِیْ عَنْہَا مَا فَعَلَتِ السِّتَّةُ اَوِ السَّبْعَةُ قَالَتْ لَا وَاللّٰہِ لَقَدْ کَانَ شَغَلَنِیْ وَجْعُکَ فَدَعَا بِہَا ثُمَّ وَضَعَہَا فِیْ کَفِّہٖ فَقَالَ مَا ظَنُّ نَبِیِّ اللّٰہِ لَوْ لَقِیَ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ وَھٰذِہٖ عِنْدَہٗ۔ (رواہ احمد)

حوالہ: مسند احمد: ۱۰۴/۶۔

حل لغات: مرض: بیماری، جمع: امراض، دنانیر: سونے کے سکے، واحد: دینار، افرقھا: فرق (تفعیل) جدا کرنا، تقسیم کرنا۔ فشغلنی: شغل (ف) شغلا: مشغول کرنا، وجع: تکلیف، مرض، جمع: وجاع۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الوفات میں ان کے چھ یا سات دینار میرے پاس تھے، تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ ان کو تقسیم کر دو، لیکن حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیماری نے مجھے مشغول کر دیا، پھر حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا ان چھ یا سات کا کیا کیا؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کچھ نہیں، خدا کی قسم آپ کی بیماری نے مجھے مشغول کر دیا، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو منگوایا اور اپنی ہتھیلی پر رکھ کر ارشاد فرمایا: اللہ کے نبی کا کیا گمان ہے؟ اگر وہ اللہ عزوجل سے ملے اور یہ دینار ان کے پاس ہوں۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات میں فیاضی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، اس

لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی آخری زندگی میں بھی اس کے متمنی ہیں کہ میرے پاس کچھ بھی باقی نہ رہے، چنانچہ ان کے ۶ / یا ۷ / دینار حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تھے، تو انہوں نے ان دنانیر کو راہ خدا میں خرچ کرنے کا حکم دیا، اس لحاظ سے یہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری صدقہ کہا جا سکتا ہے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دنیا سے اس حال میں رخصت ہونا کہ اس کے گھر میں یہ چند دینار بھی موجود ہوں اس کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گوارا نہیں فرمایا۔ (مرقاۃ: ۴/۷۰/۲، التعلیق: ۲/۳۴۵)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو توکل کی تلقین

{۱۷۹۱} وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلٰى بِلَالٍ وَعِنْدَهٗ صُبْرَةٌ مِّنْ تَمرٍ فَقَالَ مَا هٰذَا يَا بِلَالُ! ؟ قَالَ شَيْئٌ اَدَّخَرْتُهٗ لِغَدٍ فَقَالَ اَمَا تَخْشٰى اَنْ تَرٰى لَهٗ غَدًا بُخَارًا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَنْفِقْ بِلَالُ وَلَا تَخْشَ مِنْ ذِي الْعَرْشِ اِقْلَالًا۔

حوالہ: بیہقی شعب الایمان: ۳/۲۰۹، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۳۲۳۸۔

حل لغات: دخل: (ن) دخولا علیہ: ملاقات کرنا، صبرۃ: غلے کا ڈھیر، جمع: صبار، بخار: بھاپ، جمع: ابخرۃ، اقلالا: کم سمجھنا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات کی، اور ان کے پاس کھجور کا ایک ڈھیر تھا، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے بلال! یہ کیا ہے؟ تو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یہ وہ چیز ہے جس کو میں نے کل کے لئے جمع کرلیا ہے، تو حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ تو اس سے نہیں ڈرتا کہ کل قیامت کے دن اس کی وجہ سے جہنم میں دھواں دیکھے، اے

بلال! اس کو خرچ کر اور عرش والے سے کمی کا خوف مت کر۔

تشریح: آدمی کے پاس دولت ہو تو اس کو خرچ کرتے رہنا چاہئے، اس خوف سے ہاتھ روکے نہ رکھے کہ اگر ہم نے خرچ کر دیا تو کم ہو جائے گا، پھر ہمارا کیا ہوگا۔

قال شیء ادخرته لغد: یعنی ہم نے کھجوروں کا یہ ڈھیر اس لئے لگایا ہے کہ مستقبل میں ضرورت پڑے تو یہ کام آئے، اور بہ آسانی اپنی ضرورت پوری کر سکیں۔

فقال اما تخشی الخ: یعنی یہ مال قیامت کے دن جہنم کا دھواں بن کر تمہارے سامنے آئیگا، جس سے تمہیں تکلیف ہوگی، اس لئے اس کو خرچ کر ڈالو، اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے، کم ہونے کی فکر نہ کرو۔ پس آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ حکم حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے متوکلانہ طریق زندگی کی مناسبت سے دیا، تاکہ وہ ذاتِ حق تعالیٰ پر اعتماد و یقین اور توکل کا مقامِ کمال حاصل کر سکیں، ورنہ جہاں تک عام نوعیت کا تعلق ہے تو گھر والوں کی سال بھر کی غذائی ضروریات کا ذخیرہ کر کے رکھنا بلا کراہت جائز ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۴۷۰)

سخی کے لئے بشارت

{۱۷۹۲} وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّخَاءُ شَجَرَةٌ فِي الْجَنَّةِ فَمَنْ كَانَ سَخِيًّا اَخَذَ بِغُصْنٍ مِنْهَا فَلَمْ يَتْرُكْهُ الْغُصْنُ حَتّٰى يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ وَالشُّحُّ شَجَرَةٌ فِي النَّارِ فَمَنْ كَانَ شَحِيْحاً اَخَذَ بِغُصْنٍ مِنْهَا فَلَمْ يَتْرُكْهُ الْغُصْنُ حَتّٰى يُدْخِلَهُ النَّارَ۔

﴿رواهما البيهقي في شعب الايمان﴾

حوالہ: بیھقی فی شعب الایمان: ۷/۴۳۵، کتاب الجود والسخاء، حدیث نمبر: ۱۰۸۷۷۔

حل لغات: شجرۃ: درخت، جمع: اشجار، غصن: شاخ، جمع: اغصان۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا: ''سخاوت جنت میں ایک درخت ہے تو جو شخص سخی ہوگا وہ اس کی شاخ پکڑے گا تو وہ شاخ اس کو نہیں چھوڑے گی، یہاں تک کہ اس کو جنت میں داخل کردے، اور بخل جہنم میں ایک درخت ہے، تو جو بخیل ہوگا وہ اس کی شاخ پکڑے گا تو وہ شاخ اس کو نہیں چھوڑے گی یہاں تک کہ اس کو جہنم میں داخل کردے۔''

تشریح: جنت میں سخی نامی اور جہنم میں بخل نام سے دو درخت ہیں تو جو سخی ہے وہ قیامت کے دن سخی آدمی جنت والے درخت کی جانب اور بخیل جہنم کے درخت کی طرف مائل ہوگا، اور اس قدر مائل ہوگا کہ سخی اور بخیل دونوں طرح کے لوگ ان دونوں درختوں سے چمٹ جائیں گے، اور وہ دونوں درخت سخی کو جنت اور بخیل کو جہنم میں پہنچا کر دم لیں گے۔

السخاء شجرۃ فی الجنۃ الخ: سخاوت کو درخت سے اس لئے تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح سے درخت کی شاخیں دور دور تک پھیلی ہوئی ہوتی ہیں، ویسے ہی سخاوت کے اثرات بہت دور تک پھیلے ہوئے ہوتے ہیں، اور اس کی نوعیتیں اور صورتیں بھی بہت ہیں، یہی حال بخل کا ہے۔ (مرقاۃ: ۱۷۴/۱، التعلیق: ۳۴۵/۲)

صدقے کی برکت

{۱۷۹۳} وَعَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَادِرُوْا بِالصَّدَقَۃِ فَاِنَّ الْبَلَاءَ لَا یَتَخَطَّاھَا۔ (رواہ رزین)

حوالہ: رزین۔

حل لغات: بادروا: بدر (ن) بدورا، بادر (مفاعلت) الی الشیئ: جلدی کرنا، البلائ: ایسا غم جو جسم کو گھلا دے۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشادفرمایا: ’’صدقہ کرنے میں جلدی کرواس لئے کہ مصیبت صدقہ سے آگے نہیں بڑھ سکتی ہے۔‘‘

تشریح: صدقہ کرتے رہنا چاہئے اس سے مصیبت ٹلتی ہے۔

بادروا بالصدقۃ: یعنی صدقہ دینے میں جلدی کرو۔

فان البلاء لایتخطأھا: یعنی مستحقین کو جب صدقہ دیا جاتا رہے گا تو وہ صدقہ بلاؤں اور مصیبتوں کو روک دے گا۔ اور صدقہ کی برکت سے صدقہ کرنے والا شخص آفات وبلیات سے محفوظ رہے گا۔

10 Babu Fazlis Sadaqati

باب فضل الصدقة

(صدقہ کی فضیلت کا بیان)

رقم الحدیث: ١٧٩٤/ تا ١٨٣٢/

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

باب فضل الصدقۃ

(صدقہ کی فضیلت کا بیان)

﴿الفصل الاول﴾

مال حرام سے صدقہ

{۱۷۹۴} وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدْلِ تَمْرَةٍ مِنْ كَسْبٍ طَیِّبٍ وَلَا یَقْبَلُ اللّٰہُ اِلَّا الطَّیِّبَ فَاِنَّ اللّٰہَ یَتَقَبَّلُهَا بِیَمِیْنِهٖ ثُمَّ یُرَبِّیْهَا لِصَاحِبِهَا كَمَا یُرَبِّیْ اَحَدُكُمْ فَلُوَّهٗ حَتّٰی تَكُوْنَ مِثْلَ الْجَبَلِ۔ ﴿متفق علیہ﴾

حوالہ: بخاری شریف: ۱/ ۱۸۹، باب الصدقۃ من کسب طیب، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۱۳۹۲۔ مسلم شریف: ۱/ ۳۲۶، باب بیان اسم الصدقۃ قد یقع علی کل نوع من المعروف، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۱۰۱۴۔

حل لغات: عدل: بمعنی مثل، برابر، جمع: اعدال، کسب: بمعنی کمائی، کسب (ض) کسبا: کمائی کرنا، فلو: بچھڑا، جمع: افلائ۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص کھجور کے برابر حلال مال صدقہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ حرام مال

قبول نہیں کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے دائیں ہاتھ سے قبول کرتا ہے، پھر صاحب صدقہ کے لئے اس کو پالتا ہے، جیسے تم میں سے کوئی اپنا بچھڑا پالتا ہے، یہاں تک کہ وہ پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔"

تشریح: اللہ تعالیٰ حرام مال کو قبول نہیں کرتا ہے، ہاں جب کوئی حلال مال کی خیرات کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو قبول کر کے اس کو بڑھا کر پہاڑ کے برابر کر دیتا ہے۔

من کسب: حدیث شریف میں لفظ کسب یعنی کمائی ہے، یہ کمائی مطلق ہے، وہ کمائی خواہ زراعت ہو کہ تجارت، صناعت ہو کہ کوئی اور ذریعہ ہدیہ میراث وغیرہ۔ اس حدیث شریف سے کمائی کے تمام حلال ذرائع مراد ہیں۔

ولا یقبل اللّٰہ الخ: یہ شرط اور جزاء کے درمیان جملہ معترضہ ہے، اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مال حرام کی خیرات کو قبول نہیں کرتا ہے۔

یتقبلها بیمینه: اس سے مراد حسن قبولیت ہے۔

ثم یربیها: یہ کنایہ ہے زیادتی سے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اتنا بڑھائیں گے کہ معمولی سا صدقہ اجر و ثواب میں پہاڑ کے برابر ہو جائے گا۔ (مرقاۃ: ۲/۴۷۱)

صدقہ سے مال کم نہیں ہوتا

{۱۷۹۵} وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَانَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ وَمَا زَادَ اللّٰهُ عَبْداً بِعَفْوٍ اِلَّا عِزًّا وَمَاتَوَاَضَع اَحَدٌ لِلّٰهِ اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۲/۳۲۱، باب استحباب العفو والتواضع، کتاب البر والصلة، حدیث نمبر: ۲۵۸۸۔

حل لغات: نقصت: نقص (ن) نقصا و نقصانا: کم ہونا، عزا: بمعنی عزت، تواضع: وضع (ف) وضعا نفسه: اپنے آپ کو ذلیل کرنا، تواضع (تفاعل) خاکسار ہونا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’صدقہ مال کو کم نہیں کرتا، معافی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بندے کی عزت ہی بڑھاتا ہے، اور جو اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا رتبہ بلند کر دیتا ہے۔‘‘

تشریح: مانقصت صدقہ من مال: صدقہ کرنے سے مال کم اور گھٹتا نہیں، بلکہ اس میں مزید خیر و برکت ہوتی ہے، اور صاحب صدقہ کے رزق میں اضافہ کیا جاتا ہے گو بظاہر مال گھٹتا ہوا نظر آتا ہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ اس میں برکت ڈالدیتا ہے، اور تھوڑے پیسوں میں وہ کام ہوجاتا ہے جو بڑی رقم میں بھی نہیں ہوتا۔

مازاد اللّٰہ عبدا بعفو الا عزا: بدلہ لینے کی قدرت کے باوجود کوئی مجرم کو معاف کر دیتا ہے، تو بڑی ہمت کی بات ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ اس کی عزت میں اضافہ کر دیتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں بھی باعث عزت ہوجاتا ہے، اور مخلوق بھی اس کی عزت کرنے لگتی ہے، اور جس مجرم کو اس نے معاف کیا وہ اس کا گرویدہ ہوجاتا ہے۔

وماتواضع احد الخ: جو آدمی بڑا رتبہ رکھنے کے باوجود محض اللہ تعالیٰ کی رضامندی وخوشنودی کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی قدر و منزلت بڑھاتا ہے۔ (مرقاۃ:۱۷۱/۴/۲، التعلیق:۳۴۶/۲) کہ لوگ بھی اس کی عزت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اس کا مرتبہ بلند ہوجاتا ہے، اسی کو کسی نے کہا ہے۔ ؎

مٹادے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے
کہ دانہ خاک میں مل کر گل وگلزار ہوتا ہے

پس تواضع اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، جس کو تواضع مل گئی، اس کو بہت بڑی دولت مل گئی، اور جس کو جو کچھ ملا تواضع سے ملا۔

صدقہ کی فضیلت

{۱۷۹۶} وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَنْفَقَ زَوْجَيْنِ مِنْ شَيْءٍ مِنَ الْاَشْيَاءِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ دُعِيَ مِنْ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ وَلِلْجَنَّةِ اَبْوَابٌ فَمَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الصَّلٰوةِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّلٰوةِ وَمَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الْجِهَادِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الْجِهَادِ وَمَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الصَّدَقَةِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّدَقَةِ وَمَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الصِّيَامِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الرَّيَّانِ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ مَا عَلٰى مَنْ دُعِيَ مِنْ تِلْكَ الْاَبْوَابِ مِنْ ضَرُوْرَةٍ فَهَلْ يُدْعٰى اَحَدٌ مِنْ تِلْكَ الْاَبْوَابِ كُلِّهَا قَالَ نَعَمْ وَاَرْجُوْ اَنْ تَكُوْنَ مِنْهُمْ۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/ ۲۵۴، باب الریان للصائمین، کتاب الصوم، حدیث نمبر: ۱۸۵۹۔ مسلم شریف: ۱/ ۳۳۰، باب فضل من ضم الی الصدقۃ غیرھا من انواع البر۔ کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۱۰۲۷۔

حل لغات: دعی: مجہول کا صیغہ ہے، دعا (ن) دعوۃ: بلانا، ارجوا: رجا (ن) رجاء: پرامید ہونا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جس شخص نے چیزوں میں سے ایک جوڑا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا تو وہ جنت کے دروازے سے بلایا جائے گا، اور جنت کے کئی دروازے ہیں، تو جو نمازی ہوگا وہ "باب الصلوۃ" سے بلایا جائے گا، جو مجاہد ہوگا وہ "باب الجہاد" سے بلایا جائے گا، جو صدقہ والا ہوگا وہ "باب الصدقۃ" سے بلایا جائے گا اور جو روزے دار ہوگا وہ "باب الریان" سے بلایا جائے گا۔" اس پر ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا جو شخص ان دروازوں میں سے کسی دروازہ سے بلایا گیا تو اس کی ضرورت نہیں رہی کہ اس کو کسی اور دروازے سے بلایا جائے؛ لیکن کیا کوئی ایسا بھی ہوگا کہ وہ

ہر دروازے سے بلایا جائے گا تو حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں! اور مجھے امید ہے کہ تم ان ہی لوگوں میں سے ہو۔

تشریح: من انفق زوجین: اس حدیث شریف میں زوجین سے ایک جوڑا مراد ہے، جو عام طور سے ایک جنس کے دو افراد پر بولا جاتا ہے۔ نیز یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ ایک مرتبہ صدقہ کرنے کے بعد دوبارہ صدقہ کرے۔ یعنی اس کی دائمی عادت بنالے اور وہ خرچ کرتا ہی رہے۔

فی سبیل اللہ: یعنی اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے۔ فی سبیل اللہ سے تمام ابواب الخیر مراد ہیں، یہی تشریح حضرات محدثین کے نزدیک راجح ہے، بعض لوگوں نے فی سبیل اللہ سے جہاد مراد لیا ہے، جو مرجوح ہے۔

وللجنۃ ابواب: یعنی جنت میں آٹھ دروازے ہیں۔

فمن کان من اهل الصلوة: یعنی جو شخص نماز کا شوقین ہے، اور فرائض کے علاوہ نوافل کی بھی پابندی کرتا ہے، یا نماز کو اچھے ڈھنگ سے کامل خشوع وخضوع کے ساتھ پڑھتا ہے تو ایسے شخص کا جنت میں داخلہ باب الصلوٰۃ سے ہوگا، جسے تمام دروازوں پر ایک طرح سے برتری حاصل ہے۔

ومن کان من اهل الجهاد: یعنی وہ آدمی دوسرے اعمال بھی کرتا ہے، لیکن جہاد کا شوق اس پر غالب ہے تو اس کا جنت میں داخلہ باب الجہاد سے ہوگا۔ وعلی هکذا۔

فقال ابوبکر: جب حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تمام تفصیلات سن لی گئیں تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ جب آدمی کو ایک دروازے سے بلا کر جنت میں داخل کر دیا تو اب اس کی ضرورت تو باقی نہ رہی کہ اسکو دوسرے دروازے سے بلایا جائے، تاہم میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کوئی ایسا بھی ہوگا کہ جسے جنت کے ہر دروازے سے بلایا جائے تو حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ ہاں ایسی ایک جماعت ہوگی جسے جنت کے ہر دروازے سے جنت میں داخل ہونے کیلئے آواز دی جائے گی ان

کی تکریم وتعظیم کے لئے۔اوران میں سے ایک تم بھی ہو۔چونکہ آپؓ ان تمام خیر کی چیزوں کو اپنانے اور اختیار کرنیوالے تھے، جیسا کہ آگے آنے والی حدیث شریف سے معلوم ہوگا۔(مرقاۃ:۴/۱۷۲)

مطلب یہ ہے کہ یہ شخص تمام ارکان ادا کرتا ہے،نواہی سے بچتا ہے،لیکن اس پرکسی ایک خاص عمل کا غلبہ ہے، جیسے کسی کو نماز کا شوق زیادہ ہوتا ہے،گو دوسرے اعمال بھی برابر ادا کرتا ہے،کسی پر روزے رکھنے کا غلبہ ہوتا ہے،نفلی روزے برابر رکھتا رہتا ہے، دوسرے اعمال بھی کرتا ہے،مگر زیادہ شوق روزوں کا ہے،پس جس پر جس خاص عمل کا غلبہ ہے اس کو اس سے متعلق دروازہ سے بلایا جائے گا۔

فضیلت صدیق رضی اللہ عنہ

{۱۷۹۷} وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَصْبَحَ مِنْکُمُ الْیَوْمَ صَائِمًا قَالَ اَبُوْبَکْرٍ اَنَا قَالَ فَمَنْ تَبِعَ مِنْکُمُ الْیَوْمَ جَنَازَۃً قَالَ اَبُوْبَکْرٍ اَنَا قَالَ فَمَنْ اَطْعَمَ مِنْکُمُ الْیَوْمَ مِسْکِیْنًا قَالَ اَبُوْبَکْرٍ اَنَا قَالَ فَمَنْ عَادَ مِنْکُمُ الْیَوْمَ مَرِیْضًا قَالَ اَبُوْبَکْرٍ اَنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا اجْتَمَعْنَ فِیْ امْرَءٍ اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّۃَ۔ ﴿رواہ مسلم﴾

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۳۳۰، باب فضل من ضم الی الصدقة غیرھا من انواع البر، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر:۱۰۲۸۔

حل لغات: تبع: تبع (س) تبعا: پیچھے چلنا،الیوم: دن،جمع: ایام، اطعم: (افعال) کھانا کھلانا،عاد(ن)عودا وعیادۃ: بیمار پرسی کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشادفرمایا: تم میں آج کون روزے سے ہے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: میں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کون آج جنازہ

کے ساتھ چلا ہے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: تم میں سے آج کس نے مسکین کو کھانا کھلایا ہے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں نے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے آج کس نے مریض کی عیادت کی ہے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: میں نے، تو حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص میں یہ نیکیاں جمع ہو جائیں وہ یقیناً جنت میں جائے گا۔

تشریح: یہ چند نیکیاں ہیں جن میں یہ نیکیاں پائی جائیں گی وہ لوگ جنت میں جائیں گے۔

قال ابو بکر انا: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے "انا" کہنے کی بنیاد پر بعض لوگوں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ ان کو "انا" نہیں کہنا چاہئے، اس لئے کہ اس سے تفاخر کی بو ٹپکتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ انہوں نے تفاخر کی بنیاد پر نہیں کہا ہے، بلکہ عاجزی اور انکساری کی بنیاد پر کہا ہے، جیسے "انا الفقیر" اور "انا العبد" وغیرہ کہہ دیا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کوئی نکیر نہیں فرمائی، ورنہ اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا "انا" کہنا مذموم ہوتا تو حضرت نبی کریم ﷺ اس پر ضرور نکیر فرماتے۔

قال فمن تبع منک الیوم جنازة: یعنی جنازہ کی نماز سے پہلے چلے یا بعد میں دونوں صورتوں میں وہ فضیلت کا حق دار ہوگا۔

فقال رسول اللہ ﷺ ما اجتمعن: یعنی جس شخص میں ایک دن کے اندر یہ خصلتیں جمع ہوں گی۔

دخل الجنة: تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ یعنی بلا حساب وکتاب اس کا جنت میں داخلہ ہوگا، اور جس دروازے سے چاہے گا داخل ہوگا۔ (مرقاۃ: ۲/۴۷۲)

فائدہ: حدیث پاک سے امیر المومنین سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت ظاہر ہے۔

عورتوں کو ایک ہدایت

{۱۷۹۸} وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا نِسَاءَ الْمُسْلِمَاتِ! لَاتَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا وَلَوْ فِرْسِنَ شَاةٍ. ﴿متفق علیہ﴾

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۳۴۹، کتاب الهبة وفضلها والتحریض علیها، حدیث نمبر: ۲۴۹۵۔ مسلم شریف: ۱/۳۳۱، باب الحث علی الصدقة ولو بالقلیل، کتاب الزکوة، حدیث نمبر: ۱۰۳۰۔

حل لغات: تحقرن: حقر (ض) حقرا: ذلیل سمجھنا، لجارة: پڑوسن، جمع: جارات، فرسن: کھر، اصل میں اس گوشت کو کہتے ہیں جو دونوں کھروں کے درمیان ہوتا ہے۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اے مسلمان عورتوں! کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کو حقیر نہ سمجھے، اگرچہ بکری کا ایک کھر ہی ہو۔''

تشریح: لاتحقرن: یعنی کسی چیز کو بطور ہدیہ دینے میں اپنی خفت محسوس نہ کرے۔

جارة: ہر طرح کی پڑوسن مراد ہے، مال دار ہو یا غریب۔

ولو فرسن شاة: یعنی حقیر سے حقیر چیز اگر میسر ہو تو وہی دیدے ویسے تو عمدہ چیز دینی چاہئے جب عمدہ چیز میسر نہ ہو تو یہی دیدے۔

واضح رہے کہ اس ہدایت میں خاص طور پر عورتوں کو جو خطاب کیا گیا تو شاید اس وجہ سے کہ عورتوں کی نفسیات ذرا علیحدہ طرح کی ہوتی ہیں، ان کے مزاج میں برہمی کا عنصر زیادہ ہوتا ہے، معمولی تحفہ وغیرہ کا واپس کر دینا ان میں بہت پایا جاتا ہے۔ اور معمولی ہدیہ دینے کو حقیر اور اپنی شان کے خلاف سمجھتی ہیں، جس سے وہ خود بھی اس کے ثواب سے محروم ہوتی ہیں، اور پڑوس والے بھی اس کے ہدیہ سے محروم ہوتے ہیں۔ (مرقاة: ۲/۳۷۴، التعلیق: ۲/۳۴۸)

فائدہ: حدیث پاک سے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرنے اوران کی ضروریات کا خیال کرنے کی ترغیب بھی ثابت ہوتی ہے۔

ہر نیکی صدقہ ہے

{۱۷۹۹} وَعَنْ جَابِرٍ وَحُذَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَةٌ۔ ﴿متفق عليه﴾

حوالہ: مسلم شریف: ۱/ ۳۲۴، باب بیان اسم الصدقة یقع علی کل نوع الخ، کتاب الزکوة، حدیث نمبر: ۱۰۰۵۔ بخاری شریف: ۲/ ۸۹۰، باب کل معروف صدقة، کتاب الادب، حدیث نمبر: ۵۷۸۷۔

حل لغات: معروف: نیکی، بھلائی۔

ترجمہ: حضرت جابر اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ہر بھلائی صدقہ ہے۔"

تشریح: صدقہ کیلئے یہ ضروری نہیں ہے کہ مال ہو، بلکہ آدمی جو بھی نیک عمل کرتا ہے وہ اس کیلئے صدقہ ہے، جیسا کہ کوئی ایسا شخص ہے خود کوئی چیز صدقہ کرنے سے عاجز ہے وہ اگر کسی کا پتا بتادے یہی اس کیلئے صدقہ ہے۔ "الدال علی الخیر کفاعله"

کل معروفة صدقة: یعنی خیرات کے قبیل سے جتنے کام ہیں کوئی چیز دینا ہے یا کسی دینے والے کا پتہ بتانا ہے، یا پھر کوئی اچھی بات بتانا ہے ان تمام چیزوں میں صدقے کا ثواب ملتا ہے۔ لہذا 'کل معروف' سے مراد ہر وہ افعال واقوال ہونگے جس میں اللہ تعالی کی رضاء اور خوشنودی حاصل ہو۔ (التعلیق: ۸/ ۳۴۸/ ۲، مرقاۃ: ۳۷/ ۴/ ۲)

کسی نیکی کو حقیر نہ سمجھے

{۱۸۰۰} وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْئاً وَلَوْ اَنْ تَلْقٰى اَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلِيْقٍ۔ ﴿رواه مسلم﴾

حوالہ: مسلم شریف: ۳۲۹/۲، باب استحباب طلاقة الوجه عند اللقاء، کتاب البر والصلة، حدیث نمبر: ۲۶۲۶۔

حل لغات: طلیق: مبالغہ کا صیغہ ہے۔ طلق (ک) طلوقة: ہنس مکھ ہونا۔

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "تم کسی نیک کام کو حقیر نہ سمجھو اگر چہ تم اپنے بھائی سے مسکرا کر ملو۔"

تشریح: من المعروف شیئا: "المعروف" بہت جامع لفظ ہے، بھلائی کی جتنی صورتیں ہوسکتی ہیں سب اس میں داخل ہیں۔

ولو ان تلقی اخاک بوجه طلیق: جب کوئی کسی مسلمان سے خندہ پیشانی سے ملے گا تو اس کا دل خوش ہوگا اور کسی مسلمان کا دل خوش کرنا کوئی معمولی نیکی نہیں ہے۔ (التعلیق: ۳۴۸/۲)

اسی کو کہا گیا ہے: ع

دل بدست آور کہ حج اکبر است

اور کسی عارف نے کیا خوب کہا ہے: ؎

صد ملک دل بہ نیم نگاہے می تواں خرید
خوباں دریں معاملہ تقصیر کردہ اند

[ایک تبسم اور ایک نظر محبت سے دل کے سیکڑوں ملک خریدے جاسکتے ہیں؛ لیکن حسینوں نے اس معاملہ میں بڑی کوتاہی کی ہے۔]

کسی کو نقصان پہنچانے سے پرہیز کرے

{۱۸۰۱} وَعَنْ اَبِي مُوْسٰى الْاَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ صَدَقَۃٌ قَالُوْا فَاِنْ لَمْ یَجِدْ قَالَ فَلْیَعْمَلْ بِیَدَیْہِ فَیَنْفَعُ نَفْسَہٗ وَیَتَصَدَّقُ قَالُوْا فَاِنْ لَمْ یَسْتَطِعْ اَوْ لَمْ یَفْعَلْ قَالَ فَیُعِیْنُ ذَا الْحَاجَۃِ الْمَلْھُوْفِ قَالُوْا فَاِنْ لَمْ یَفْعَلْہُ قَالَ فَیَأْمُرُ بِالْخَیْرِ قَالُوْا فَاِنْ لَمْ یَفْعَلْ قَالَ فَیُمْسِکُ عَنِ الشَّرِّ فَاِنَّہٗ لَہٗ صَدَقَۃٌ۔ ﴿متفق علیہ﴾

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۱۹۴، باب علی کل مسلم صدقۃ، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۱۴۲۵۔ مسلم شریف: ۱/۳۲۵، باب بیان اسم الصدقۃ قد یقع علی کل نوع، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۱۰۰۸۔

حل لغات: لم یجد: وجد (ض) وجدا: پانا، فینفع: نفع (ف) نفعا: فائدہ اٹھانا، فائدہ پہنچانا، الملھوف: غمگین، جس کا مال ضائع ہوگیا ہو، لھف (س) لھفا: غمگین ہونا۔

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ہر مسلمان پر صدقہ لازم ہے۔" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اگر اس کی استطاعت نہ ہو یا ایسا نہ کرے؟ تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: غمگین ضرورت مند کی مدد کرے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اگر ایسا نہ کرے؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بھلائی کا حکم کرے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اگر ایسا نہ کرے؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کسی کو نقصان پہنچانے سے پرہیز کرے، اس کے لئے یہی صدقہ ہے۔

تشریح: علی کل مسلم صدقۃ: یعنی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کے شکرانے میں تمام مسلمانوں پر صدقہ واجب ہے۔

فان لم یجد: یعنی اسکے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کو وہ صدقہ کر سکے۔

قال فلیعمل بیدہ: یعنی اگر اس کے پاس صدقہ دینے کے لئے کچھ نہیں ہے تو اس کو چاہئے کہ کمائی کرکے اپنی ذات پر خرچ کرے، اور صدقہ بھی کرے۔

قالوا فان لم یستطع او لم یفعل: راوی کو اس میں شک ہے کہ ”لم یستطع“ کہا گیا یا ”لم یفعل“ یا دونوں کا مطلب ایک ہی ہے کہ وہ کمانے پر قادر نہ ہو تو کیا کرے۔

قال فیعین ذا الحاجة الملهوف: یعنی وہ کمانے کی استطاعت نہیں رکھتا ہے تو کسی مجبور کی مدد کرے، مدد کرنے کی مختلف صورتیں ہیں، مال سے کرے، اپنے اثر ورسوخ سے کرے، اچھی بات بتا کر کرے، یا دعاء کرے، یا اس کے علاوہ فائدہ پہنچانے کی جو بھی صورت ہو اختیار کی جا سکتی ہے۔ اور اگر ایسا بھی نہ کر سکے تو کم سے کم درجہ یہ ہے کہ اپنی ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچائے۔ (مرقاۃ: ۲/۴۷۳)

مطلب یہ ہے کہ وہ کسی کو تکلیف پہنچا سکتا تھا مگر اپنے اختیار سے تکلیف پہنچانے سے باز رہا تو اس میں بھی صدقہ کا ثواب ملے گا۔

بدن کے ہر جوڑ پر صدقہ ہے

{۱۸۰۲} وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ سُلَامٰی مِنَ النَّاسِ عَلَیْهِ صَدَقَةٌ كُلَّ یَوْمٍ تَطْلُعُ فِیْهِ الشَّمْسُ یَعْدِلُ بَیْنَ الْاِثْنَیْنِ صَدَقَةٌ وَیُعِیْنُ الرَّجُلَ عَلٰی دَابَّتِهٖ فَیَحْمِلُ عَلَیْهَا اَوْ یَرْفَعُ عَلَیْهَا مَتَاعَهٗ صَدَقَةٌ وَالْكَلِمَةُ الطَّیِّبَةُ صَدَقَةٌ وَكُلُّ خَطْوَةٍ یَخْطُوْهَا اِلَی الصَّلٰوةِ صَدَقَةٌ وَیُمِیْطُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِیْقِ صَدَقَةٌ۔ ﴿متفق علیه﴾

حواله: مسلم شریف: ۱/۳۲۵، باب بیان اسم الصدقة قد یقع علی کل نوع، کتاب الزکوة، حدیث نمبر: ۱۰۰۹۔ بخاری شریف: ۱/۴۱۹، باب من اخذ بالرکاب ونحوه، کتاب الجهاد، حدیث نمبر: ۲۸۹۷۔

حل لغات: سلامی: ہر جوڑ کی ہڈی، جمع: سلامیات، یمیط: اماط (افعال) دور کرنا۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ

نے ارشاد فرمایا: ”آدمی کے ہر جوڑ کی ہڈی میں روزانہ صدقہ ہے، دو آدمی کے درمیان انصاف کرنا صدقہ ہے، اپنی سواری کے ذریعے آدمی کی مدد کرنا صدقہ ہے، خواہ اس پر سوار کرکے ہو یا اس پر اس کا سامان لاد کر، اور اچھی بات صدقہ ہے، اور ہر وہ قدم جو نماز کے لئے چلے صدقہ ہے، اور راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا صدقہ ہے۔“

تشریح: انسان کا پورا بدن اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت ہے، اس نعمت کے شکرانے میں اس پر صدقہ ہے، اس کی ادائیگی کے مختلف طریقے ہیں، ان طریقوں میں سے دوسرے کے فائدے کے لئے جو بھی طریقہ اختیار کیا جائے صدقہ کا ثواب ملے گا۔

کل سلامی من الناس علیه صدقة: انسانی بدن کے ہر جوڑ پر صدقہ واجب ہے، یہاں جوڑ بول کر جوڑ والے کو مراد لیا گیا ہے، یعنی یہاں حقیقی معنی مراد نہیں ہے، بلکہ مجازی معنی مراد ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ انسان پر ہر ہر جوڑ کے عوض ایک صدقہ واجب ہوتا ہے، اور انسان کے بدن میں تین سو ساٹھ جوڑ ہوتے ہیں، جیسا کہ اس کے بعد والی حدیث پاک میں آ رہا ہے، اور بدن کا ہر جوڑ اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے، اور ہر روز ان تمام جوڑوں کو صحیح سلامت رکھنا، آفات و بلیات سے محفوظ رکھنا بھی اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے اس لئے کہ ایک عضو اور ایک جوڑ بھی اگر خراب ہو جائے تو انسان کا کیا حال ہو، کتنا پریشان ہو جائے بس ہر ہر عضو کے بدلہ ہر روز انسان پر اس خالق و مالک تعالیٰ شانہ کا شکر بجالانا اور ہر عضو کی طرف سے صدقہ کرنا لازم ہوا۔ پر ہر روز بندہ پر تین سو ساٹھ صدقات لازم ہوئے اور یہ بندہ چونکہ اس سے عاجز تھا، اس لئے وہ خالق و مالک، رحمن و رحیم بندہ کی ہر نیکی ہر تکبیر ہر تسبیح کو اس کی طرف سے بطور شکر و صدقہ قبول فرما لیتا ہے، اور یہ کسی انسان کے لئے کوئی مشکل نہیں، انتہائی آسان ہے، پس یہ بھی اس خالق و مالک کا عظیم احسان ہوا، اور اس پر مزید شکر کی بجا آوری اور صدقہ کرنا لازم ہوا۔ اس لئے کہ کہا جائے گا: ع

کہ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

جیسا کہ عارف شیرازی شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے:

زدست و زبان کہ بر آید
کہ از عہدۂ شکرش بدر آید
بندہ ہماں بہ کہ از تقصیر خویش
عذر بدرگاہ خدا آورد
ورنہ از حقوق خدا وندیش
کس نتواند کہ بجا آورد

[کسی شخص کے ہاتھ اور زبان میں یہ طاقت نہیں کہ اس پاک پروردگار کے شکر کی ذمہ داری پوری کرسکے، پس وہی بہتر ہے جو اپنی تقصیر وکوتاہی کا عذر درگاہ خداوندی میں پیش کرتا رہے، ورنہ اس کے حقوق خداوندی کوئی شخص پورے نہیں کرسکتا۔]

تطلع فیہ الشمس: اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ جب دن شروع ہوجائے تو صدقہ لازم ہوجاتا ہے۔

یعدل بین الاثنین صدقۃ: یعنی دو دشمنوں کے درمیان انصاف سے صلح کرادینا بھی صدقہ ہے، اسلئے کہ اس سے ظالم کا ظلم اور مظلوم کی مظلومیت دور ہوجاتی ہے۔

یخطوھا الی الصلوۃ: اس میں طواف کرنا، عیادت کے لئے جانا، کسی کے جنازہ میں شریک ہونا، طلب علم وغیرہ کے لئے نکلنا سب داخل ہے۔

ویمیط الاذی صدقۃ: یعنی راستہ سے ہر تکلیف دہ چیز کا ہٹانا صدقہ ہے، جیسے کانٹا، ہڈی اور ہر گندی چیز جس سے طبیعت نفرت کرتی ہو۔ (مرقاۃ: ۴۷۴/۲)

مطلب یہ ہے کہ اسی طرح کسی مخلوق کو فائدہ پہنچانا، ہر طاعت وعبادت اور ہر نیکی کے کام میں صدقہ کا ثواب ملتا ہے، اسی طرح مخلوق کو ایذا رساں چیزوں سے بچانا ان سب میں صدقہ کا ثواب ہے۔

انسان کے بدن میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں

{۱۸۰۳} وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُلِقَ كُلُّ اِنْسَانٍ مِنْ بَنِيْ آدَمَ عَلٰى سِتِّيْنَ وَثَلٰثِ مِائَةَ مَفْصِلٍ فَمَنْ كَبَّرَ اللّٰهَ وَحَمِدَ اللّٰهَ وَهَلَّلَ اللّٰهَ وَسَبَّحَ اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ اللّٰهَ وَعَزَلَ حَجَراً عَنْ طَرِيْقِ النَّاسِ اَوْ شَوْكَةً اَوْ عَظْماً اَوْ اَمَرَ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ نَهٰى عَنْ مُنْكَرٍ عَدَدَ تِلْكَ السِّتِّيْنَ وَالثَّلَاثِ مِأَةٍ فَاِنَّهٗ يَمْشِيْ يَوْمَئِذٍ وَقَدْ زَحْزَحَ نَفْسَهٗ عَنِ النَّارِ۔ ﴿رواہ مسلم﴾

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۳۲۵، باب بیان ان اسم الصدقۃ قد یقع علی کل نوع، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۱۰۰۷۔

حل لغات: خلق: مجہول کا صیغہ ہے، خلق (ن) خلقا: پیدا کرنا، مفصل: جوڑ، جمع: مفاصل، عزل: عزل (ض) عزلا: جدا کرنا، دور کرنا، حجرا: پتھر، جمع: احجار، طریق: راستہ، جمع: طرق، شوکۃ: کانٹا، جمع: اشواک، عظما: ہڈی، جمع: عظام۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اولاد آدم کا ہر انسان تین سو ساٹھ جوڑوں کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے، تو جو شخص اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرے، اللہ تعالیٰ کی تعریف کرے، اللہ تعالیٰ کی تہلیل کرے، اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرے، اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے، اور لوگوں کے راستے سے پتھر یا کانٹا یا ہڈی ہٹائے یا امر بالمعروف یا نہی عن المنکر کرے، ان تین سو ساٹھ جوڑ کے برابر، تو وہ اس دن اس حال میں چلے گا کہ اس نے اپنے آپ کو دوزخ سے بچالیا۔"

تشریح: انسان کے بدن کے تین سو ساٹھ جوڑ ہیں، اور ہر جوڑ پر ایک صدقہ ہے، تو جو شخص ایک دن میں تین سو ساٹھ نیکی کرے گا وہ جنتی ہے۔

فمن کبر اللّٰہ: اس کے دو مطلب ہیں، ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت بیان کی، دوسرا یہ ہے کہ "اللہ اکبر" کہا۔

وحمد اللّٰہ: یعنی اللہ تعالیٰ کی تعریف کی یا شکر بجالایا۔

وھلل اللّٰہ: یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت بیان کی، یا "لا الہ الا اللہ" کہا، یا "سبح اللہ" یعنی اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کی۔ یا سبحان اللہ کہا۔

واستغفر اللّٰہ: یعنی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی یا استغفار پڑھا۔

وعزل حجرا عن طریق الناس: یعنی راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دیا۔

وقد زحزح: یعنی جس شخص نے حدیث بالا میں مذکور چیزوں کی بجاآوری کی اس نے اپنے آپ کو جہنم سے بچالیا اور وہ شخص جنتی ہے۔ (مرقاۃ: ۴/۳۷۴/۲)

فائدہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہیں طب اور ڈاکٹری نہیں پڑھی، نہ اس زمانہ میں بالخصوص عرب میں ایسے آلات تھے جس سے انسانی بدن کے جوڑوں اور ان کی تعداد کو جانا جاسکے، پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد فرمانا کہ انسان کے بدن میں تین سو ساٹھ جوڑ ہوتے ہیں، بغیر وحی کے ممکن نہیں، یقیناً یہ وحی کے ذریعہ ارشاد فرمایا، اس لئے یہ ارشاد فرمانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کی حقانیت کی بھی دلیل ہے۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِماً اَبَدا
عَلٰی حَبِيْبِکَ خَيْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

تمام اذکار صدقہ ہیں

{۱۸۰۴} وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ بِکُلِّ تَسْبِيْحَةٍ صَدَقَةً وَکُلِّ تَکْبِيْرَةٍ صَدَقَةً وَکُلِّ تَحْمِيْدَةٍ صَدَقَةً وَکُلِّ تَهْلِيْلَةٍ صَدَقَةً وَاَمْرٍ بِالْمَعْرُوْفِ

صَدَقَةٌ وَنَهْيٌ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ وَفِيْ بُضْعِ اَحَدِكُمْ صَدَقَةٌ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ! اَيَاْتِيْ اَحَدُنَا شَهْوَتَهٗ وَيَكُوْنُ لَهٗ فِيْهَا اَجْرٌ قَالَ اَرَاَيْتُمْ لَوْ وَضَعَهَا فِيْ حَرَامٍ اَكَانَ عَلَيْهِ فِيْهِ وِزْرٌ فَكَذٰلِكَ اِذَا وَضَعَهَا فِي الْحَلَالِ كَانَ لَهٗ اَجْرٌ۔ ﴿رواه مسلم﴾

حواله: مسلم شریف: ۱/ ۳۲۴، باب بیان اسم الصدقة قدیقع الخ، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۱۰۰۶۔

حل لغات: بضع: بالضم، جماع، باضع (مفاعلت) جماع کرنا، اجر: ثواب، جمع: آجار، وزر: بوجھ، جمع: اوزار۔

ترجمه: حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہر تسبیح صدقہ ہے، ہر تکبیر صدقہ ہے، ہر تحمید صدقہ ہے، ہر تہلیل صدقہ ہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر صدقہ ہے، اور تم میں سے کسی کا جماع کرنا صدقہ ہے۔'' صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا یا رسول اللہ! کوئی اپنی شہوت پوری کرے گا تو اس کو اس میں ثواب ملے گا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم لوگوں کا کیا خیال ہے؟ اگر کوئی حرام جگہ میں اپنی شہوت پوری کرتا ہے تو اس کو گناہ ہوتا ہے، اسی طرح جب حلال جگہ شہوت پوری کرے گا تو اس کو ثواب ملے گا۔

تشریح: وفی بضع احدکم صدقة: یعنی اگر کوئی شخص حلال طریقہ سے اپنی شہوت پوری کرتا ہے تو اس پر بھی اس کو صدقے کا ثواب ملتا ہے، اس لئے کہ اس سے کئی فائدے ہیں کہ میاں بیوی کے برائی سے محفوظ رہنے کے ساتھ ساتھ نسل بھی باقی رہتی ہے، اور امت محمدیہ میں اضافہ ہوتا ہے۔

قالوا یارسول اللہ! أیاتی احدنا شهوته: حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو اس پر تعجب ہوا کہ ایک شخص اپنی شہوت پوری کرے، اور اس کو اس پر صدقہ کا ثواب بھی ملے اس لئے انہوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اپنے تعجب کا اظہار کیا کہ ایک شخص اپنی شہوت پوری کر رہا ہے، اس کو ثواب کیوں ملے گا؟ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک تمثیل

سے اس کا جواب دیا کہ اگر کوئی شخص ناجائز طریقے سے اپنی شہوت پوری کرتا ہے اس کو گناہ کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص جائز جگہ اپنی شہوت پوری کرے اس کو ثواب ملے گا۔ اس لئے اپنے آپ کو گناہ سے بچانا بھی ثواب ہے۔

فائدہ: اس سے حق تعالیٰ شانہ کے خاص لطف وکرم کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ بندہ کے اپنی خواہش پوری کرنے پر بھی اللہ تعالیٰ محض اپنے لطف وکرم سے اس کو صدقہ کا ثواب عطا فرماتے ہیں۔

بہترین صدقہ

{١٨٠٥} وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِعْمَ الصَّدَقَةُ اللِّقْحَةُ الصَّفِیُّ مِنْحَةً وَالشَّاةُ الصَّفِیُّ مِنْحَةً تَغْدُوْا بِاِنَاءٍ وَتَرُوْحُ بِاٰخَرَ۔ (متفق علیہ)

حوالہ: مسلم شریف: ١/٣٢٨، باب فضل المنیم، کتاب الزکوۃ، واللفظ للبخاری، حدیث نمبر: ١٠٢٠۔ بخاری شریف: ١/٣٥٨، باب فضل المنیحۃ، کتاب الھبۃ، حدیث نمبر: ٢٥٥٥۔

حل لغات: اللقحۃ: بالکسر والفتح، بہت دودھ دینے والی اونٹنی، جمع: لقح ولقاح، الصفی: بہت دودھ دینے والی اونٹنی، جمع: صفایا، منحۃ: عطیہ، جمع: منح۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "بہترین صدقہ زیادہ دودھ دینے والی اونٹنی اور زیادہ دودھ دینے والی بکری ہے، جو صبح اور شام برتن بھر دے۔"

تشریح: نعم الصدقۃ اللقحۃ الصفی منحۃ: حدیث شریف کے ان کلمات کا مطلب یہ ہے کہ دودھ دینے والے ان جانوروں کا صدقہ کرنا بہترین صدقہ ہے، تاکہ جنہیں صدقہ کیا جا رہا ہے وہ ان جانوروں کے دودھ سے زیادہ دنوں تک فائدہ اٹھاتے رہیں۔

تغدوا باناء وتروح بآخر: یعنی اس قدر دودھ دینے والی ہو کہ صبح اور شام برتن بھر بھر

کر دودھ دیتی ہو۔اس لئے کہ دودھ کے ذریعہ تمام اہل خانہ پرورش پاسکتے ہیں اورگذارہ کرسکتے ہیں۔

چرند پرند کا کھانا بھی صدقہ ہے

{١٨٠٦} وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ یَغْرِسُ غَرْساً اَوْ یَزْرَعُ زَرْعاً فَیَأْکُلُ مِنْہُ اِنْسَانٌ اَوْ طَیْرٌ اَوْ بَھِیْمَۃٌ اِلَّا کَانَتْ لَہٗ صَدَقَۃٌ۔ (متفق علیہ) وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِمُسْلِمٍ عَنْ جَابِرٍ وَمَا سَرَقَ مِنْہُ لَہٗ صَدَقَۃٌ۔

حوالہ: مسلم شریف: ١٦/٢ ١ ١، باب فضل الفرس والزرع، کتاب المساقاۃ، حدیث نمبر: ١٥٥٣۔ بخاری شریف: ١/ ٢ ١ ٣، باب فضل الزرع الخ، کتاب الحرث والمزارعۃ، حدیث نمبر: ٢٢٦٢۔

حل لغات: یغرس: غرس (ض) غرسا: پودا لگانا، یزرع: زرع (ف) زرعا: کھیتی کرنا، طیر: پرندہ، جمع: طیور، بھیمۃ: جانور، جمع: بھائم، سرق: سرق (ض) سرقا: چرانا۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جو مسلمان پودہ لگاتا ہے، یا کھیتی کرتا ہے، پھر اس سے انسان یا پرندہ یا جانور کھاتے ہیں تو اس کے لئے صدقہ ہے۔“ (متفق علیہ) اور مسلم کی ایک روایت میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے جو اس سے چوری ہو اس کے لئے صدقہ ہے۔

تشریح: جو مسلمان پیڑ پودے لگاتے ہیں یا کھیتی کرتے ہیں، اس میں سے کوئی بھی کھائے اس کا ثواب مسلمان کسان کو ملتا ہے۔

ما من مسلم یغرس: حدیث شریف کے ان کلمات سے یہ بات واضح ہے کہ شجرکاری کے عوض میں مستحق ثواب ہونے کیلئے مسلمان ہونا ضروری ہے، نیز حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث شریف کا سیاق وسباق بھی اسی پر دلالت کررہا ہے، لیکن بعض لوگوں نے کچھ زیادہ ہی دریادلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ثواب کو مسلمانوں کی طرح کافروں کیلئے بھی عام کردیا ہے، حالانکہ حضرات محققین کے نزدیک یہ بات

طے شدہ ہے کہ ثواب کیلئے مسلمان ہونا ضروری ہے۔ ہاں غیر مسلم کو ان کی خدمت کی بنیاد پر دنیا ہی میں کچھ بدلہ مل جائے، یہ بات قرین قیاس ہے، آخرت میں ان لوگوں کو ثواب نہ ملے گا۔ "قوله ما من مسلم اخرج الکافر لانه رتب علی ذلک کون ما أکل منه یکون له صدقة والمراد بالصدقة الثواب فی الآخرة وذٰلک یختص بالمسلم نعم ما اکل من زرع الکافر یثاب علیه فی الدنیا کما ثبت من حدیث انس عند مسلم واما من قال انه یخفف عنه بذلک من عذاب الاٰخرة فیحتاج الی دلیل۔" (فتح الباری: ۵/۶)

خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان کا مال جس سبب سے بھی کھایا اور استعمال کیا جائے، انسان استعمال کریں، حیوانات استعمال کریں، چرند پرند کھائیں، اس سب کا ثواب ملتا ہے، لہٰذا مال کے نقصان پر اس کو صبر کرنا چاہئے کہ اس کا اجر بے حساب ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۴۷۵)

فائدہ: (۱)......حدیث سے زراعت کی فضیلت پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

(۲)......اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی کا بھی پتہ چلتا ہے کہ بندہ کے اختیار کے بغیر اس کے کھیت سے چرند پرند کے کھانے پر بھی اس کو اجر دیا جاتا ہے۔

جانوروں کو کھلانا پلانا بھی صدقہ ہے

{۱۸۰۷} وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ غُفِرَ لِاِمْرَأَةٍ مُّوْمِسَةٍ مَرَّتْ بِكَلْبٍ عَلٰی رَأْسِ رَكِيٍّ يَلْهَثُ كَادَ يَقْتُلُهُ الْعَطَشُ فَنَزَعَتْ خُفَّهَا فَاَوْثَقَتْهُ بِخِمَارِهَا فَنَزَعَتْ لَهٗ مِنَ الْمَاءِ فَغُفِرَ لَهَا بِذٰلِكَ قِيْلَ اِنَّ لَنَا فِي الْبَهَائِمِ اَجْرًا قَالَ فِيْ كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَّطْبَةٍ اَجْرٌ۔ (متفق علیہ)

حوالہ: مسلم شریف: ۲/۲۳۷، باب فضل شقی البهائم، کتاب قتل الحیات، حدیث نمبر: ۲۲۴۵۔
بخاری شریف: ۱/۴۶۷، کتاب بدء الخلق، باب اذا وقع الذباب، حدیث نمبر: ۳۲۱۱۔

حل لغات: مومسۃ: بدکارعورت، جمع: مومسات ومو امس، کلب: کتا، جمع: کلاب، مرت: مر (ن) مرا: گذرنا، رکی: پانی والا کنواں، واحد: رکیۃ، یلھث: لھث (س) لھثا: ہانپنے میں زبان باہر نکل آنا، العطش: پیاس، نزعت: نزع (ف) نزعا: اتارنا، خفھا: موزہ، جمع: اخفاف، فاوثقتہ: اوثق (افعال) باندھنا، بخمار: اوڑھنی، جمع: اخمرۃ، کبد: جگر، جمع: اکباد۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ایک بدکارعورت ایک کتے کے پاس سے گذری جو کنویں کے پاس زبان نکال کر ہانپ رہا تھا، قریب تھا کہ پیاس اس کو ہلاک کردے، تو اس عورت نے اپنا موزہ نکال کر اپنی اوڑھنی سے باندھا اور اس کے لئے پانی نکالا تو وہ اس کی وجہ سے بخش دی گئی۔'' کہا گیا کیا ہمارے لئے جانوروں میں بھی اجر ہے؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہر تازہ جگر والے میں ثواب ہے۔''

تشریح: صرف انسانوں کے ساتھ بھلائی کرنے سے ثواب نہیں ملتا، بلکہ جانوروں کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ کرنے سے نیکی ملتی ہے، اور بسا اوقات بھلائی کرنے والے کے تمام گناہوں پر مغفرت کا پردہ پڑ کر وہ جنتیوں کی فہرست میں شامل ہو جاتا ہے، جیسا کہ اس حدیث شریف سے واضح ہے۔

مرت بکلب: یعنی اس بدکارعورت کا گذر ایک کتے کے پاس سے ہوا۔

علی رأس رکی یلھث: یعنی وہ کتا پیاس کے مارے بلک رہا تھا، اور اس بلکنے کی شدت اس قدر تھی کہ اس کی زبان باہر نکلی ہوئی تھی۔

فنزعت خفھا فاوثقتہ بخمارھا: کتے کی اس حالت کو دیکھ کر اس عورت کو ترس آیا، اس نے اپنے دوپٹے سے اپنے موزے کو باندھا، پانی نکالا اور اس کتے کو پلایا۔

فغفر لھا بذلک: اس عورت کا یہ عمل اللہ تعالیٰ کو اتنا پسند آیا کہ اس کی مغفرت کر دی گئی، جس کا لازمی نتیجہ دخول جنت ہے۔

قیل ان لنا فی البھائم اجرا: اس سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بڑا

تعجب ہوا، ان حضرات میں سے کسی نے حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا جانوروں پر رحم کرنے سے بھی نیکیاں ملتی ہیں؟

قال فی کل ذات کبد رطبۃ اجر: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ تمام حیوانات پر رحم کرنے سے ثواب ملتا ہے۔

فائدہ: (۱)...... یہ حدیث شریف اس باب پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی کبیرہ گناہ بغیر توبہ کے بھی بخش دیتے ہیں، چنانچہ اہل سنت والجماعت کا یہی مسلک ہے۔(مرقاۃ: ۲/۴۷۴)

(۲)...... حیوانات کو فائدہ پہنچانے یا پانی پلانے کی فضیلت بھی ظاہر ہے۔

(۳)...... جب حیوانات کو فائدہ پہنچانے میں یہ ثواب ہے تو انسانوں کو فائدہ پہنچانے میں کس قدر ثواب ہوگا۔

جانور کو بھوکا مار ڈالنے پر عذاب

{۱۸۰۸} **وَعَنْ** ابْنِ عُمَرَ وَاَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمْ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عُذِّبَتْ اِمْرَاَةٌ فِیْ هِرَّةٍ اَمْسَكَتْهَا حَتّٰى مَاتَتْ مِنَ الْجُوْعِ فَلَمْ تَكُنْ تُطْعِمُهَا وَلَا تُرْسِلُهَا فَتَاْكُلَ مِنْ خِشَاشِ الْاَرْضِ۔ ﴿متفق علیہ﴾

حوالہ: مسلم شریف: ۲/۲۳۶، باب تحریم القتل الھرۃ، کتاب قتل الحیات، حدیث نمبر: ۲۲۴۲۔

بخاری شریف: ۱/۳۱۸، باب فضل شقی الماء، کتاب المساقاۃ، حدیث نمبر: ۲۳۰۴۔

حل لغات: عذبت: عذب (تفعیل) عذاب دینا، ھرۃ: بلی، جمع: ھرر، الجوع: بھوک، جمع: مجاوع، تطعمھا: اطعم (افعال) کھلانا، ترسلھا: ارسل (افعال) چھوڑنا، خشاش: کیڑے مکوڑے، جمع: اخشۃ۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”ایک عورت کو ایک بلی کی وجہ سے عذاب دیا گیا، اس عورت نے اس بلی کو باندھے رکھا، یہاں تک کہ بھوک سے وہ مرگئی، نہ ہی وہ اس کو کھلاتی تھی اور نہ ہی اس کو کھولتی تھی تاکہ وہ زمین کے کیڑے مکوڑے کھائے۔“

تشریح: جس طرح سے جانوروں پر رحم کرنے سے ثواب ملتا ہے، اسی طرح سے حیوانات کو ستانے سے عذاب ملتا ہے، اسی کو حدیث پاک میں بیان کیا گیا ہے۔

عذب امرأة في هرة: اس جملے میں "في" تعلیل کے لئے ہے، یعنی اس بلی کی وجہ سے عورت کو عذاب ہوا۔ (مرقاۃ: ٢/٤٧٥)

فائدہ: حیوانات پر ظلم وزیادتی پر جب یہ وعید ہے اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ انسانوں پر ظلم وزیادتی کا کیا وبال ہوگا۔

راستہ صاف کرنے کا ثواب

{١٨٠٩} وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ رَجُلٌ بِغُصْنِ شَجَرَةٍ عَلٰى ظَهْرِ طَرِيْقٍ فَقَالَ لَاُنَحِّيَنَّ هٰذَا عَنْ طَرِيْقِ الْمُسْلِمِيْنَ لَايُؤْذِيْهِمْ فَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ۔ ﴿متفق علیہ﴾

حوالہ: بخاری شریف: ١/٣٣٦، ابواب المظالم والقصاص، باب من اخذ الغصن، وما یوذی الناس، حدیث نمبر: ٢٤٠٨۔ مسلم شریف: ٢/٣٢٨، باب فضل ازلة الاذی عن الطریق، کتاب البر والصلة، حدیث نمبر: ٦٦٧۔

حل لغات: مر: مر (ن) مرا: گذرنا، ظھر: بالائی حصہ، جمع: اظھر، اور ظھور، لانحین: نحی (تفعیل) ہٹانا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا: ''ایک شخص درخت کی ایک ایسی شاخ کے پاس سے گذرا جو راستہ پر پڑی ہوئی تھی، اس نے کہا میں اس کو مسلمانوں کے راستے سے ضرور ہٹاؤں گا تاکہ انہیں تکلیف نہ ہو تو وہ جنت میں داخل کیا گیا۔''

تشریح: راستوں سے تکلیف دہ چیزوں کو ہٹا کر راستہ کو صاف کر دینا بہت بڑے ثواب کا کام اور دخول جنت کا باعث ہے۔

ایضاً

{۱۸۱۰} **وَعَنْہُ** قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَقَدْ رَأَیْتُ رَجُلاً یَتَقَلَّبُ فِی الْجَنَّۃِ فِیْ شَجَرَۃٍ قَطَعَہَا مِنْ ظَہْرِ الطَّرِیْقِ کَانَتْ تُؤْذِی النَّاسَ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۳۲۸/۲، باب فضل ازالۃ الاذی عن الطریق، کتاب البر والصلۃ، حدیث نمبر: ۶۶۷۱۔

حل لغات: قطعھا: قطع (ف) قطعا: کاٹنا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں نے جنت میں ایک شخص کو دیکھا جو جنت میں اس درخت کی وجہ سے گھوم رہا تھا جس کو اس نے راستے سے ہٹایا تھا جو لوگوں کو تکلیف دے رہا تھا۔''

تشریح: لقد رأیت رجلا یتقلب فی الجنۃ: غالباً یہ شب معراج کا واقعہ ہے کہ اس دن حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جنت کی بھی سیر کرائی گئی تھی، اسی دن اس آدمی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تھا۔ یا اور کسی موقع پر دیکھا۔

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جب ایذادہ چیز کے راستہ سے ہٹا دینے میں یہ اجر ہے پس اگر کوئی انسانوں کو اور دیگر مخلوق کو فائدہ پہنچائے اس کا کیا اجر ہوگا۔

ایک نصیحت

{١٨١١} وَعَنْ اَبِیْ بَرْزَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قُلْتُ يَانَبِیَّ اللّٰهِ! (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) عَلِّمْنِیْ شَيْئاً اَنْتَفِعُ بِهٖ قَالَ اعْزِلِ الْاَذٰی عَنْ طَرِيْقِ الْمُسْلِمِيْنَ۔ (رواہ مسلم) وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ عَدِیِّ بْنِ حَاتِمٍ اِتَّقُوْا النَّارَ فِیْ بَابِ عَلَامَاتِ النُّبُوَّةِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی۔

حوالہ: مسلم شریف: ۳۲۸/۲، باب فضل ازالۃ الاذی عن الطریق، کتاب البر والصلۃ، حدیث نمبر: ۶۶۷۳۔

حل لغات: اعزل: عزل (ض) عزلا: دور کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابو برزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے کہا اے اللہ کے نبی! مجھے کچھ سکھا دیجئے تا کہ میں اس سے فائدہ اٹھاؤں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”مسلمان کے راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دیا کرو۔“

تشریح: حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نظر میں راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانے کی بڑی اہمیت تھی، یہی وجہ ہے کہ حضرت ابو برزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک منافع بخش چیز کی درخواست کی تو ان کو یہی وصیت کی گئی۔

حضرت ابو برزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے درجے کے صحابی تھے، ان کو اس ادنیٰ چیز کی وصیت اس لئے کی گئی تا کہ خیر کا کوئی پہلو نہ چھوڑا جائے۔

﴿الفصل الثانی﴾

کھانا کھلانے کی فضیلت

{۱۸۱۲} وَعَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ سَلَامٍ رَضِیَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ لَمَّا قَدِمَ النَّبِیُّ صَلَّی اللهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِیْنَةَ جِئْتُ فَلَمَّا تَبَیَّنْتُ وَجْهَهٗ عَرَفْتُ اَنَّ وَجْهَهٗ لَیْسَ بِوَجْهِ کَذَّابٍ فَکَانَ اَوَّلُ مَا قَالَ یَاۤاَیُّهَا النَّاسُ! اَفْشُوْا السَّلَامَ وَاَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَصِلُوْا الْاَرْحَامَ وَصَلُّوْا بِاللَّیْلِ وَالنَّاسُ نِیَامٌ تَدْخُلُ الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ۔ ﴿رواه الترمذی وابن ماجة والدارمی﴾

حواله: ترمذی شریف: ۲/۷۵، ابواب صفة القیام، باب افشو السلام، حدیث نمبر: ۲۴۸۵۔ ابن ماجه شریف: ۹۴، ابواب ماجاء فی قیام شهر رمضان، باب ماجاء فی قیام اللیل، حدیث نمبر: ۱۳۳۴۔ دارمی: ۱/۳۴۰، باب فضل صلوة اللیل، کتاب الصلوٰة، حدیث نمبر: ۱۴۶۰۔

حل لغات: قدم: قدم (س) قدوما: آنا، جئت: جاء (ض) مجیئا: آنا، تبینت: بان (ض) بیانا: ظاہر ہونا، تبین (تفعل) معلوم کرنا، عرفت: عرف (ض) عرفا: پہچاننا، کذاب: مبالغہ کا صیغہ ہے، بہت زیادہ جھوٹ بولنے والا، افشوا: افشی (افعال) پھیلانا، وصلوا: وصل (ض) ملانا، (تفعیل) نماز پڑھنا۔

ترجمه: حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت نبی اکرم ﷺ مدینہ آئے تو میں گیا، جب میں نے ان کا چہرہ دیکھا تو سمجھ گیا کہ ان کا چہرہ جھوٹوں کا چہرہ نہیں ہے، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سب سے پہلے جو بات ارشاد فرمائی وہ یہ ہے: ''کہ اے لوگو! سلام کو عام کرو، کھانا کھلاؤ، رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرو، اور رات میں نماز پڑھو جب لوگ سو رہے ہوں، تو

باب السلام سے جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔"

تشریح: عن عبد اللّٰہ بن سلام: یہ یہود یوں کے بہت بڑے عالم تھے، بعد میں مشرف باسلام ہوئے، اور جلیل القدر صحابہؓ میں شمار ہوئے۔

فلما تبینت وجھہ: حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ جب حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو میں نے جا کر ان کو دیکھا اور غور سے دیکھا تو میں سمجھ گیا کہ یہ جھوٹے کا چہرہ نہیں ہے۔

یا یھا الناس: اس موقعہ پر حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو بات سب سے پہلے کہی وہ یہ ہے "**افشوا السلام**" یعنی سلام کو عام کرو۔ "**واطعموا الطعام**" یعنی مسکینوں اور یتیموں کو کھانا کھلاؤ۔ "**وصلوا الارحام**" رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرو، ان سے قطع تعلق نہ کرو۔ "**وصلوا باللیل والناس نیام**" اور رات میں نماز پڑھا کرو، جب لوگ سو رہے ہوں، اس لئے کہ یہ وقت قبولیت اور قرب خداوندی کا باعث ہوتا ہے، چونکہ ایسے وقت میں عبادت ریا وغیرہ سے خالی ہوا کرتی ہے۔

تدخلوا الجنۃ بسلام: جو ان اعمال کو کرے گا وہ باب السلام سے جنت میں داخل ہوگا۔

فائدہ: سلام کرنے میں بے شمار فوائد ہیں:

(١)......دلوں کی کدورت دور ہوتی ہے۔

(٢)......دلوں میں الفت ومحبت پیدا ہوتی ہے۔

(٣)......دلوں سے کبر نکلتا ہے۔

(٤)......دلوں میں تواضع پیدا ہوتی ہے۔

(٥)......بے شمار نیکیوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

(٦)......اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتوں کے نزول کا ذریعہ ہے۔

یہی سب فوائد کھانا کھلانے میں بھی ہیں، اور ان کے علاوہ اور مزید فوائد بھی ہیں: مثلاً

(١)......بخل ختم ہوتا ہے۔

(٢)......سخاوت پیدا ہوتی ہے۔

(٣)......حرص ختم ہوتی ہے۔

(۴)......قناعت پسندی پیدا ہوتی ہے۔

اسی طرح رات کے وقت نماز پڑھنے میں بھی بے شمار فوائد ہیں: مثلاً

(١)......ریاکاری کا مادہ ختم ہوتا ہے۔

(٢)......اخلاص پیدا ہوتا ہے۔

(٣)......اللہ تعالیٰ کی محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔وغیرہ

اس لئے یہ اعمال گو معمولی ہیں، مگر نتیجہ اور ثمرات کے اعتبار سے بہت اہم ہیں، پس جو شخص ان اعمال کو بجالائے گا اس کے لئے وعدہ ہے کہ وہ سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہوگا۔اور سلامتی کا مطلب یہی ہے کہ قبر وحشر وغیرہ میں کسی قسم کی تکلیف کے بغیر جنت میں داخلہ ہوگا۔ان شاء اللہ تعالیٰ

ایضاً

{۱۸۱۳} وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُعْبُدُوْا الرَّحْمٰنَ وَاَطْعِمُوْا الطَّعَامَ وَاَفْشُوْا السَّلَامَ تَدْخُلُوْا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ۔ (رواہ الترمذی وابن ماجة)

حوالہ: ترمذی شریف: ٢/٧، باب ماجاء فی فضل اطعام الطعام، ابواب الاطعمة، حدیث نمبر: ١٨٥٥۔ ابن ماجہ شریف: ٢٦٢، باب افشاء السلام، ابواب الادب، حدیث نمبر: ٣٦٩۴۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”رحمٰن کی عبادت کرو، کھانا کھلاؤ، سلام کو عام کرو، باب السلام سے جنت میں داخل ہوجاؤ گے۔“

تشریح: اوپر حدیث شریف میں تفصیل گذر چکی۔

صدقے کی خاص برکت

{۱۸۱۴} وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِیءُ غَضَبَ الرَّبِّ وَتَدْفَعُ مِیْتَةَ السُّوْءِ۔ ﴿رواہ الترمذی﴾

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۱۴۴، باب ماجاء فی فضل الصدقة، ابواب الزکوة، حدیث نمبر: ۶۲۴۔

حل لغات: لتطفیئ: اطفأ (افعال) بجھانا، غضب: ناراضگی، غصہ، غضب (س) غضبا: غصہ ہونا۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بے شک صدقہ اللہ تعالیٰ کے غصے کو بجھا دیتا ہے، اور بری موت کو دور کرتا ہے۔''

تشریح: صدقے کے جہاں بہت سے فضائل و برکات ہیں وہاں ایک برکت یہ بھی ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی دور ہونے کے ساتھ ساتھ بری موت سے آدمی محفوظ ہوجاتا ہے۔ بری موت کا مطلب یہ ہے کہ جیسے جل کر ڈوب کر یا دب کر یا اسی طرح اور کسی قسم کی موت سے حفاظت ہوجاتی ہے۔ (التعلیق: ۲/۳۵۲، مرقاة: ۲/۴۷۷)

کسی کو پانی دینا بھی صدقہ ہے

{۱۸۱۵} وَعَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَةٌ وَاِنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ اَنْ تَلْقٰی اَخَاکَ بِوَجْہٍ طَلَقٍ وَاَنْ تُفْرِغَ مِنْ دَلْوِکَ فِیْ اِنَاءِ اَخِیْکَ۔ ﴿رواہ احمد والترمذی﴾

حوالہ: مسند احمد: ۳/۳۴۴، ترمذی شریف: ۲/۱۸، ابواب البر والصلة، باب ما جاء

فی طلاقه والجه وحسن البر، حدیث نمبر: ١٩٧٠۔

حل لغات: تلقی: لقی (س) لقاءً: ملاقات کرنا، دلوک: ڈول، جمع: دلاء۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہر بھلائی صدقہ ہے، اور بے شک بھلائی میں سے یہ ہے کہ تم اپنے بھائی سے مسکرا کر ملو اور یہ کہ تم اپنے ڈول سے اپنے بھائی کا برتن بھر دو۔''

تشریح: کل معروف صدقة: ہر بھلائی صدقہ ہے، خواہ اپنی ذات کے لئے بھلائی کرے، یا دوسروں کے لئے، شریعت کی نظر میں دونوں صدقہ ہیں۔

ان تلقی أخاک: ''اخاک'' سے مراد یہاں مسلمان بھائی ہے۔ اپنے مسلمان بھائی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملنا بھی صدقہ ہے، اس لئے تم ایک مسلمان بھائی کا دل خوش کر رہے ہو، اور یہ بھی بھلائی کا کام ہے، اسی طرح کسی کو پانی دینا اور پلانا بھی بھلائی کا کام ہے، اس لئے کسی کو پانی دینا بھی صدقہ ہے۔

مسکرا کر ملنا صدقہ ہے

{١٨١٦} وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَبَسُّمُکَ فِیْ وَجْہِ اَخِیْکَ صَدَقَۃٌ وَاَمْرُکَ بِالْمَعْرُوْفِ صَدَقَۃٌ وَنَہْیُکَ عَنِ الْمُنْکَرِ صَدَقَۃٌ وَاِرْشَادُکَ الرَّجُلَ فِیْ اَرْضِ الضَّلَالِ لَکَ صَدَقَۃٌ وَنَصْرُکَ الرَّجُلَ الرَّدِیَٔ الْبَصَرِ لَکَ صَدَقَۃٌ وَاِمَاطَتُکَ الْحَجَرَ وَالشَّوْکَ وَالْعَظْمَ عَنِ الطَّرِیْقِ لَکَ صَدَقَۃٌ وَاِفْرَاغُکَ مِنْ دَلْوِکَ فِیْ اِنَاءِ اَخِیْکَ لَکَ صَدَقَۃٌ۔ ﴿رواہ الترمذی﴾ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ٢/ ١٧، باب ماجاء فی صنائع المعروف، ابواب البر والصلة،

حدیث نمبر:١٩٥٦۔

حل لغات: تبسمک: تبسم (تفعل) مسکرانا، ارشاد: رشد (ن) رشدا: ہدایت پانا، ارشد (افعال) ہدایت کرنا، الشوک: کانٹا، جمع: اشواک۔

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تمہارا اپنے بھائی سے مسکرا کر ملنا صدقہ ہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا صدقہ ہے، اجنبی جگہ میں کسی کو راستہ بتانا تمہارے لئے صدقہ ہے، اندھے آدمی کی مدد کرنا تمہارے لئے صدقہ ہے، اور راستے سے پتھر، کانٹا اور ہڈی کا ہٹا دینا تمہارے لئے صدقہ ہے، اور اپنے ڈول سے اپنے بھائی کے ڈول میں پانی ڈالنا تمہارے لئے صدقہ ہے۔''

تشریح: صدقے کے لئے مالِ مرغوب اور قیمتی سامان ہونا ضروری نہیں بلکہ ادنیٰ چیز بھی صدقے میں دی جاسکتی ہے، جیسے پانی اور سامان ہی کیا۔

تبسمک فی وجہ اخیک: یعنی اپنے مسلمان بھائی سے مسکرا کر ملنا صدقہ ہے۔

وارشادک الرجل فی ارض الضلال: یعنی کسی ایسے آدمی کو صحیح راستہ بتانا کہ نہ اس کا راستہ دیکھا ہوا ہے، اور نہ ہی کوئی علامت ہے کہ جس سے وہ اپنی منزل طے کرسکے، بالکل اجنبی جگہ ہے، ایسی جگہ میں کسی کو راستہ بتانا بھی صدقہ ہے۔

ونصرک الرجل الردی البصر: یعنی ایسا شخص جو بالکل اندھا ہے، یا اندھا تو نہیں لیکن بینائی بہت کم ہے، اس کی مدد کرنا بھی صدقہ ہے۔ باقی تفصیل اوپر گذر چکی۔

پانی کا نظم کرنا بہترین صدقہ ہے

{١٨١٧} وَعَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) اِنَّ اُمَّ سَعْدٍ مَاتَتْ فَاَيُّ الصَّدَقَةِ

اَفْضَلُ قَالَ الْمَاءُ فَحَفَرَ بِئْراً وَقَالَ هٰذَا لِاُمِّ سَعْدٍ۔ ﴿رواہ ابوداؤد والنسائی﴾

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۲۳۶، باب فضل سقی الماء، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۱۶۷۹۔ نسائی شریف: ۲/۱۱۵، فضل الصدقة عن المیت، کتاب الوصایا، حدیث نمبر: ۳۶۹۵۔

حل لغات: ماتت: مات (ض) میتا: مرنا، الماء: پانی، جمع: میاہ، حفر (ض) حفرا: گڑھا کھودنا، بئر: کنواں، جمع: آبار۔

ترجمہ: حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یارسول اللہ! ام سعد کی وفات ہوگئی ہے، تو کونسا صدقہ افضل ہے؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''پانی۔'' تو انہوں نے ایک کنواں کھودا اور کہا یہ ام سعد کی طرف سے صدقہ ہے۔

تشریح: حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میری والدہ کا انتقال ہوگیا اگر میں ان کے ایصال ثواب کے لئے صدقہ کروں تو کس چیز کا صدقہ کروں؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پانی کا، پانی سے مراد عام ہے، خواہ آدمیوں کے پینے کے لئے ہو، خواہ جانوروں کے یا کھیت وغیرہ کے یا طہارت کے لئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کے تصدق کو افضل قرار دیا، اس لئے کہ پانی عام حاجت وضرورت کی چیز ہے، اس کا نفع بہت عام ہے، اور خصوصاً عرب جیسے ملک حار میں جہاں پانی کی قلت ہے۔ (الدرالمنضود: ۳/۱۳۱)

کھلانے پلانے اور پہنانے کی فضیلت

{۱۸۱۸} وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّمَا مُسْلِمٍ کَسَا مُسْلِماً ثَوْباً عَلٰی عُرًی کَسَاہُ اللّٰہُ مِنْ خُضْرِ الْجَنَّةِ وَاَیُّمَا مُسْلِمٍ اَطْعَمَ مُسْلِماً عَلٰی جُوْعٍ اَطْعَمَہُ اللّٰہُ مِنْ ثِمَارِ الْجَنَّةِ وَاَیُّمَا مُسْلِمٍ سَقٰی مُسْلِماً عَلٰی ظَمَاٍ سَقَاہُ اللّٰہُ

مِنَ الرَّحِیْقِ الْمَخْتُوْمِ۔ ﴿رواہ ابوداؤد والترمذی﴾

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۲۳۶، باب فضل سقی الماء، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۱۶۸۲۔ ترمذی شریف: ۲/۷۱، باب ثواب الاطعام الخ، ابواب صفة القیامة، حدیث نمبر: ۲۴۴۹۔

حل لغات: کسا: کسا (ن) کسوا: پہنانا، ثوبا: کپڑا، جمع: اثواب، عری: ننگا، جمع: عراۃ، جوع: بھوک: جمع: مجاوع، سقی: سقی (ض) سقیا: پانی پلانا، ظمأ: پیاس، جمع: ظماء، ظمیء (س) ظمئا: پیاسا ہونا۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس مسلمان نے کسی ننگے مسلمان کو کپڑا پہنایا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت کا لباس پہنائے گا، اور جس مسلمان نے کسی بھوکے مسلمان کو کھانا کھلایا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت کا پھل کھلائے گا، اور جس مسلمان نے کسی پیاسے مسلمان کو پانی پلایا تو اللہ تعالیٰ اس کو ''رحیق مختوم'' پلائے گا۔''

تشریح: جو شخص اس دنیا میں ضرورت مند مسلمانوں کی امداد کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت کی لذیذ ترین اشیاء سے نوازے گا۔

کسا مسلما ثوبا علی عری: اس حدیث شریف میں عام حالات میں کپڑا پہنانا مراد نہیں، بلکہ خاص طور پر ننگے کو کپڑا پہنانا مراد ہے، خواہ صرف ستر کے بقدر ہو یا پورے بدن کے لئے۔

من خضر الجنة: یعنی جنت کا کپڑا۔

ایما مسلم اطعم مسلما علی جوع: یہاں بھی وہی بھوکے کو کھانا کھلانا مراد ہے، نہ کہ عام حالات میں کھانا کھلانا، جو بھوک کے شکار انسان کو کھانا کھلائے تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں میوے کھلائے گا۔

ایما مسلم سقی مسلما علی ظمأ: اسی طرح سے جو شدید پیاسے کو پانی پلائے گا اللہ تعالیٰ اس کو رحیق مختوم پلائے گا۔ ''الرحیق المختوم'' جنت کا ایک خاص مشروب جو سیل بند ہوگا۔ (مرقاۃ: ۲/۴۷۸)

مال میں زکوۃ کے علاوہ بھی حق ہیں

{۱۸۱۹} وَعَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِي الْمَالِ لَحَقًّا سِوَى الزَّكٰوةِ ثُمَّ تَلَا "لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ" الْاٰيَة۔ ﴿رواه الترمذی وابن ماجة والدارمی﴾

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۱۴۳، باب ماجاء ان المال حقا سوی الزکوة، کتاب الزکوة، حدیث نمبر: ۶۵۹۔ ابن ماجہ شریف: ۱۲۸، باب ما ادی زکوتہ لیس بکنز، کتاب الزکوة، حدیث نمبر: ۱۷۸۹۔ دارمی شریف: ۱/۳۸۵، باب مایجب فی المال سوی الزکوة، کتاب الزکوة، حدیث نمبر: ۱۶۳۷۔

حل لغات: المال: مال، جمع: اموال، لحقا: حق، جمع: حقوق۔

ترجمہ: حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "کہ مال میں زکوۃ کے علاوہ بھی حق ہیں، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تلاوت فرمائی: "لیس البر ان الخ" [نیکی نہیں کہ تم اپنا چہرہ مشرق یا مغرب کی طرف پھیرلو۔] آخری آیت تک۔

تشریح: ان فی المال لحقا سوی الزکوة: زکوۃ کے علاوہ دوسرے حقوق لازم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جیسے کوئی فقیر مانگے یا کوئی بطور عاریت کے مانگے یا کوئی قرض مانگے تو اس کو منع نہیں کرنا چاہئے، اسی طریقے سے کوئی چھوٹی موٹی چیز مانگے تو منع نہ کیا جائے، جیسے پانی، نمک یا ماچس وغیرہ۔

ثم تلا: پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بطور استشہاد کے مذکورہ بالا آیت پڑھی، اور اخیر تک پڑھی: "لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى

وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ۔ الاٰیۃ» (سورۃ بقرہ:۱۷۷)

[نیکی اور بھلائی یہی نہیں ہے کہ تم (عبادت میں) اپنا رخ مشرق کی طرف کرو، یا مغرب کی طرف، بلکہ بڑی نیکی اور بھلائی کی راہ پر وہ ہے جو ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور (اللہ تعالیٰ کی) سب کتابوں پر اور (اللہ تعالیٰ کے) سب پیغمبروں پر، اور اس نے مال کی محبت کے باوجود (یا یہ کہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں) اس (مال) کو خرچ کیا رشتہ داروں پر اور یتیموں پر اور محتاجوں پر اور مسافروں پر اور سائلوں پر اور (غلاموں کی) گردنیں چھڑانے (انہیں غلامی سے نجات دلانے) میں، اور اس نے نماز قائم کی اور زکوۃ ادا کی۔]

فائدہ: معلوم ہوا مال میں زکوۃ اور صدقات واجبہ کے علاوہ حسب موقع اور بھی حقوق ہوتے ہیں، ان کا اداء کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔

نمک پانی دینے سے انکار نہ کرے

{۱۸۲۰} **وَعَنْ** بُهَيْسَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا عَنْ اَبِيْهَا قَالَتْ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! ﴿صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ﴾ مَا الشَّيْئُ الَّذِىْ لَايَحِلُّ مَنْعُهٗ قَالَ الْمَاءُ قَالَ يَانَبِيَّ اللّٰهِ مَا الشَّيْئُ الَّذِىْ لَايَحِلُّ مَنْعُهٗ قَالَ الْمِلْحُ؟ قَالَ يَانَبِيَّ اللّٰهِ! مَا الشَّيْئُ الَّذِىْ لَا يَحِلُّ مَنْعُهٗ قَالَ اَنْ تَفْعَلَ الْخَيْرَ خَيْرٌ لَّكَ۔ ﴿رواه ابوداؤد﴾

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۲۳۵، باب مالا یجوز منعہ، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر:۱۶۶۹۔

حل لغات: الماء: پانی، میاہ، الملح: نمک، جمع: ملاح۔

ترجمہ: حضرت بہیسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: یارسول اللہ! کون سی ایسی چیز ہے جس کا نہ دینا حرام ہے؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''پانی۔'' کہا اے اللہ کے نبی! کون سی ایسی چیز ہے جس کا نہ دینا حرام ہے؟ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''نمک۔'' کہا اے اللہ کے نبی کون سی ایسی چیز ہے جس کا نہ دینا حرام ہے؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تمہارا کوئی بھلائی کرنا تمہارے لئے بہتر ہے۔''

تشریح: بہیسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بار بار یہ سوال کیا کہ وہ کیا شیء ہے جس سے انکار کرنا جائز نہیں، اس پر پہلی بار آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''الماء'' پھر دوسری بار کے سوال پر فرمایا: ''الملح'' پھر اخیر میں اسی سوال کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جو بھی خیر ہو اس کو کرنا چاہئے، اس جواب سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ''تمادی فی السوال'' (سلسلۂ سوال وجواب) کو ختم فرما دیا، اس حدیث شریف پر فقہی حیثیت سے جملہ مذاہب کے لحاظ سے اگر کلام کیا جائے تو اس میں بڑی طوالت ہے، لہٰذا جس طرح خود حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس حدیث شریف میں اختصار کو اختیار فرمایا ہم بھی مختصراً ہی لکھتے ہیں۔

اور ایک دوسری حدیث ایک رجل مہاجری سے (جن کے نام کی تصریح سند میں نہیں ہے۔) کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''المسلمون شرکاء فی ثلاث فی الماء والکلاء والنار''

علماء نے لکھا ہے کہ پانی کی تین قسمیں ہیں: (١) الانہار الکبار۔ (٢) الانہار الصغار۔ (٣) الماء المحرز فی الاناء۔

اول جیسے نیل وفرات بڑی بڑی نہریں کہ یہ کسی کی ملک نہیں ہیں، ان میں تمام لوگوں کی شرکت ہے کوئی کسی کو منع نہیں کرسکتا، اور قسم ثانی چھوٹی چھوٹی نہریں جو بڑی نہروں سے نکال کرلائی جائیں، یہ نہریں ان لوگوں کی ملک ہیں جنہوں نے اپنے صرفہ سے ان کو نکالا اور جاری کیا ہے، ان کا حکم یہ ہے کہ جس طرح آدمی ان نہروں سے خود منتفع ہوتا ہے، دوسرے لوگ اور ان کے دواب ان سے پانی پی سکتے ہیں، منع کرنا جائز نہیں ہے، الا یہ کہ وہ جانور نہر کا کنارہ ڈول وغیرہ توڑ دیں، خراب کردیں، تو مالک منع کر

10 Babu Fazlis Sadaqati

سکتا ہے،لیکن اس پانی سے دوسرے لوگ اپنے باغات اور کھیت بغیر اجازت مالک سیراب نہیں کر سکتے ہیں،اس سے وہ ان کو روک سکتا ہے،اور تیسری قسم کا حکم یہ ہے کہ وہ پانی آدمی کی اپنی ملک ہے،دوسرے کے لئے اس میں مطلق تصرف جائز نہیں،اور ملح سے مراد وہ نمک ہے جو اپنے معدن میں ہو،اور وہ معدن ارض غیر مملوکہ میں ہو،اور اگر اپنی مملوکہ زمین میں ہو اور یا ایسا نمک جو آدمی کی اپنی ملک اور حرز میں ہو، اس کو منع کرنا جائز ہے،یہ تو اصولی اور آئینی بات ہے،دوسرا احتمال حدیث شریف میں یہ ہے کہ اس سے حق شرعی کا بیان مقصود نہیں ہے، بلکہ حسن معاشرت اور مکارم اخلاق کے قبیل سے ہے،اور بخل سے روکنا ہے،اس صورت میں قسم ثالث بھی اسی حکم میں داخل ہو جائے گی،اور کسی تخصیص کی حاجت نہیں رہے گی۔(الدرالمنضود:۱۲۵/۳،مرقاة:۴۷۸/۲)

بنجر زمین قابل کاشت بنانے کی فضیلت

{۱۸۲۱} وَعَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ أَحْیٰ اَرْضاً مَیْتَۃً فَلَہٗ فِیْہَا اَجْرٌ وَمَا اَکَلَتِ الْعَافِیَۃُ مِنْہُ فَہُوَ لَہٗ صَدَقَۃٌ۔ ﴿رواہ الدارمی﴾

حواله: دارمی:۲/ ۲۶۷، باب من احیا ارضا، کتاب البیوع، حدیث نمبر:۲۶۰۷۔

حل لغات: العافیة:'عوف' سے مشتق ہے،اور 'عوف' اصل میں ہر اس جان دار کو کہتے ہیں جنہیں رزق کی طلب ہو،عاف:(ن) عوفا: شکار کو ڈھونڈنا۔

ترجمه: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:''کہ جس شخص نے بنجر زمین زندہ کی تو اس کے لئے اس میں ثواب ہے،اور اس میں سے جو کچھ جانوروں نے کھایا تو اس کے لئے اس میں صدقہ ہے۔''

تشریح: من احی ارضا میتة: یعنی جس نے بنجر زمین کو قابل کاشت بنایا، اس حدیث شریف میں اس کے اجر وثواب کا ذکر ہے۔

فلہ فیھا اجر: یعنی اس کے عوض میں اس کو نیکیاں ملیں گی۔

وما اکلت العافیۃ: پیچھے حدیث شریف آچکی ہے کہ کھیت میں سے مختلف قسم کی مخلوقات کھاتی ہے، اس پر اس کو صدقے کا ثواب ملتا ہے۔

فھو لہ صدقۃ: اس جگہ حضرت ملا علی قاریؒ نے ایک بات لکھی ہے کہ یہ ثواب اس وقت ملے گا جب کسان ان نقصانات پر تحمل و برداشت سے کام لیتے ہوئے خدا کا شکر بجالائے، ورنہ ثواب نہ ملے گا۔ (مرقاۃ: ٢/٤٧٨)

فائدہ: حدیث پاک سے غیر آباد زمین کو آباد کرنے کی فضیلت ثابت ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ مخلوق میں جن چیزوں کو جتنا کارآمد اور مفید بنایا جاسکتا ہے، بنانا چاہئے، اور اس پر اس کو اجر وثواب ملتا ہے۔ اور اس میں جمادات ونباتات، حیوانات بلکہ انسان بھی شامل ہیں کہ انسان کو اگر اسی طرح چھوڑ دیا جائے نہ علم وہنر سکھایا جائے نہ صنعت وحرفت سکھائی جائے تو وہ انسان بنجر اور غیر آباد زمین کی طرح ہے، اس لئے انسانوں کو بھی علم وہنر سکھا کر یا صنعت وحرفت سکھا کر ان کو کارآمد ومفید بنانا یقیناً بہت بڑے اجر کا ذریعہ ہے۔ اس طرح حیوانات، نباتات وحجارات کا حال بھی سمجھنا چاہئے۔

چند کارِ خیر کا ثواب

{١٨٢٢} وَعَنْ الْبَرَاءِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَنَحَ مِنْحَةَ لَبَنٍ اَوْ وَرَقٍ اَوْ هَدٰی زُقَاقاً کَانَ لَهٗ مِثْلَ عِتْقِ رَقَبَةٍ۔ ﴿رواہ الترمذی﴾

حوالہ: ترمذی شریف: ٢/١٧، باب ماجاء فی المنعۃ، ابواب البر والصلۃ، حدیث نمبر: ١٩٦٤۔

حل لغات: منحۃ: عطیہ، جمع: منح، منح (ف) منحا: دینا، عطا کرنا، زقاقا: تنگ راستہ، جمع: ازقۃ۔

ترجمہ: حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص نے دودھ کا جانور یا چاندی دی، یا بھولے بھٹکے کو راستہ بتایا تو اس کو ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ہوگا۔''

تشریح: منحة لبن: ''منح'' ایسے جانور کو کہتے ہیں جس نے ابھی بچہ دیا ہو، تاکہ جسے دیا جائے وہ زیادہ دنوں تک دودھ سے فائدہ اٹھائے۔

او ھدی زقاقا: یعنی بھولے بھٹکے کو راستہ بتانا۔

فکان لہ مثل عتق رقبة: غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب اس لئے ملے گا کہ لوگوں کو عطاء کرنے یا راستہ بتانے میں آدمی ہی کا فائدہ ہے، اور غلام آزاد کرنے میں آدمی ہی کا فائدہ ہے، اس لئے جب ایک آدمی کو فائدہ پہنچے گا تو اس کو آزاد کرنے کے برابر ثواب ملے گا۔

چند نصائح

{١٨٢٣} وَعَنْ اَبِیْ جُرَیٍّ جَابِرِ بْنِ سُلَیْمٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ اَتَیْتُ الْمَدِیْنَۃَ فَرَأَیْتُ رَجُلاً یَصْدُرُ النَّاسُ عَنْ رَاْیِہٖ لَایَقُوْلُ شَیْئاً اِلَّا صَدَرُوْا عَنْہُ قُلْتُ مَنْ ھٰذَا قَالُوْا ھٰذَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ قُلْتُ عَلَیْکَ السَّلَامُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! مَرَّتَیْنِ قَالَ لَاتَقُلْ عَلَیْکَ السَّلَامُ عَلَیْکَ۔ السَّلَامُ تَحِیَّۃُ الْمَیِّتِ قُلْ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ قُلْتُ اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ الَّذِیْ اِنْ اَصَابَکَ ضُرٌّ فَدَعَوْتَہٗ کَشَفَہٗ عَنْکَ وَاِنْ اَصَابَکَ عَامُ سَنَۃٍ فَدَعَوْتَہٗ اَنْبَتَہَا لَکَ وَاِذَا کُنْتَ بِاَرْضٍ قَفْرٍ اَوْ فَلَاۃٍ فَضَلَّتْ رَاحِلَتُکَ فَدَعَوْتَہٗ رَدَّھَا عَلَیْکَ قُلْتُ اعْھَدْ اِلَیَّ قَالَ لَاتَسُبَّنَّ أَحَداً قَالَ فَمَا سَبَبْتُ بَعْدَہٗ حُرًّا وَلَا عَبْدًا وَلَا بَعِیْراً وَلَا شَأةً قَالَ وَلَا

تَحْقِرَنَّ شَيْئاً مِنَ الْمَعْرُوْفِ وَاَنْ تُكَلِّمَ اَخَاكَ وَاَنْتَ مُنْبَسِطٌ اِلَيْهِ وَجْهُكَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنَ الْمَعْرُوْفِ وَارْفَعْ اِزَارَكَ اِلٰى نِصْفِ السَّاقِ فَاِنْ اَبَيْتَ فَاِلَى الْكَعْبَيْنِ وَاِيَّاكَ وَاِسْبَالَ الْاِزَارِ فَاِنَّهَا مِنَ الْمُخِيْلَةِ وَاِنَّ اللّٰهَ لَايُحِبُّ الْمَخِيْلَةَ وَاِنِ امْرُؤٌ شَتَمَكَ وَعَيَّرَكَ بِمَا يَعْلَمُ فِيْكَ فَلَا تُعَيِّرْهُ بِمَا تَعْلَمُ فِيْهِ فَاِنَّمَا وَبَالُ ذٰلِكَ عَلَيْهِ۔ ﴿رواه ابوداؤد﴾ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ مِنْهُ حَدِيْثَ السَّلَامِ وَفِيْ رِوَايَةٍ فَيَكُوْنُ لَكَ اَجْرُ ذٰلِكَ وَ وَبَالُهٗ عَلَيْهِ۔

حواله: ابوداؤد شریف: ۲/۵٦۴، باب ما جاء فی اسباب الازار، کتاب اللباس، حدیث نمبر: ۴۰۸۴۔ ترمذی شریف: ۲/۱۰۱، ابواب الاستئذان، باب ماجاء فی کراهیة ان یقول علیک السلام الخ، حدیث نمبر: ۲۷۲۱۔

حل لغات: یصدر: صدر (ن) صدرا: چلنا، رأیه: رائے، جمع: آرائ، ضر: تکلیف، جمع: اضرار، کشفه: کشف (ض) کشفا: ظاہر کرنا، زائل کرنا، أرض فقر: ایسی زمین کو کہتے ہیں جہاں نہ پانی ہو نہ پیڑ پودے، فلاة: جنگل، جمع: فلوات، راحلة: سواری، جمع: رواحل، لاتسبن: سب (ن) سبا: گالی دینا۔

ترجمه: حضرت ابوجری جابر بن سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ میں مدینہ منورہ آیا تو ایک شخص کو دیکھا جن کی رائے پر لوگ چلتے ہیں جو کچھ وہ کہتے ہیں لوگ اسی پر عمل کرتے ہیں، میں نے کہا یہ کون صاحب ہیں؟ لوگوں نے کہا یہ اللہ کے رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہیں، وہ کہتے ہیں میں نے دو مرتبہ کہا یا رسول اللہ! ''علیک السلام'' آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: 'علیک السلام' مردوں کا سلام مت کہو، بلکہ ''السلام علیک'' کہو، میں نے کہا آپ اللہ کے رسول ہیں، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں اس اللہ کا رسول ہوں اگر تجھے تکلیف پہونچے، اور اس کو پکارو تو وہ اس کو تجھ سے زائل کردے، اور اگر تجھے قحط سالی کا سامنا ہو اور اسے پکارو تو وہ سبزہ اگادے، اور

جب تو بے آب وگیاہ والی زمین یا جنگل میں ہو اور تمہاری سواری گم ہو جائے اور اس کو پکارو تو وہ سواری لوٹا دے، میں نے کہا مجھ سے عہد لیجئے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بالکل کسی کو گالی نہ دینا، انہوں نے کہا میں نے اس کے بعد کسی آزاد، غلام، اونٹ اور نہ ہی بکری کو گالی دی، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: کسی نیک عمل کو حقیر نہ سمجھنا اور اپنے بھائی سے بات کرنا تو مسکرا کر بات کرنا، اس لئے کہ یہ نیکی ہے، اور اپنا کپڑا نصف ساق تک رکھ یہ نہ ہو سکے تو ٹخنے تک اور ازار لٹکانے سے پرہیز کر، اس لئے کہ یہ تکبر کی علامت ہے، اور اللہ تعالیٰ تکبر کو پسند نہیں کرتا ہے، اور اگر کوئی شخص تجھ کو گالی دے یا عار دلائے ان چیزوں میں جو وہ تیرے بارے میں جانتا ہے تو اس کو عارمت دلا ان چیزوں کے بارے میں جو اس کے متعلق تو جانتا ہے، اس لئے کہ یہ اسی کے لئے وبال ہے۔ روایت کیا اس کو ابو داؤد نے، اور ترمذی نے اس میں سے سلام کی حدیث کو روایت کیا۔ ایک روایت میں ہے تیرے لئے اس بات پر اجر ہے اور اس پر اس کا وبال ہوگا۔

تشریح: حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس وغیرہ میں کوئی ایسی امتیازی شان نہیں ہوا کرتی تھی کہ کوئی اجنبی آئے تو فوراً پہچان لے، یہی وجہ ہے کہ ابی جری جابر بن سلیمؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے آئے تو آپ کو پہچان نہ سکے، لیکن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مجلس اور انداز تکلم بہت پسند آیا، کہ لوگ آرہے ہیں، اور کچھ دریافت کررہے ہیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہدایت حاصل کر کے واپس ہورہے ہیں، تو انہوں نے پوچھا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے بتایا کہ یہی حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں، تو وہ جس مقصد سے آئے تھے، اپنے مقصد کا اظہار کیا، حدیث باب میں اسی کا بیان ہے۔

فرأیت رجلا یصدر الناس: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی باتیں چونکہ بڑی قیمتی سو فی صد درست ہوا کرتی تھیں، اس لئے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین حضرت نبی ﷺ جو حکم فرماتے، اس پر عمل کرتے، اور جس چیز سے منع کرتے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس سے باز رہتے۔

قال قلت علیک السلام یارسول اللہ! مرتین: چونکہ ان کا سلام مناسب نہیں تھا، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے توجہ نہیں فرمائی، جب جواب نہ ملا تو انہوں نے دوسری مرتبہ سلام کیا، جب دوسری دفعہ سلام کیا تو حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ سلام کرنے کا یہ طریقہ مناسب نہیں ہے، اس طریقے سے تو مردوں کو سلام کیا جاتا ہے، بلکہ اس طرح سلام کرنا چاہئے: ''السلام علیک'' زمانہ جاہلیت میں یہ طریقہ رائج تھا کہ جب لوگ کسی کی قبر پر جاتے ''علیک السلام'' کہتے لیکن شریعت اسلامیہ میں ایسا نہیں ہے، بلکہ اس میں زندہ اور مردہ دونوں کے لئے ''السلام علیکم'' کہا جاتا ہے، جیسا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

السلام علیکم دار قوم مؤمنین: یہ قبرستان جانے کی دعاء ہے۔

ابتداءً چونکہ وہی حکم تھا، جو اوپر مذکور رہوا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تنبیہ فرمائی، پھر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نصیحت کی درخواست کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پانچ باتوں کی نصیحت فرمائی۔

(۱)......کسی کو گالی مت دینا کسی کو برا بھلا کہنا بھی اسی میں داخل ہے۔

(۲)......کسی نیکی کو حقیر نہ جاننا، اس لئے کہ جب کسی نیکی کو حقیر اور معمولی جانے گا تو اس کو نہیں کریگا، اور اس طرح وہ بہت سی نیکیوں اور بہت سے خیر کے کاموں سے محروم ہو جائے گا، اور یہ بہت بڑی محرومی ہے۔

(۳)......اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملاقات کرنا اور یہ بھی بڑی نیکی ہے۔

(۴)......اپنا ازار نصف ساق تک رکھنا، زیادہ سے زیادہ ٹخنوں تک، ٹخنوں سے نیچے لٹکانے سے بچنا؛ اس لئے کہ ٹخنوں سے نیچے لٹکانا علامت کبر ہے، اور کبر اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔

(۵)......کوئی شخص تم کو گالی دے، عار دلائے؛ مگر تم اس کو گالی مت دینا، عار مت دلانا۔

یہ سب چیزیں مکارم اخلاق سے تعلق رکھتی ہیں، اور انتہائی اہم ہیں، اگر کوئی شخص ان چیزوں پر عمل کرے تو زندگی میں انقلاب آجائے، مگر افسوس آج ان سب چیزوں میں بڑی کوتاہی ہو رہی ہے۔

فوائد: (۱)......حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک کا سادہ اور بے تکلف ہونا معلوم ہوا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان بھی نہ سکے بلکہ دریافت کرنے کی نوبت آئی۔

(۲)......مہمان یا کسی طالب سے کوئی کوتاہی سرزد ہو تو اس کی اصلاح کی فکر کرنا چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سلام کی اصلاح فرمائی۔

(۳)......اپنی کسی خوبی کا ذکر کسی خاص مصلحت یا اللہ تعالیٰ کی نعمت کے اظہار اور اس کی شکرگذاری کے طور پر ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں؛ اسلئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعض صفات کا ذکر فرمایا۔

(۴)......کوئی طالب اگر اپنے استاد یا اپنے شیخ سے نصیحت کی درخواست کرے تو اس کو نصیحت کرنے میں بھی مضائقہ نہیں، نصیحت کی درخواست کرنا بھی درست اور نصیحت کی درخواست پر نصیحت کرنا بھی درست ہے۔

(۵)......کسی حیوان کو گالی دینا بھی بداخلاقی ہے کہ صحابی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت کے بعد کسی اونٹ یا بکری کو بھی گالی نہیں دی۔

جو راہِ خدا میں دیا گیا وہی باقی رہا

{۱۸۲۴} وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّهُمْ ذَبَحُوْا شَاةً فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَابَقِيَ مِنْهَا؟ قَالَتْ مَا بَقِيَ مِنْهَا اِلَّا كَتِفُهَا قَالَ بَقِيَ كُلُّهَا غَيْرَ كَتِفِهَا۔ ﴿رواه الترمذی﴾ وَصَحَّحَهٗ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/۳۷، باب بلاترجمۃ، ابواب صفۃ القیامۃ، حدیث نمبر: ۲۴۷۰۔

حل لغات: کتفھا: کندھا، شانہ، جمع: کتفۃ و اکتاف۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ لوگوں نے ایک بکری ذبح کی، تو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: کیا اس میں سے کچھ

بچا؟ تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا: صرف ایک شانہ، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: شانے کے علاوہ سب بچا ہوا ہے۔

تشریح: جو کچھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ ہو جائے وہی باقی رہتا ہے، جو کھا پی لیا جائے سب ختم ہو جاتا ہے۔

انهم ذبحوا شاة: یہ بکری لوگوں نے ذبح کی تھی، ایک تشریح تو یہ ہے کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ذبح کی تھی، دوسری تشریح یہ ہے کہ اہل بیت نے ذبح کی تھی، حضرت ملا علی قاریؒ نے دوسری تشریح کی ان الفاظ میں توثیق کی ہے۔ ”وهو الاظهر“ (مرقاۃ: ۴۸۲/۲)

الا كتفها: یعنی ایک شانہ صدقے میں نہیں دیا جا سکا تھا، جس کو ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بچا ہوا سمجھ رہی تھیں، لیکن حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس رائے کی تردید کی، اور ارشاد فرمایا: کہ اس شانے کے علاوہ سب کچھ بچا ہوا ہے۔

کپڑا پہنانے کی فضیلت

{۱۸۲۵} وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مِنْ مُسْلِمٍ كَسَا مُسْلِماً ثَوْباً اِلَّا كَانَ فِيْ حِفْظٍ مِّنَ اللّٰهِ مَادَامَ عَلَيْهِ مِنْهُ خِرْقَةٌ۔ ﴿رواه احمد والترمذی﴾

حوالہ: مسند احمد: (لم اجد فی مسند احمد) ترمذی شریف: باب ماجاء فی ثواب من کسا الخ، ابواب صفة القیامة، حدیث نمبر: ۲۴۸۴۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جس مسلمان نے کسی کو کپڑا پہنایا تو وہ کپڑا اس کے بدن پر جب تک رہتا ہے تب تک وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں رہتا ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ کی راہ میں کپڑا صدقہ کرنے کی بڑی اہمیت ہے، یہی وجہ ہے کہ جب تک وہ کپڑا باقی رہتا ہے، کپڑا دینے والا اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں رہتا ہے۔

کسا مسلما ثوبا: "ثوب" سے عام کپڑا مراد ہے، جیسا بھی کپڑا دے، وہ فضیلت کا مستحق ہے، خواہ پہننے کے ہوں کہ اوڑھنے کے خواہ بچھانے کے۔

کان فی حفظ من اللہ: یہ دنیوی اعتبار سے ہے، اور اخروی لحاظ سے بے پناہ ثواب ملے گا۔

صدقہ چھپا کر دینے کی فضیلت

{۱۸۲۶} وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ یَرْفَعُهٗ قَالَ ثَلٰثَةٌ یُّحِبُّهُمُ اللّٰهُ رَجُلٌ قَامَ مِنَ اللَّیْلِ یَتْلُوْا کِتَابَ اللّٰهِ وَرَجُلٌ یَتَصَدَّقُ بِصَدَقَةٍ بِیَمِیْنِهٖ یُخْفِیْهَا اُرَاهُ قَالَ مِنْ شِمَالِهٖ وَرَجُلٌ کَانَ فِیْ سَرِیَّةٍ فَانْهَزَمَ اَصْحَابُهٗ فَاسْتَقْبَلَ الْعَدُوَّ۔ ﴿رواه الترمذی﴾ وقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ غَیْرُ مَحْفُوْظٍ اَحَدُ رُوَاتِهٖ اَبُوْبَکْرِ بْنِ عَیَاشٍ کَثِیْرُ الْغَلَطِ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/۸۴، باب صفة انهار الجنة، کتاب صفة الجنة، حدیث نمبر: ۲۵۷۶۔

حل لغات: بیمینه: دایاں، یخفیها: اخفا (افعال) چھپانا، شمال: بایاں، فانهزم: انهزم (انفعال) شکست کھانا، مغلوب ہونا۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "تین ہیں جن سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے ایک وہ آدمی جو رات کو اٹھ کر قرآن کریم کی تلاوت کرے، دوسرا وہ آدمی جو دائیں ہاتھ سے صدقہ کرے اور اس کو چھپائے میں گمان کرتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بائیں سے، اور تیسرا وہ آدمی جو کسی سریہ میں ہو، اس کے ساتھی کو شکست ہو جائے اور وہ دشمنوں کے مقابلے میں ڈٹ جائے۔

تشریح: قرآن کریم کی تلاوت تو ویسے بھی بہت فضیلت رکھتی ہے، لیکن رات کے سناٹے میں تلاوت قرآن بہت زیادہ فضیلت رکھتی ہے، اسی طریقے سے صدقہ کرنا بہت اہم کام ہے، لیکن بالکل پوشیدہ طور پر صدقہ کرنا بہت اہم ہے، علی ہذا لڑائی کے میدان میں بہادری کا ثبوت دینا بڑی اہمیت کا حامل ہے، لیکن ہزیمت کے وقت اسلام کی سربلندی کی خاطر دشمن کے مقابلے میں ڈٹ جانا انتہائی عظیم مجاہدہ ہے۔

ابن مسعود یرفعه: یعنی حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ حدیث شریف کے ان کلمات کو حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں، یہ روایت موقوف نہیں بلکہ مرفوع ہے۔

یحبهم الله: یہ تینوں اعمال اعمال چونکہ انتہائی اخلاص کی بنا پر ہوتے ہیں اس لئے یہ اعمال اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب اور پسندیدہ ہیں، اس لئے ان تینوں اعمال کے کرنے والے کو اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا ہے۔

اللہ کے محبوب اور مبغوض بندے

{١٨٢٧} وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَۃٌ یُحِبُّھُمُ اللّٰہُ وَثَلٰثَۃٌ یُبْغِضُھُمُ اللّٰہُ فَاَمَّا الَّذِیْنَ یُحِبُّھُمُ اللّٰہُ فَرَجُلٌ اَتٰی قَوْماً فَسَاَلَھُمْ بِاللّٰہِ وَلَمْ یَسْاَلْھُمْ لِقَرَابَۃٍ بَیْنَہٗ وَبَیْنَھُمْ فَمَنَعُوْہُ فَخَلَّفَ رَجُلٌ بِاَعْیَانِھِمْ فَاَعْطَاہُ سِرًّا لَایَعْلَمُ بِعَطِیَّتِہٖ اِلَّا اللّٰہُ وَالَّذِیْ اَعْطَاہُ وَقَوْمٌ سَارُوْا لَیْلَتَھُمْ حَتّٰی اِذَا کَانَ النَّوْمُ اَحَبَّ اِلَیْھِمْ مِمَّا یُعْدَلُ بِہٖ فَوَضَعُوْا رُؤُسَھُمْ فَقَامَ یَتَمَلَّقُنِیْ وَیَتْلُوْا آیَاتِیْ وَرَجُلٌ کَانَ فِیْ سَرِیَّۃٍ فَلَقِیَ الْعَدُوَّ فَھُزِمُوْا فَاَقْبَلَ بِصَدْرِہٖ حَتّٰی یُقْتَلَ اَوْ

يُفْتَحَ لَهٗ وَالثَّلٰثَةُ الَّذِيْنَ يُبْغِضُهُمُ اللّٰهُ الشَّيْخُ الزَّانِيْ وَالْفَقِيْرُ الْمُخْتَالُ وَالْغَنِيُّ الظَّلُوْمُ۔ ﴿رواه الترمذی﴾ وَالنَّسَائِيُّ مِثْلَهٗ وَلَمْ يَذْكُرْ وَثَلٰثَةٌ يُبْغِضُهُمُ اللّٰهُ۔

حوالہ: ترمذی شرفی: ۲/۸۴، باب ماجاء فی صفة انهار الجنة، کتاب صفة الجنة الخ، حدیث نمبر: ۲۵۷۷۔ نسائی شریف: ۱/۲۷۶، باب ثواب من یعطی، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۲۵۷۱۔

حل لغات: یبغضهم: بغض (ن ک س) بغاضة: دشمنی کرنا، ساروا: سار (ض) سیرا: چلنا، النوم: سونا، نام (س) نوما: سونا، یفتح: فتح (ف) فتحا: کھولنا۔

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تین آدمی ہیں جن سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اور دوسرے تین آدمی ہیں جن سے اللہ تعالیٰ دشمنی کرتا ہے، بہرحال وہ لوگ جن سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے ان میں ایک شخص وہ ہے کہ ایک آدمی نے ایک قوم سے اللہ تعالیٰ کے واسطے سے مانگا اپنے اور ان کے درمیان قرابت کی وجہ سے سوال نہیں کیا، لیکن ان لوگوں نے نہیں دیا، تو ایک شخص نے جو اسی قبیلے کا تھا ان لوگوں کو پیچھے چھوڑ کر اس طرح چھپا کر دیا کہ اس کے عطیہ کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، دوسرا وہ شخص ہے ایک جماعت رات میں چلتے چلتے تھک گئی یہاں تک کہ دوسرے کاموں کے مقابلے میں نیند ان کو زیادہ پیاری ہوگئی، چنانچہ وہ اپنے سروں کو رکھ کر سو گئے، لیکن وہ ایک آدمی میرے سامنے کھڑے ہو کر گڑگڑائے اور میری آیتوں کی تلاوت کرے، اور تیسرا وہ آدمی ہے جو کسی جماعت میں ہوں، اور وہ دشمن سے لڑیں، اس کے ساتھیوں کو شکست ہو جائے، لیکن وہ شخص سینہ تان کر آگے بڑھے یہاں تک کہ وہ شہید ہو جائے یا اس کو کامیابی ملے، تین وہ آدمی جن سے اللہ تعالیٰ دشمنی رکھتا ہے ایک زانی بوڑھا ہے، دوسرا متکبر محتاج ہے، اور تیسرا ظالم مالدار ہے۔

تشریح: کچھ بہت اچھے کام ہوتے ہیں، کہ ان کے کرنے سے بندہ اللہ تعالیٰ کا محبوب

ترین بندہ بن جاتا ہے، اور کچھ کام بہت برے ہوتے ہیں کہ ان کے کرنے سے بندہ اللہ تعالیٰ کا دشمن بن جاتا ہے۔

یہاں حدیث پاک میں تین ایسے کاموں کا ذکر کیا گیا ہے کہ ان کے کرنے سے بندہ اللہ تعالیٰ کا انتہائی محبوب بن جاتا ہے۔ لہٰذا بندوں کو چاہئے کہ ان تین کام کرنے کی کوشش کرے تاکہ بندہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بندہ بن جائے، اور تین ایسے کاموں کا ذکر کیا گیا ہے جن کے کرنے سے بندہ اللہ تعالیٰ کا مبغوض ترین بندہ بن جاتا ہے، لہٰذا ان تینوں کاموں سے بچنے کی کوشش کرنی چاہئے تاکہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے محفوظ رہے۔

فرجل اتی قوما: ان تین آدمیوں میں ایک آدمی وہ ہے کہ ایک شخص نے کسی قبیلے سے اللہ تعالیٰ کے واسطے کچھ مانگا، لیکن ان لوگوں نے کچھ دیا نہیں، لیکن ان ہی لوگوں میں سے ایک شخص کا دل پسیجا اور اس نے آگے بڑھ کر اس مانگنے والے کی امداد ایسی رازداری سے کی کہ کسی کو خبر نہ ہوسکی، بس وہ جانتا ہے اور اس کا اللہ جانتا ہے، اس صورت میں اخلاص کامل درجہ پایا گیا، اور ریا وغیرہ سے بھی پوری طرح محفوظ رہا۔

وقوم ساروا لیلتھم الخ: دوسرے آدمی کا تذکرہ ہے، جس سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے کہ ایک جماعت کہیں جا رہی تھی، رات ہوگئی سب لوگ تھک گئے کہیں آرام کرنے کا فیصلہ کیا، چنانچہ سب ایک جگہ سو گئے، لیکن ایک آدمی اس تھکان کی پرواہ کئے بغیر کھڑا ہو کر نماز میں مشغول ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور میں گڑگڑا رہا ہے، قرآن کریم کی تلاوت کر رہا ہے، چونکہ اس کی اس عبادت کی خبر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو نہیں ہے، اس صورت میں اخلاص کامل پایا جاتا ہے، ریاء کا شائبہ بھی نہیں اور اللہ تعالیٰ کی کمال محبت بھی ہے، اس لئے یہ بندہ بھی اللہ تعالیٰ کو انتہائی محبوب ہے۔

ورجل کان فی سریۃ الخ: تیسرا وہ شخص ہے جس سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے، لڑائی میں شریک ہونے والا وہ مجاہد ہے کہ دیکھ رہا ہے ہمارے ساتھیوں کی شکست ہے، لیکن وہ اسلام کی سربلندی کے لئے آگے بڑھتا ہی چلا جاتا ہے، حتیٰ کہ وہ شہید ہو جاتا ہے، تو ایسے آدمی سے بھی اللہ تعالیٰ

بہت محبت کرتا ہے۔

فائدہ: مقصود یہ ہے کہ بندہ کو ان تینوں صفات کے حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

الشیخ الزانی: یہاں سے ان تین اشخاص کا تذکرہ ہے جن سے اللہ تعالیٰ دشمنی رکھتا ہے، پہلا وہ شخص ہے جو بوڑھا ہو، لیکن زنا کرنے کی قبیح صفت اس میں موجود ہو، تو اللہ تعالیٰ کی نظر میں وہ بہت بڑا دشمن ہے، اس لئے کہ زنا بری حرکت تو ہے ہی، اگر بوڑھا اس کو انجام دے تو اس کی قباحت اور بڑھ جاتی ہے۔ اس لئے کہ بڑھاپے میں شہوت بھی کم ہو جاتی ہے، اور پھر بڑھاپے میں تو آدمی کو اپنے آخرت کی فکر کرنی چاہئے، مگر وہ آخرت کی تیاری کے بجائے فسق وفجور میں مبتلا ہے، تو یہ شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ہے۔

الفقیر المختال: بیچارا لاچار اور غریب تو ہے اس پر بھی کبر وغرور سے چور ہے غربت کی وجہ سے اس کو عاجزی اختیار کرنا چاہئے مگر اس کے باوجود وہ بڑائی اور غرور میں مبتلا ہے، ایسا شخص بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک انتہائی مبغوض ہے۔

الغنی الظلوم: اللہ تعالیٰ نے نوازا ہے، اثر ورسوخ ہے، پہنچ ہے تو اس کے ذریعے سے اس کو چاہئے تھا کہ لوگوں کو فائدہ پہنچائے، یہ کام نہ کرنے کے بجائے وہ دوسرے مظلوم اور غریب پر ظلم وزیادتی کرتا ہے تو یہ کام اللہ تعالیٰ کو نہایت ناپسند ہے۔ اس لئے یہ شخص بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان تینوں چیزوں سے بندہ کو بہت دور رہنا چاہئے، اور جو چیزیں اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں ان کو اختیار کرنا چاہئے۔

صدقہ چھپا کر اداء کرنے کی فضیلت

{١٨٢٨} وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمَّا خَلَقَ اللّٰہُ الْاَرْضَ جَعَلَتْ تَمِیْدُ فَخَلَقَ الْجِبَالَ فَقَالَ بِہَا عَلَیْہَا فَاسْتَقَرَّتْ فَعَجِبَتِ الْمَلٰئِکَۃُ مِنْ شِدَّۃِ

10 Babu Fazlis Sadaqati

الْجِبَالِ فَقَالُوْا يَارَبِّ! هَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ اَشَدُّ مِنَ الْجِبَالِ؟ قَالَ نَعَمْ الْحَدِيْدُ فَقَالُوْا يَارَبِّ! هَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ اَشَدُّ مِنَ الْحَدِيْدِ؟ قَالَ نَعَمْ النَّارُ فَقَالُوْا يَا رَبِّ! هَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ اَشَدُّ مِنَ النَّارِ؟ قَالَ نَعَمْ الْمَاءُ فَقَالُوْا يَا رَبِّ! هَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ اَشَدُّ مِنَ الْمَاءِ؟ قَالَ نَعَمْ الرِّيْحُ فَقَالُوْا يَا رَبِّ! هَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ اَشَدُّ مِنَ الرِّيْحِ؟ قَالَ نَعَمْ ابْنُ اٰدَمَ تَصَدَّقَ صَدَقَةً بِيَمِيْنِهٖ يُخْفِيْهَا مِنْ شِمَالِهٖ۔ ﴿رواه الترمذی﴾ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَذُكِرَ حَدِيْثُ مُعَاذٍ الصَّدَقَةُ تُطْفِئُ الْخَطِيْئَةَ فِيْ كِتَابِ الْاِيْمَانِ۔

حواله: ترمذی شریف: ۲/۱۷۴، ابواب التفسیر، سورة المعوذتین، حدیث نمبر: ۳۳۸۰۔

حل لغات: تمید: ماد (ض) میدا: ہلنا، الجبال: پہاڑ، واحد: جبل، شدة: سختی، جمع: شدد، الحدید: لوہا۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے جب زمین کو پیدا فرمایا تو زمین ہلنے لگی تو اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پیدا کر کے اس پر کھڑے کر دئے تو زمین کو قرار ہوگیا، فرشتوں کو پہاڑ کی سختی سے بڑا تعجب ہوا، انہوں نے کہا: اے ہمارے رب! کیا آپ کی مخلوقات میں پہاڑ سے بھی زیادہ سخت کوئی چیز ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں لوہا ہے، فرشتوں نے کہا: اے پروردگار! کیا آپ کی مخلوقات میں لوہے سے بھی زیادہ سخت کوئی چیز ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں آگ ہے، فرشتوں نے کہا: اے پروردگار! کیا آپ کی مخلوقات میں آگ سے بھی زیادہ سخت کوئی چیز ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں پانی ہے، فرشتوں نے کہا اے پروردگار! کیا آپ کی مخلوقات میں پانی سے بھی زیادہ سخت کوئی چیز ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں ہوا ہے، فرشتوں نے کہا: اے پروردگار! کیا آپ کی مخلوق میں ہوا سے بھی زیادہ سخت کوئی چیز ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں ابن آدم ہے، جو دائیں ہاتھ سے صدقہ دیتا ہے اور اس کو بائیں ہاتھ سے بھی چھپاتا ہے۔

تشریح: جعلت تمید: ’’جعلت‘‘ ’’شرعت‘‘ کے معنی میں ہے، یعنی جب زمین پیدا کی گئی تو اس نے ہلنا شروع کر دیا۔

فخلق الجبال فقام بھا علیھا: جب ہلنے لگی تو اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پیدا کر کے زمین کے او پر کیل کی طرح کھڑا کر دیا، جس کی وجہ سے زمین کا ہلنا بند ہوگیا، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: ’’والقی فی الارض رواسی ان تمید بکم‘‘

فعجبت الملائکۃ من شدۃ الجبال: زمین کی حرکت اس قدر تیز تھی کہ فرشتوں کو محسوس ہونے لگا کہ یہ رکنے والی نہیں ہے، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو پیدا کر کے کیل کی طرح کھڑا کر دیا، جب زمین اپنی وسعت کے باوجود ساکن ہوگئی تو فرشتوں کو پہاڑوں کی سختی اور شدت سے بہت تعجب ہوا کہ زمین اتنی وسیع اور کشادہ لیکن اس کے باوجود پہاڑوں کی وجہ سے بالکل ساکن ہوگئی، اسلئے انہوں نے ازراہ تعجب سوال کیا کہ اے پروردگار! آپ کی مخلوقات میں پہاڑ ہی سب سے زیادہ سخت ہیں یا اس سے بھی زیادہ سخت کوئی دوسری مخلوق ہے؟

قال نعم الحدید: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں! اس پہاڑ سے بھی زیادہ سخت ایک مخلوق ہے، جسے لوہا کہا جاتا ہے، وہ پہاڑوں سے بھی زیادہ سخت ہے، اس لئے کہ لوہے سے پہاڑوں کو بھی توڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا جاتا ہے۔ اور پھر فرشتوں کے سوال پر لوہے سے بھی سخت آگ کو فرمایا، اس لئے کہ آگ لوہے کو بھی پگھلا دیتی ہے، اور پھر آگ سے بھی سخت پانی کو فرمایا، اس لئے کہ پانی آگ کو بھی بجھا دیتا ہے، اور پھر پانی سے بھی سخت ہوا کو فرمایا، اس لئے کہ ہوا پانی کو بھی خشک کر دیتی ہے، اور پھر ہوا سے بھی سخت مخلص بندہ کو فرمایا، جو صدقہ بھی اس طرح پوشیدہ طور پر دیتا ہے کہ اپنے بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہیں ہونے دیتا، اس سے کمال اخفاء مراد ہے، جو دلیل ہے کمال اخلاص کی۔ پس اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ مخلص بندہ ہے جو ہر کام صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے انجام دیتا ہے، اور کسی مخلوق کی کوئی پرواہ نہیں کرتا، اس لئے کہ اسی مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرمایا ہے، اور تمام مخلوق انسان کی خدمت کے لئے پیدا کی گئی ہے، پس یہ مؤمن اور مخلص بندہ مخدوم ہے، اور تمام مخلوق اس کی خادم۔ اور مخلوق کا خادم سے بڑھا

ہوااور افضل ہونا ظاہر ہے۔شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے:

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند
تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری
ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرمانبردار
شرط انصاف نباشد کہ تو فرماں نبری

ترجمہ: بادل، ہوا، چاند، سورج، آسمان سب کام میں مشغول ہیں۔تا کہ روٹی کو حاصل کرے اور غفلت کے ساتھ نہ کھائے۔سب تیرے واسطے مشغول اور فرمانبردار ہیں۔انصاف کی شرط نہیں ہے کہ تو فرمانبردار نہ ہو۔

فائدہ: (۱)......حدیث پاک سے چھپا کر صدقہ دینے کی فضیلت ظاہر ہے۔

(۲)......مومن اور مخلص بندہ کی فضیلت بھی ظاہر ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مخلوقات میں سب سے افضل و پسندیدہ اور قابل قدر ہے۔

﴿الفصل الثالث﴾

جوڑا جوڑا خرچ کرنے کی فضیلت

{۱۸۲۹} وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ یُنْفِقُ مِنْ کُلِّ مَالٍ لَہٗ زَوْجَیْنِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اِلَّا اسْتَقْبَلَتْہُ حَجَبَۃُ الْجَنَّۃِ کُلُّہُمْ یَدْعُوْہُ اِلٰی مَا عِنْدَہٗ قُلْتُ وَکَیْفَ ذٰلِکَ قَالَ اِنْ کَانَتْ اِبِلًا فَبَعِیْرَیْنِ وَاِنْ کَانَتْ بَقَرَۃً فَبَقَرَتَیْنِ۔ ﴿رواہ النسائی﴾

حوالہ: نسائی شریف: ۲/۵۴، باب فضل النفقة فی سبیل اللہ، کتاب الجهاد، حدیث نمبر: ۳۱۸۷۔

حل لغات: عبد: بندہ، جمع: عباد، ینفق: انفق (افعال) خرچ کرنا، سبیل: راستہ، جمع: سبل، حجبة: دربان، واحد: حاجب۔

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو مسلمان بندہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے ہر (جنس) مال میں سے ایک ایک جوڑا خرچ کرے گا تو جنت کے دربان اس کا استقبال کریں گے، ان میں سے ہر ایک اس کو اس چیز کی طرف بلائیں گے، جو ان کے پاس ہوگی، میں نے عرض کیا اس طرح خرچ کرنے کی صورت کیا ہوگی؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر اونٹ ہو تو دو اونٹ اور اگر گائے ہو تو دو گائے دے۔''

تشریح: جوڑے کی ایک اہمیت ہے جو شخص اپنے مال میں سے جوڑا جوڑا خرچ کریگا، وہ اللہ تعالیٰ کا انتہائی مقبول و پسندیدہ ہے، جس کی وجہ سے اس کو جنت کے تمام دروازوں کے دربان اپنے اپنے دروازہ کی طرف بلائیں گے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو جنت کے ہر دروازہ سے داخل ہونے کی اجازت ہوگی، اور جنت کے تمام دربانوں کا اس کو بلانا اور دعوت دینا اس کے کمال اعزاز کے لئے ہے۔

صدقہ قیامت کے دن سایہ ہوگا

{۱۸۳۰} وَعَنْ مَرْثَدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنِیْ بَعْضُ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ ظِلَّ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَدَقَتُهٗ۔ (رواہ احمد)

حوالہ: مسند احمد: ۲۳۳/۴۔

حل لغات: ظل: سایہ، جمع: ظلال و اظلال۔

ترجمہ: حضرت مرثد بن عبداللہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بیان کیا کہ انہوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کے دن مومن کا سایہ اس کا صدقہ ہوگا۔

تشریح: مرثد بن عبد اللہ: یہ مصر کے رہنے والے تابعی ہیں۔

قال حدثنی بعض اصحاب: انہوں نے یہ حدیث عقبہ بن عامر، ابوایوب انصاری اور عمرو بن العاص رضوان اللہ علیہم اجمعین سے سنی ہے۔

ان ظل المؤمن یوم القیامۃ صدقتہ: یعنی مسلمان بندہ اس دنیا میں جو صدقہ دیتا ہے یا تو یہی صدقہ یا اس صدقے کا ثواب مجسم صورت اختیار کر کے خیمہ کی طرح قیامت کے دن اس کے لئے سایہ فگن ہوگا۔ (مرقاۃ: ۴۸۳/۲)

عاشورہ کے دن اپنے عیال پر زیادہ خرچ کرنے کی فضیلت

{۱۸۳۱} **وَعَنْ** ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ وَسَّعَ عَلٰى عِيَالِهٖ فِي النَّفَقَةِ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ وَسَّعَ اللّٰهُ عَلَيْهِ سَائِرَ سَنَتِهٖ۔ قَالَ سُفْيَانُ اِنَّا قَدْ جَرَّبْنَاهُ فَوَجَدْنَاهُ كَذٰلِكَ۔ ﴿رواہ رزین﴾ وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْاِيْمَانِ عَنْهُ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ وَاَبِيْ سَعِيْدٍ وَجَابِرٍ وَضَعَّفَهٗ۔

حوالہ: بیہقی: ۳۶۵/۳۔

حل لغات: وسع: وسع (س) وسعا: کشادہ ہونا، وسع (تفعیل) کشادہ کرنا، جربناہ: جرب (تفعیل) تجربہ کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’جو شخص عاشورہ کے دن اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنے میں کشادگی کرے گا اللہ تعالیٰ پورے سال اس پر کشادگی کرے گا، سفیان نے کہا ہم نے اس کا تجربہ

کیا تو ہم نے اس کو ایسا ہی پایا۔

تشریح: من وسع علی عیالہ: یعنی جو شخص عاشورہ کے دن اپنے بال بچوں کو کھلانے پلانے یا دوسری ضروریات میں زیادہ خرچ کرے گا۔ تو "وسع اللہ علی سائر سنتہ" اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ بقیہ پورا سال کشادگی کا برتاؤ کرے گا۔

قال سفیان انا قد جربناہ: سفیان سے مراد سفیان ثوریؒ ہیں جو مشہور امام ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے عاشورہ کے دن اپنے اہل وعیال پر رزق میں وسعت کی تو پورے سال رزق میں وسعت وبرکت ہم نے محسوس کی۔ ہم نے اور ہمارے اصحاب نے مل کر اس کا تجربہ کیا۔

وضعفہ: یعنی حضرت امام بیہقیؒ نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

تنبیہ: حدیث پاک کا حاصل صرف یہ ہے کہ اس دن اہل وعیال پر رزق میں وسعت تمام سال رزق میں وسعت کا ذریعہ ہے، بہت سے لوگ اس دن شان وشوکت اور بہت اہتمام سے دعوتوں کا اہتمام کرتے ہیں اور تقریب کی شکل بنالیتے ہیں یہ صحیح نہیں ہے۔

صدقے کا ثواب بے پناہ ہے

{۱۸۳۲} وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ اَبُوْذَرٍّ یَا نَبِیَّ اللّٰهِ! اَرَأَیْتَ الصَّدَقَةَ مَاذَا هِیَ؟ قَالَ اَضْعَافٌ مُّضَاعَفَةٌ وَعِنْدَ اللّٰهِ الْمَزِیْدُ۔ (رواہ احمد)

حوالہ: مسند احمد: ۲۶۵/۵۔

حل لغات: اضعاف: 'ضِعْفٌ' کی جمع ہے، بمعنی دو چند، مضاعفة: بمعنی دوہرا۔

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! مجھے بتلائیے کہ صدقہ کیا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "چند در چند ہے، اور اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ ہے۔"

تشریح: الصدقة ما ذا هي: یعنی صدقے کا ثواب کیا ہے؟

قال اضعاف مضاعفة: یعنی اس صدقے کا ثواب دس گنا سے بڑھ کر سات سو گنا تک ہو جاتا ہے۔

وعند الله المزید: اور اللہ تعالیٰ اس پر مزید اضافہ کرتا ہے، کتنا اضافہ کرے گا یہ اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔

مطلب یہ ہے کہ بندہ کی حسن نیت اور اخلاص کے اعتبار سے اضافہ ہوتا رہتا ہے، جس درجہ کا اخلاص ہوگا اسی درجہ اس کے اجر و ثواب میں اضافہ ہوگا۔

11 Babu Afzalis Sadaqati

باب افضل الصدقة

(بہترین صدقہ کا بیان)

رقم الحدیث: ۱۸۳۳/تا ۱۸۵۰/

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ○

باب افضل الصدقة

(بہترین صدقہ کا بیان)

﴿الفصل الاول﴾

بہترین صدقہ

{١٨٣٣} وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ وَعَنْ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ الصَّدَقَةِ مَاكَانَ عَنْ ظَهْرِ غِنًى وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ۔ ﴿رواه البخاری﴾ وَرَوَاهُ مُسْلِمٌ عَنْ حَكِيْمٍ وَحْدَهٗ۔

حواله: بخاری شریف: ۱/ ۱۹۲، باب لا صدقة الا على ظهر غنى الخ، كتاب الزكوة، حدیث نمبر: ۱۴۰۸/۹۔ مسلم شریف: ۱/ ۳۳۲، باب بیان ان الید العلیا خیر الخ، کتاب الزکوة، حدیث نمبر: ۱۰۳۴۔

حل لغات: ظهر: پیٹھ، جمع: اظھر وظھور، غنی: مالداری، تعول: عال (ن) عولا: پرورش کرنا۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ اور حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”بہترین صدقہ وہ ہے جو مالداری کی پیٹھ سے ہو، اور ان لوگوں سے شروع کرو جو تمہاری پرورش میں ہوں۔“

تشریح: خیر الصدقة ما کان عن ظهر غنی: اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ

بہترین صدقہ وہ ہے جو خود پر اور اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنے کے بعد بچ جائے وہ صدقہ کیا جائے تاکہ نفس کا استغنا ظاہر ہو، لیکن کوئی اپنی ضروریات میں سے صدقہ کرنا شروع کردے تو قلب کو وہ اطمینان حاصل نہ ہوسکے گا، جو عند اللہ مطلوب ہے۔

وابدأ بمن تعول: آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ صدقہ کی ابتداء اپنے گھر کے آدمیوں سے ہونی چاہئے، جن کا نفقہ آدمی کے ذمہ میں ہے، عال یعول اپنے اہل وعیال کا نفقہ برداشت کرنا۔(الدر المنضود:۱۲۸/۳) مرقاة:۴۸۴/۲، التعلیق:۳۵۹/۲۔

مطلب یہ ہے کہ ایسا نہ ہو کہ اپنے اہل وعیال محتاج اور ضرورت مند ہوں اور آدمی دوسروں پر صدقہ کرے، بلکہ اپنے اہل وعیال کی ضروریات مقدم ہیں، اور اہل وعیال پر خرچ کرنے میں بھی صدقہ کا ثواب ہے، اپنے اہل وعیال کی ضروریات سے جو بچ جائے وہ دوسروں پر صدقہ کریں۔

سوال وجواب

سوال:- حدیث باب سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی ضرورت پوری کرکے جو مال باقی رہتا ہے اس سے صدقہ کرنا افضل ہے، لیکن حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دوسری حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ "افضل الصدقة جهد المقل" (رواہ ابوداؤد:۲۳۶/۱) تو ظاہراً دونوں احادیث میں تعارض ہے۔

جواب:- یہ ہے کہ جس کو صبر علی الشدة اور توکل کے اعلیٰ درجہ کی توفیق دی گئی کہ بھوکے اور فاقہ سے رہنے پر کوئی شکویٰ نہیں ہوتا ہے جیسے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان تھی، اس کے لئے جہد المقل کا صدقہ افضل کہا گیا، اور جو اس درجہ کا نہیں ہے، اس کے لئے اپنے غنی ہونے کے بعد صدقہ افضل ہے، بہرحال اختلاف حکم لوگوں کے مختلف حالات پر محمول ہے۔(درس مشکوۃ:۱۹۱/۲)

اپنے بچوں پر خرچ کرنا بھی صدقہ ہے

{۱۸۳۴} وَعَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَنْفَقَ الْمُسْلِمُ نَفَقَةً عَلٰی اَهْلِهٖ وَهُوَ یَحْتَسِبُهَا كَانَتْ لَهٗ صَدَقَةً۔ ﴿متفق علیہ﴾

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۸۰۵، باب فضل النفقۃ علی الا ھل۔ کتاب النفقات، حدیث نمبر: ۵۱۴۲۔ مسلم شریف: ۱/۳۲۴، باب فضل الصدقۃ، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۱۰۰۲۔

حل لغات: انفق: (افعال) خرچ کرنا، یحتسبھا: حسب (س) حسابا: گمان، احتسب (افتعال) عند اللہ خیرا: ثواب کی امید رکھنا، یہاں یہی معنیٰ مراد ہیں۔

ترجمہ: حضرت ابومسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ ارشاد فرمایا: ''جب مسلمان ثواب کی امید سے اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتا ہے تو اس کے لئے صدقہ ہے۔''

تشریح: اپنے بال بچوں پر تو خرچ کرنا ہی ہے، ان ہی اخراجات پر اگر کوئی مسلمان ثواب کی امید رکھے تو اللہ تعالیٰ اس کو ثواب عنایت فرماتا ہے۔

علی اهله: یعنی اپنی بیوی یا ان لوگوں پر جن کا نفقہ اس شخص پر واجب ہے۔ (التعلیق: ۲/۳۶۰)

بڑا صدقہ

{۱۸۳۵} وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ دِیْنَارٌ اَنْفَقْتَهٗ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَدِیْنَارٌ اَنْفَقْتَهٗ فِیْ رَقَبَةٍ وَدِیْنَارٌ تَصَدَّقْتَ بِهٖ عَلٰی مِسْكِیْنٍ وَدِیْنَارٌ اَنْفَقْتَهٗ عَلٰی

اَهْلِكَ اَعْظَمُهَا اَجْرًا الَّذِیْ اَنْفَقْتَهٗ عَلٰی اَهْلِكَ۔ ﴿رواہ مسلم﴾

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۳۲۲، باب فضل النفقة علی العیال الخ، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۹۹۵۔

حل لغات: دینار: سونے کا سکہ، جمع: دنانیر، رقبة: گردن، جمع: رقاب۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”ایک دینار وہ ہے جسے تم نے راہِ خدا میں خرچ کیا، ایک دینار وہ ہے جسے تم نے غلام آزاد کرنے میں خرچ کیا، ایک دینار وہ ہے جسے تم نے مسکین کو صدقہ کیا اور ایک دینار وہ ہے جسے تم نے اپنے اہل وعیال پر خرچ کیا، ان میں سے اس کا اجر بڑھا ہوا ہے، جس کو تم نے اپنے اہل وعیال پر خرچ کیا۔“

تشریح: انفقته فی سبیل اللّٰه: راہ خدا سے مراد جہاد، حج اور علم دین کی خدمت مراد ہے۔

فی رقبة: یعنی غلام آزاد کرنے میں۔

اعظمها اجرا الذی انفقته علی اهلک: زیادہ ثواب اس لئے ملے گا کہ اپنے اہل وعیال کی پرورش ضروری اور لازم ہے، اور دوسری تمام ضروریات پر مقدم ہے۔ اور ضرورت کی جگہ خرچ کرنے سے ثواب زیادہ ملتا ہی ہے، یا اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنے سے انفاق اور صلہ رحمی دونوں پائے گئے اس لئے ثواب زیادہ ملے گا۔ (التعلیق: ۳۶۰/۲، مرقاۃ: ۴۸۴/۲)

بہترین مصارف

{۱۸۳۶} وَعَنْ ثَوْبَانَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ دِیْنَارٍ یُنْفِقُهٗ الرَّجُلُ دِیْنَارٌ یُنْفِقُهٗ عَلٰی عَیَالِهٖ وَدِیْنَارٌ یُنْفِقُهٗ عَلٰی دَابَّتِهٖ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَدِیْنَارٌ یُنْفِقُهٗ عَلٰی اَصْحَابِهٖ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔ ﴿رواہ مسلم﴾

حوالہ: مسلم شریف: ١/ ٣٢٢، باب فضل النفقة علی العیال الخ، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر:٩٩٤۔

حل لغات: دابتہ: سواری، جمع: دواب۔

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''خرچ کئے جانے میں افضل دینار وہ دینار ہے جو اپنے بال بچوں پر خرچ کرے، دوسرا وہ دینار ہے جو جہاد کی سواری پر خرچ کرے، اور تیسرا وہ دینار ہے جو اپنے مجاہدین ساتھی پر خرچ کرے۔''

تشریح: یہ تین مصرف ہیں (جن کا حدیث باب میں تذکرہ ہے) جن پر خرچ کرنے سے بہترین صدقے کا ثواب ملتا ہے۔

علی دابتہ فی سبیل اللہ: سے وہ سواری مراد ہے جو جہاد کے لئے پالی گئی ہو۔

علی اصحابہ فی سبیل اللہ: سے اسلامی لشکر مراد ہے، یعنی اسلامی لشکر پر خرچ کرنا بہترین صدقہ ہے۔

فائدہ: علم حاصل کرنے میں جو اپنے ساتھی ہیں وہ بھی اس میں داخل ہیں، اسی طرح کوئی شخص تبلیغ میں چلہ وغیرہ کے لئے نکلا ہوا ہے اس کے رفقاء بھی اس میں داخل ہیں۔

اپنے بچوں پر خرچ کرنے کا ثواب

{١٨٣٧} **وَعَنْ** اُمِّ سَلَمَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا قَالَتْ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! ﴿صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ﴾ اَلِیَ اَجْرٌ اِنْ اُنْفِقَ عَلٰی بَنِیْ اَبِیْ سَلَمَةَ اِنَّمَا ھُوَ بَنِیَّ فَقَالَ اَنْفِقِیْ عَلَیْہِمْ فَلَكِ اَجْرُ مَا اَنْفَقْتِ عَلَیْہِمْ۔ ﴿متفق علیہ﴾

حوالہ: بخاری شریف: ١/ ١٩٨، باب الزکوۃ علی الزوج الخ، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر:١٤٤٦۔ مسلم شریف: ١/ ٣٢٤، باب فضل الصدقة الخ، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر:١٠٠١۔

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا میرے لئے ثواب ہے؟ اگر میں ابوسلمہ کی اولاد پر خرچ کروں، اس لئے کہ وہ تو میری اولاد ہے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ان پر خرچ کرو، جو تم ان پر خرچ کروگی تمہارے لئے اجر ہے۔''

تشریح: عن ام سلمۃ رضی اللّٰہ تعالی عنہا: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا (جن کا نام ہند بنت ابوامیہ یا بعض کے نزدیک رملہ بنت ابوامیہ تھا) پہلی شادی ایک صحابی حضرت ابوسلمہ (اصل نام عبداللہ بن عبدالاسد) سے ہوئی تھی، حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کئی اولادیں ہوئیں، ان میں سے ایک سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، ایک کا نام عمر تھا، ایک بیٹی زینب تھیں، اور ایک بیٹی کا نام درہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھا۔ بعض نے دو اولادوں کا اور ذکر کیا ہے، ایک بیٹا محمد، اور ایک بیٹی کلثوم۔

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ جب (٣ھ یا ٤ھ) میں انتقال کر گئے تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا دوسرا نکاح حضرت رسول اللہ ﷺ سے ہوا، حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کے جو بچے تھے ان کو خرچہ کیلئے وہ کچھ دیا کرتی تھیں، اسی کے بارے میں انہوں نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ میں اپنے بچوں پر جو خرچ کرتی ہوں کیا وہ بھی کارِثواب ہے؟ اس پر حضرت نبی کریم ﷺ نے ان سے ارشاد فرمایا: کہ ان بچوں پر تمہارا خرچ کرنا کارِثواب ہے، واضح رہے کہ بظاہر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی مراد ان ہی بچوں کی تھی جو ان کے بطن سے حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تھے، اس صورت میں ''وہ تو میرے بچے ہیں'' کے الفاظ سے سگے بچے مراد ہوں گے۔ (مرقاۃ: ٢/٤٨٥)

مطلب یہ ہے کہ اپنی حقیقی اولاد پر خرچ کرنے سے بھی اجر و ثواب ملتا ہے۔

اپنے لوگوں کو صدقہ دینا دوہرا اجر ہے

{١٨٣٨} وَعَنْ زَيْنَبَ امْرَأَةِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ

تَعَالیٰ عَنْهُمَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَصَدَّقْنَ یَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ وَلَوْ مِنْ حُلِیِّكُنَّ قَالَتْ فَرَجَعْتُ اِلیٰ عَبْدِاللّٰهِ فَقُلْتُ اِنَّكَ رَجُلٌ خَفِیْفُ ذَاتِ الْیَدِ وَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اَمَرَنَا بِالصَّدَقَةِ فَأْتِهٖ فَاسْأَلْهُ فَاِنْ كَانَ ذٰلِكَ یَجْزِیْ عَنِّیْ وَاِلَّا صَرَّفْتُهَا اِلیٰ غَیْرِكُمْ قَالَتْ فَقَالَ لِیْ عَبْدُاللّٰهِ بَلِ ائْتِیْهِ اَنْتِ قَالَتْ فَانْطَلَقْتُ فَاِذَا امْرَأَةٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ بِبَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَاجَتِیْ حَاجَتُهَا قَالَتْ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اُلْقِیَتْ عَلَیْهِ الْمَهَابَةُ قَالَتْ فَخَرَجَ عَلَیْنَا بِلَالٌ فَقُلْنَا لَهٗ اِئْتِ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبِرْهُ اَنَّ امْرَأَتَیْنِ بِالْبَابِ تَسْأَلَانِكَ اَتَجْزِیْ الصَّدَقَةُ عَنْهُمَا عَلیٰ اَزْوَاجِهِمَا وَعَلیٰ اَیْتَامٍ فِیْ حُجُوْرِهِمَا وَلَا تُخْبِرْهُ مَنْ نَحْنُ قَالَتْ فَدَخَلَ بِلَالٌ عَلیٰ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهٗ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ هُمَا فَقَالَ اِمْرَأَةٌ مِنَ الْاَنْصَارِ وَزَیْنَبُ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیُّ الزَّیَانِبِ؟ قَالَ اِمْرَأَةُ عَبْدِاللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَهُمَا اَجْرَانِ اَجْرُ الْقَرَابَةِ وَاَجْرُ الصَّدَقَةِ۔ ﴿متفق علیہ﴾ وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ۔

حوالہ: بخاری شریف: ١/١٩٨، باب الزکوۃ علی الزوج الخ، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر:١٤٦٦۔ مسلم شریف: ١/٣٢٣، باب فضل الصدقة الخ، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر:١٠٠٠۔

حل لغات: معشر: جماعت، آدمی کے اہل، جمع: معاشر، النساء: جمع ہے 'امرأة' کی، بمعنی عورت، حلیکن: جمع ہے 'حلی' کی، بمعنی زیور، باب: دروازہ، جمع: ابواب، المهابة: رعب، هابة (س) سے هیبة: خوف کرنا۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اے عورتوں کی جماعت! صدقہ کیا کرو، اگرچہ اپنے زیوروں سے ہو۔'' حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا: میں نے واپس جا کر عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا، آپ خالی ہاتھ غریب آدمی ہیں، اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صدقہ کرنے کا حکم دیا ہے، اس لئے آپ جا کر حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیجئے اگر یہ میری جانب سے کافی ہے تو ٹھیک ہے ورنہ اس کو میں آپ کے علاوہ پر خرچ کروں، حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ سے کہا تم ہی جاؤ، چنانچہ میں گئی، تو دیکھا کہ ایک انصاری عورت حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دروازے پر اسی ضرورت سے کھڑی ہے، جو میری ضرورت ہے، حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے کہا حضرت نبی کریم ﷺ بہت رعب دار تھے، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ باہر نکلے تو ہم نے ان سے کہا آپ! جا کر حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہیئے کہ دروازے پر کھڑی دو عورتیں آپ سے پوچھ رہی ہیں کہ ان کا اپنے شوہروں اور ان یتیم بچوں پر خرچ کرنا کافی ہے جو ان کے آغوش تربیت میں ہیں؟ اور یہ آپ نہ بتائیں کہ ہم کون ہیں، حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ملاقات کر کے پوچھا، تو حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے کہا وہ دونوں کون ہیں؟ انہوں نے کہا ایک انصای عورت ہے، اور دوسری زینب ہے، تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کون زینب؟ انہوں نے کہا: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی، تو حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ان کے لئے دوہرا اجر ہے، ایک قرابت کا اجر اور دوسرا صدقے کا اجر۔''

تشریح: حلیکن: زیور سے ہر طرح کے زیور مراد ہیں، خواہ سونے چاندی کے ہوں یا دوسرے معدنیات کے۔ (مرقاۃ: ۲/۴۸۵)

انک رجل خفیف ذات الید: یعنی آپ کا ہاتھ مضبوط نہیں ہے، بلکہ آپ ایک

غریب آدمی ہیں۔

قد امرنا بالصدقة: یعنی اس مجلس میں حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی تھیں، جس مجلس میں آپ نے عورتوں کی جماعت کو صدقہ کرنے کا حکم دیا تھا، اب حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو فکر ہوئی کہ میں تو بس اپنے شوہر اور اپنی کفالت میں موجود بچوں پر ہی خرچ کرتی ہوں، اس کے بعد مال بچتا ہی نہیں ہے کہ دوسروں پر خرچ کروں جس کی بنیاد پر میں ثواب سے محروم ہوں، اب اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ ان لوگوں سے ہاتھ روک کر دوسروں پر خرچ کروں تا کہ ثواب ملے، اور دوسری صورت یہ ہے کہ مجھے ان لوگوں پر خرچ کرنے سے ثواب مل رہا ہے۔

فان کان ذلک یجزی عنی الخ: اگر یہ میری طرف سے کافی ہو جائے گا تو ٹھیک ہے ورنہ میں دوسرے لوگوں پر خرچ کروں گی۔

قال لی عبد اللّٰہ بل ایتیہ انت: حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے شوہر عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ آپ جا کر حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں پوچھئے، تو انہوں نے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا کہ تم ہی جا کر پوچھو۔

قالت فانطلقت فاذا الخ: حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کہنے کے مطابق میں گئی تو دیکھا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دروازے پر ایک انصاری عورت اسی ضرورت کے لئے کھڑی ہے، جو میری ضرورت تھی۔

وکان رسول اللّٰہ ﷺ قد القیت المھابۃ: حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے چونکہ بہت زیادہ رعب سے نوازا تھا، اس لئے دونوں کو اندر جانے کی ہمت نہ ہوسکی۔

فخرج علینا بلال: حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ باہر تشریف لائے تو ان دونوں نے اس موقعہ کو غنیمت جانا، اور ان سے کہا کہ آپ جا کر کہئے کہ دو عورتیں ہیں۔

تسألانک اتجزی الصدقة عنھما علی ازواجھما الخ: جو آنحضرت ﷺ سے یہ پوچھ رہی ہیں کہ کیا ان دونوں کو اپنے شوہر اور زیر پرورش یتیم بچوں پر خرچ

کرنے سے صدقے کا ثواب ملے گا؟

و لا تخبرہ من نحن: لیکن آپ! حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہمارا تعارف نہ کرائیں۔

فدخل بلال: چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دونوں کی ضرورت حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے رکھی اور حالت ایسی پیش آئی کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ان دونوں عورتوں کا تعارف کرانا پڑ گیا چونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھ لیا۔

لهما اجران: دربار نبوت سے جواب ملا کہ ان دونوں عورتوں کے لئے دوہرا اجر ہے، ایک حق قرابت کا اور دوسرا صدقے کا۔ (مرقاۃ: ۴۸۵/ ۲)

اشکال مع جواب

اشکال: یہاں پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اپنا تعارف کرانے سے منع کر دیا تھا، تو پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے منع کے باوجود تعارف کیونکر کرایا؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر حضرت زینب کی اطاعت ایسی لازم اور فرض نہیں تھی کہ اس کی مخالفت گناہ لازم آئے، اور اس کے برخلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و اجابت فرض ہے، اور اس کے خلاف کرنے سے گناہ بھی لازم آئے گا، اس لئے انہوں نے تعارف کرا دیا۔ (التعلیق: ۳۵۱)

اپنے رشتہ داروں کو دینا

{۱۸۳۹} وَعَنْ مَيْمُوْنَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا

اَنَّهَا اَعْتَقَتْ وَلِيْدَةً فِيْ زَمَانِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَوْ اَعْطَيْتِهَا اَخْوَالَكِ كَانَ اَعْظَمُ لِاَجْرِكِ۔ ﴿متفق علیہ﴾

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۳۵۳، باب ہبة المرأة بغیر اذن زوجها، کتاب الهبة، حدیث نمبر:۲۵۲۰۔

مسلم شریف: ۱/۳۲۳، باب فضل الصفة الخ، کتاب الزکوة، حدیث نمبر:۹۹۹۔

حل لغات: ولیدة: باندی، جمع: ولائد، اخوال: جمع ہے 'خال' کی، بمعنی ماموں۔

ترجمہ: حضرت میمونہ بنت الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک لونڈی آزاد کی، انہوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے اس کا تذکرہ کیا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اگر اپنے ماموؤں کو دیدیتیں تو تمہارے لئے زیادہ اجر ہوتا۔''

تشریح: مال خرچ کرنے سے پہلے اپنے رشتہ داروں کو دیکھ لے اگر ان میں ایسا کوئی ضرورت مند ہے تو اس کو دیدیا جائے۔

میمونة بنت الحارث: یہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیویوں میں سے ایک بیوی ہیں۔

اعتقت ولیدا ولیدة: انہوں نے ایک باندی آزاد کی، باندی آزاد تو ہوگئی۔

فذکرت ذلک: انہوں نے بعد میں حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا۔

فقال لو اعطیتها اخوالک: تو حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اگر آزاد کرنے کے بجائے اس باندی کو اپنے ماموؤں کو دیدیتیں تو تمہیں زیادہ ثواب ملتا اس لئے کہ ان کے ماموؤں کو واقعتا اس باندی کی ضرورت تھی، اور وہ لوگ محتاج بھی تھے۔ اور اس پر زیادہ ثواب ملتا، ایک تو صدقہ کا ثواب اور دوسرا صلہ رحمی کا ثواب۔ اور آزاد کرنا صرف ایک ثواب رکھتا ہے، یعنی

صدقے کا، اور ظاہر ہے دو خیر ایک خیر سے افضل ہے۔ (التعلیق: ٢/٣٦١)

کون پڑوسی زیادہ مستحق ہے؟

{١٨٤٠} وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهَا قَالَتْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! (صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) اِنَّ لِيْ جَارَيْنِ فَاِلیٰ اَيِّهِمَا اُهْدِيْ قَالَ اِلیٰ اَقْرَبِهِمَا مِنْكِ بَابًا۔ (رواه البخاری)

حواله: بخاری شریف: ١/٣٥٣، باب بمن يبدأ بالهدية، كتاب الهبة، حدیث نمبر: ٢٥٢٣۔

حل لغات: جارین: 'جار' کا تثنیہ ہے، بمعنی پڑوسی۔ جمع: جیران ہے۔

ترجمه: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول! میرے دو پڑوسی ہیں، ان میں سے کس کو ہدیہ دوں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ان میں سے جو آپ سے دروازے کے اعتبار سے قریب ہو''

تشریح: معلوم ہوا جو پڑوسی دروازہ کے زیادہ قریب ہے وہ زیادہ مستحق ہے کہ اولاً اس کو دیا جائے پھر الاقرب فالاقرب کے قاعدہ سے خرچ کرے۔

شوربہ بڑھادے تاکہ پڑوسی کو دے سکے

{١٨٤١} وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا طَبَخْتَ مَرَقَةً فَاَكْثِرْ مَائَهَا وَتَعَاهَدْ جِيْرَانَكَ۔ (رواه مسلم)

حواله: مسلم شریف: ٢/٣٢٩، باب الوصية بالجار الخ، كتاب البر و الصلة، حدیث نمبر: ٢٢٢٥۔

حل لغات: جیران: جمع ہے 'جار' کا، بمعنی پڑوسی۔

ترجمه: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا: ''جب شوربا پکاؤ تو اس کا پانی بڑھا دو اور اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھو۔''

تشریح: خلاصہ یہ ہے کہ جب کبھی خاص کھانا پکائے تو ممکن ہو تو ذرا شوربہ بڑھالے تاکہ پڑوسیوں کو ہدیہ کیا جاسکے۔

اس سے پڑوس کی اہمیت معلوم ہوئی، اگر ان کو دینے کے لئے کچھ نہیں ہے تو اتنا کر ہی سکتے ہیں کہ شوربہ میں اضافہ کرکے ان کو شوربہ کا ایک پیالہ ہی ہدیہ میں دیدیا جائے، اس میں تو گھر سے کچھ جاتا ہی نہیں، اور غریب پڑوسی کی مدد ہوسکتی ہے، اور اس کو خوش کرکے اس کی دعائیں حاصل کی جاسکتی ہیں۔

﴿الفصل الثانی﴾

نادار شخص کا صدقہ

{۱۸۴۲} وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ! (صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ) اَیُّ الصَّدَقَةِ اَفْضَلُ قَالَ جُهْدُ الْمُقِلِّ وَابْدَاْ بِمَنْ تَعُوْلُ۔ (رواه ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۲۳۶، باب الرخصة فی ذلک، کتاب الزکوة، حدیث نمبر: ۱۶۷۷۔

حل لغات: جهد: زبردست کوشش، المقل: کم مال والا، قل (ض) قلا: کم مال والا ہونا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول! کونسا صدقہ افضل ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کم مال والے کا پوری کوشش کرنا اور زیر پرورش لوگوں سے شروع کر۔''

تشریح: أی الصدقة افضل قال جهد المقل: اس حدیث شریف میں اور پیچھے ایک حدیث شریف گذری ہے جس میں کہا گیا ہے: ''خیر الصدقة ما کان عن ظهر غنی'' دونوں

روایتوں میں بظاہر تعارض ہے، دونوں روایتوں میں اس طور پر تطبیق دی جاسکتی ہے کہ حالات وواقعات سے چونکہ احکام بدل جاتے ہیں، اس لئے بعض حالات میں "جهد المقل" کا صدقہ افضل ترین صدقہ ہے، دوسری توجیہ یہ ہے کہ "جهد المقل" کا صدقہ اس صورت میں افضل ترین صدقہ ہے جب استغنائے قلب کے ساتھ کیا جائے۔ (التعلیق: ٢/٣٦١، مرقاة: ٢/٤٨٦)

رشتہ داروں کو صدقہ

{١٨٤٣} وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِيْنِ صَدَقَةٌ وَهِيَ عَلٰى ذِى الرَّحْمِ ثِنْتَانِ صَدَقَةٌ وَصِلَةٌ۔ (رواه احمد والترمذى والنسائى وابن ماجة والدارمى)

حواله: مسند احمد: ٤/١٨، ترمذی شریف: ١/١٤٢، باب ماجاء فی الصدقة علی ذی القرابة، کتاب الزکوة، حدیث نمبر: ٦٥٨۔ نسائی شریف: ٢/٢٧٨، باب الصدقة علی الاقارب، کتاب الزکوة، حدیث نمبر: ٢٥٨٣۔ ابن ماجه شریف: ١٣٢، باب فضل الصدقة، کتاب الزکوة، حدیث نمبر: ١٨٤٤۔ دارمی: ١/٣٩٧، باب الصدقة علی القرابة، کتاب الزکوة، حدیث نمبر: ١٦٨١۔

حل لغات: الرحم: رشتہ دار، جمع: ارحام، اسی سے 'ذو الرحم' بمعنی رشتہ دار۔

ترجمه: حضرت سلیمان بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "مسکین کو صدقہ دینا ایک صدقہ ہے، اور وہی رشتہ داروں کو دینا ڈبل، ایک صدقہ اور ایک صلہ رحمی۔"

تشریح: اپنے لوگوں اور رشتہ داروں کو صدقہ دینے سے ڈبل اور دوہرا اجر ملتا ہے۔

سلیمان بن عامر: حضرات شارحین لکھتے ہیں کہ یہ نام سلیمان بن عامر نہیں ہے، بلکہ سلمان بن عامر ہے، یہاں کاتب کی غلطی سے سلیمان ہوگیا ہے، یہی وجہ ہے کہ صاحب مشکوة نے اپنی کتاب

"اکمال فی اسماء الرجال" میں سلمان بن عامر کا تذکرہ تو کیا ہے، لیکن سلیمان بن عامر کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔ (اکمال فی اسماء الرجال: ۵۹۷، مرقاۃ: ۴۸۶/۴/۲)

خرچ کرنے کی ترتیب

{۱۸۴۴} وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عِنْدِیْ دِیْنَارٌ قَالَ اَنْفِقْهُ عَلٰی نَفْسِکَ قَالَ عِنْدِیْ اٰخَرُ قَالَ اَنْفِقْهُ عَلٰی وَلَدِکَ قَالَ عِنْدِیْ اٰخَرُ قَالَ اَنْفِقْهُ عَلٰی اَهْلِکَ قَالَ عِنْدِیْ اٰخَرُ قَالَ اَنْفِقْهُ عَلٰی خَادِمِکَ قَالَ عِنْدِیْ اٰخَرُ قَالَ اَنْتَ اَعْلَمُ۔ ﴿رواہ ابوداؤد والنسائی﴾

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۲۳۸/۱، باب ما جاء فی صلة الرحم، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۱۶۹۱۔ نسائی شریف: ۲۷۲/۱، باب تفسیر ذلک، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۲۵۳۶۔

حل لغات: نفسک: ذات، جمع: نفوس، ولد: لڑکا، جمع: اولاد۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک آدمی نے آکر عرض کیا کہ میرے پاس ایک دینار ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو اپنی ذات پر خرچ کرو، انہوں نے کہا میرے پاس دوسرا دینار ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو اپنے بچے پر خرچ کرو، انہوں نے کہا میرے پاس دوسرا دینار ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو اپنے گھر والوں پر خرچ کرو، انہوں نے کہا میرے پاس دوسرا دینار ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو اپنے خادم پر خرچ کرو، انہوں نے کہا میرے پاس دوسرا دینار ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اب تم زیادہ جانتے ہو۔

تشریح: فقال عندی دینار: اس ایک دینار کی ملکیت کا تذکرہ کرکے ان صحابی کا

منشاء یہ تھا کہ میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا چاہتا ہوں۔

قال انفقه علی نفسک: تو حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو مصرف بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا: کہ اس کو اپنی ذات پر خرچ کرو۔

قال عندی دینار آخر: انہوں نے عرض کیا کہ اس ایک دینار کے علاوہ میرے پاس دوسرا دینار بھی ہے۔

قال انفقه علی ولدک: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دوسرا مصرف بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا: کہ اس کو اپنی اولاد پر خرچ کرو۔

قوله انت اعلم: اس کا مطلب یہ ہے کہ پھر تم اپنے اقارب اور پڑوسی اور دوست واحباب میں سے جس کو مستحق سمجھو اس پر خرچ کرو۔ (التعلیق: ۳۶۲/۲، مرقاۃ: ۴۸۷/۲)

فائدہ: حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ اپنی ذات مقدم ہے، پھر اپنی اولاد اور اہل وعیال پھر الاقرب فالاقرب کے قاعدہ سے آدمی خود سوچ سمجھ کر خرچ کرسکتا ہے۔

اللہ کے واسطے مانگنے والے کو دینا

{۱۸۴۵} وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ النَّاسِ رَجُلٌ مُمْسِكٌ بِعِنَانِ فَرَسِهٖ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِالَّذِيْ يَتْلُوْهُ رَجُلٌ مُعْتَزِلٌ فِيْ غُنَيْمَةٍ لَهٗ يُؤَدِّيْ حَقَّ اللّٰهِ فِيْهَا اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِشَرِّ النَّاسِ رَجُلٌ يَسْأَلُ بِاللّٰهِ وَلَا يُعْطِيْ بِهٖ۔ ﴿رواه الترمذی والنسائی والدارمی﴾

حوالہ: ترمذی شریف: ۲۹۴/۱، باب ماجاء ای الناس خیرا، کتاب الجهاد، حدیث نمبر: ۱۶۵۸۔ نسائی شریف: ۲۷۶/۱، باب من یسأل بالله ولا یعطی به، کتاب الزکوة، حدیث نمبر: ۲۵۷۰۔ دارمی: ۲۰۱/۲، باب افضل الناس رجل الخ، کتاب الجهاد، حدیث نمبر: ۲۳۹۵۔

حل لغات: رجل: آدمی، جمع: رجال، ممسک: اسم فاعل ہے، بمعنی روکنے والا، امسک

(افعال) روکنا،بعنان: لگام کی رسی،جمع: اعنۃ وعنن، فرسہ: گھوڑا،جمع: خیل۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”کیا میں تم لوگوں کو نہ بتاؤں بہترین آدمی کون ہے؟ وہ آدمی ہے جو راہ خدا میں گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے ہو، میں تمہیں اس شخص کے بارے میں نہ بتلاؤں؟ جو اسی کے برابر ہے، وہ آدمی جو اپنی بکریوں کو لے کر لوگوں سے الگ ہو جائے، نیز اس کی زکوۃ بھی اداء کرے، کیا میں تم لوگوں کو نہ بتاؤں کہ سب سے برا آدمی کون ہے؟ وہ آدمی ہے جس سے اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر مانگا جائے اور وہ اس کو نہ دے۔“

تشریح: الا أخبر کم بخیر الناس: اس حدیث شریف میں ”الناس“ سے مراد مؤمنین ہیں، یعنی مؤمنین میں سب سے بہتر انسان مجاہد فی سبیل اللہ ہے، اور سب سے خراب انسان اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر مانگنے والے کو نہ دینے والا ہے۔

الا اخبر کم بالذی یتلوہ: مجاہدین کے ہم پلہ وہ لوگ ہیں جو اپنی بکریوں کو لے کر جنگل کی طرف نکل جائیں، اور ان ہی بکریوں سے اپنا گذر بسر کریں۔

یؤدی حق اللہ فیھا: نیز اگر ان بکریوں میں زکوۃ واجب ہوگئی ہے تو اس کی زکوۃ بھی اداء کرتا ہو۔ اور نماز روزہ کی جنگل میں پابندی کرتا ہو۔ یہ اس لئے افضل ہے کہ آبادی میں ہونے والے شر وفساد اور معاصی سے بھی محفوظ ہے، اور دوسرے لوگ بھی اس کی ایذاء سے محفوظ ہیں۔

شر الناس: کے بارے میں فرمایا: کہ مؤمنین میں سب سے برا وہ شخص ہے کہ جس سے اللہ تعالیٰ کے واسطے سے مانگا جائے اور وہ نہ دے۔ (التعلیق: ۳۶۲/۲)

اس لئے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے نام کا بھی لحاظ نہیں کیا، الا یہ کہ وہ شخص مجبور محض ہو یا اور کوئی عذر مقبول ہو۔

سائل کو کچھ نہ کچھ دیدے

{١٨٤٦} وَعَنْ اُمِّ بُجَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ قَالَ

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُدُّوْا السَّائِلَ وَلَوْ بِظِلْفٍ مُحْرَقٍ۔ ﴿رواه مالك والنسائی والترمذی وابوداؤد معناه﴾

حواله: موطا امام مالک: ۳۶۹، باب ماجاء فی المساکین، کتاب الجامع، نسائی شریف: ۱/ ۲۷۶، باب رد السائل، کتاب الزکوة، حدیث نمبر:۲۵۶۶۔ ترمذی شریف: ۱/ ۱۴۴، باب ماجاء فی حق السائل، کتاب الزکوة، حدیث نمبر:۶۶۵۔ابوداؤد شریف: ۱/ ۲۳۵، باب حق السائل، کتاب الزکوة، حدیث نمبر:۱۶۶۷۔

حل لغات: ردوا: رَدَّ (ن) رَدًّا: لوٹانا، واپس کرنا۔

ترجمه: حضرت ام بجید رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”مانگنے والے کو دے کر واپس کرو، اگرچہ جلا ہوا کھر ہی ہو۔“

تشریح: ردوا السائل: یعنی سائل کو محروم نہ کرے، بلکہ کچھ نہ کچھ دیدے۔
ولو بظلف محرق: مراد ادنیٰ سے ادنیٰ چیز ہے۔

چند اہم ہدایات

{۱۸۴۷} وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اسْتَعَاذَ مِنْكُمْ بِاللّٰهِ فَاَعِيْذُوْهُ وَمَنْ سَأَلَ بِاللّٰهِ فَاَعْطُوْهُ وَمَنْ دَعَاكُمْ فَاَجِيْبُوْهُ وَمَنْ صَنَعَ اِلَيْكُمْ مَعْرُوْفاً فَكَافِئُوْهُ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا مَاتُكَافِئُوْهُ فَادْعُوْ لَهٗ حَتّٰى تُرَوْا اَنْ قَدْ كَافَأْتُمُوْهُ۔ ﴿رواه احمد وابوداؤد والنسائی﴾

حواله: مسند احمد:۲/ ۶۸، ابوداؤد شریف: ۱/ ۲۳۵، باب عطية من الله، کتاب الزکوة، حدیث نمبر:۱۶۷۲۔نسائی شریف: ۱/ ۲۷۶، باب من سأل باللہ عز وجل، کتاب الزکوة، حدیث نمبر:۲۵۶۸۔

حل لغات: فكافئوه: كافأ (مفاعلت) بدلہ دینا۔

ترجمه: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جو شخص تم سے اللہ کا واسطہ دے کر پناہ مانگے تو اس کو پناہ دیدو، جو اللہ تعالیٰ کا واسطے دے

کر مانگے تو اس کو دیدو، جو تمہاری دعوت کرے تو اس کو قبول کرو اور جو تمہارے ساتھ احسان کرے تو اس کو بدلہ دو، اگر ایسی چیز نہ پاسکو جو بدلے میں دو تو اس کے لئے دعاء کرو یہاں تک کہ تم سمجھ لو کہ اس کا بدلہ پورا ہو گیا ہے۔''

تشریح: مطلب یہ ہے کہ یہ تو الگ بات ہے کہ سائل کو چاہئے کہ وہ لوگوں سے دنیوی مال ومتاع کے سوال میں اللہ تعالیٰ شانہ جیسی عظیم ذات کو وسیلہ نہ بنائے، لیکن تم کو یہ چاہئے کہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے نام کے وسیلہ سے تم سے سوال کرے تو تم اس کو دیدو، پھر آگے فرماتے ہیں اور جو تمہاری دعوت کرے مثلاً ولیمہ کی تو اس کو قبول کرو، کہ اس سے ایک مومن کا دل خوش ہو جائے گا، مگر یہ اسی وقت ہے جب کہ دعوت صرف محبت واخوت کی بنیاد پر ہو، ریاو تفاخر کے طور پر نہ ہو یا محض خاندان وبرادری کی رسم کے طور پر نہ ہو، اسی طرح دعوت میں اور کسی معصیت ناچ، گانا وغیرہ کا صدور نہ ہو، قرض وغیرہ لے کر دعوت نہ کر رہا ہو، جیسا کہ عامۃً آج کل ہو رہا ہے۔ یا مطلب یہ کہ اگر کوئی تم کو مدد کے لئے پکارے تو تم اس کی مدد کرو، اور جو شخص تمہارے ساتھ کسی قسم کا بھی احسان کرے تو تم اس کو اس کا بدلہ دو، احسان کا بدلہ احسان سے، اور اگر احسان کا بدلہ احسان سے نہ کر سکو (بوجہ عدم گنجائش) تو اس کے لئے خوب دعاء خیر کرتے رہو، یہاں تک کہ تم یہ سمجھ لو کہ اب اس کا بدلہ اداء ہو گیا، اور دعاء میں جزاک اللہ کہنا بھی کافی ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے: ''صنع الیہ معروف فقال لفاعلہ جزاک اللہ فقد ابلغ فی الثناء''

(رواہ النسائی والترمذی) (الدر المنضود: ٣/١٢٧) التعلیق: ٢/٣٦٣، مرقاۃ: ٢/٤٨٨۔

اللہ تعالیٰ کے وسیلہ سے صرف جنت کو طلب کیا جائے

{١٨٤٨} وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُسْأَلُ بِوَجْهِ اللّٰهِ اِلَّا الْجَنَّةُ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ١/٢٣٥، باب کراھیۃ المسئلۃ الخ، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ١٦١٧۔

حل لغات: لایسأل: سأل (ف) سوالا: سوال کرنا۔

ترجمه: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ کے وسیلے سے صرف جنت مانگو۔"

تشریح: لا یسئل: مضارع منفی مجہول اور صیغۂ نہی دونوں ہوسکتا ہے۔

اس حدیث شریف کے دو مطلب ہوسکتے ہیں:

(۱)......اللہ تعالیٰ کی ذات کے توسل سے کوئی معمولی چیز نہ مانگی جائے، یعنی خود اللہ تعالیٰ سے، اس لئے کہ عظیم ذات کو وسیلہ بنانا حقیر شی کی طلب کے لئے غیر مناسب ہے، بلکہ جنت جیسی عظیم الشان چیز مانگی جائے، مثلا اس طرح دعاء نہ مانگے، یا اللہ تعالیٰ اپنی کریم ذات کے وسیلہ وطفیل سے مجھ کو ایک وسیع مکان عطاء فرمادے، بلکہ یوں کہے کہ اے اللہ! اپنی کریم ذات کے طفیل سے مجھ کو جنت الفردوس عطا فرما۔

(۲)......اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ لوگوں سے اللہ تعالیٰ کی ذات کے وسیلے سے سوال نہ کیا جائے، یعنی دنیوی مال ومتاع کا سوال لوگوں سے اللہ تعالیٰ کے وسیلہ وحوالہ سے نہیں کرنا چاہئے، مثلاً کسی شخص سے یوں کہے مجھے اللہ تعالیٰ کیلئے فلاں چیز دیدو، اللہ تعالیٰ کے نام نامی کے وسیلہ سے شئ حقیر طلب نہیں کرنی چاہئے، یہ دوسرا مطلب علامہ طیبیؒ نے لکھا ہے اس پر صاحب منہل لکھتے ہیں یہ کراہت وممانعت اس وقت ہے جب کہ مسئول (جس شخص سے سوال کیا جارہا ہے) سوال سے تنگ دل اور اکتاتا ہو، اور اگر یہ بات نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کے نام سے متأثر ہوتا ہو اور اس کی لاج رکھتا ہو تو پھر کوئی مضائقہ نہیں۔ (الدر المنضود: ۷/۱۲۷/۳) مرقاۃ: ۴۸۸/۴/۲، التعلیق: ۳۶۳/۲۔

الفصل الثالث

اپنے اقرباء کو دینا

{۱۸۴۹} وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ کَانَ اَبُوْطَلْحَۃَ اَکْثَرَ الْاَنْصَارِ بِالْمَدِیْنَۃِ مَالًا مِنْ نَّخْلٍ وَکَانَ اَحَبُّ اَمْوَالِہٖ اِلَیْہِ بَیْرَحَاءَ وَکَانَتْ مُسْتَقْبِلَۃَ الْمَسْجِدِ وَکَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

يَدْخُلُهَا وَيَشْرَبُ مِنْ مَاءٍ فِيْهَا طَيِّبٍ قَالَ اَنَسٌ فَلَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ "لَنْ تَنَالُوْا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ" قَامَ اَبُوْطَلْحَةَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ لَنْ تَنَالُوْا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ وَاِنَّ اَحَبَّ مَالِيْ اِلَيَّ بَيْرَحَاءُ وَاِنَّهَا صَدَقَةٌ لِلّٰهِ تَعَالٰى اَرْجُوْا بِرَّهَا وَذُخْرَهَا عِنْدَ اللّٰهِ فَضَعْهَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! حَيْثُ اَرَاكَ اللّٰهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَخْ بَخْ ذٰلِكَ مَالٌ رَابِحٌ وَقَدْ سَمِعْتُ مَا قُلْتَ وَاِنِّيْ اَرٰى اَنْ تَجْعَلَهَا فِي الْاَقْرَبِيْنَ فَقَالَ اَبُوْطَلْحَةَ اَفْعَلُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) فَقَسَمَهَا اَبُوْطَلْحَةَ فِيْ اَقَارِبِهٖ بَنِيْ عَمِّهٖ۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/ ۱۹۷، باب الزکوة علی الاقارب، کتاب الزکوة، حدیث نمبر: ۱۴۴۰۔ مسلم شریف: ۱/ ۳۲۳، باب فضل النفقة والصدقة الخ، کتاب الزکوة، حدیث نمبر: ۹۹۸۔

حل لغات: نخل: کھجور کے درخت، واحد: نخلة، یشرب: شرب (س) شربا: پینا، بیرحاء: ایک باغ کا نام ہے۔ بخ بخ: یہ لفظ آدمی تعجب کے وقت بولتا ہے، مال رابح: نفع دینے والا مال، ربح (س) ربحا: نفع اٹھانا۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصار مدینہ میں کھجوروں کی پیداوار کے اعتبار سے زیادہ مالدار تھے، اوران کا پسندیدہ مال بیرحاء تھا، جومسجد کے قریب تھا، حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں جاتے اور وہاں کا پانی پیتے، جو اچھا تھا، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا جب یہ آیت نازل ہوئی: ''ہرگز نہ پہنچو گے نیکی کو یہاں تک کہ تم اپنا پسندیدہ مال خرچ نہ کردو، تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر عرض کیا اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہرگز نہ پہنچو گے نیکی کو یہاں تک کہ تم اپنا پسندیدہ مال خرچ نہ کردو، اور میرا پسندیدہ مال بیرحاء ہے، اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کے لئے صدقہ ہے، میں اس کی نیک اور ذخیرہ

آخرت کی امید کرتا ہوں، اس لئے جیسے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتلایا ہے، ویسے اس کو قبول فرمائیے، تو حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''شاباش شاباش یہ نفع دینے والا مال ہے، اور جو تم نے کہا میں نے سن لیا ہے، میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس کو تم رشتہ داروں میں تقسیم کردو، تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اے اللہ کے رسول! میں ایسا ہی کروں گا، چنانچہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے رشتہ داروں اور چچازاد بھائیوں میں تقسیم کردیا۔

تشریح: وکان احب اموالہ الیہ بیرحاء: بیرحاء ایک آدمی کا نام تھا، اسی کی طرف منسوب ہوکر اس باغ کا نام بیرحاء پڑ گیا تھا، صاحب مرقاۃ المفاتیح نے اسی کی تصحیح کی ہے۔

وکانت مستقبلۃ المسجد: یعنی وہ باغ مسجد نبوی کے قریب تھا۔

بخ بخ: یہ لفظ تعجب اور خوشی کے وقت بولا جاتا ہے، اور حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تاکید کے لئے دو مرتبہ بول دیا ہے۔ باقی مضمون حدیث واضح ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۴۸۸)

بھوکے کو کھلانا

{۱۸۵۰} **وَعَنْهُ** قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الصَّدَقَةِ اَنْ تُشْبِعَ كَبِداً جَائِعاً۔ ﴿رواہ البیہقی فی شعب الایمان﴾

حوالہ: بیہقی فی شعب الایمان: ۲/۲۱۷/۳، حدیث نمبر: ۳۳۶۷۔

حل لغات: تشبع: شبع (س) شبعا: پیٹ بھرنا، کبدا: جگر، جمع: اکباد، جائعا: بھوکا، جمع: جوائع۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بھوکے جگر کا پیٹ بھرنا بہترین صدقہ ہے۔''

تشریح: بھوکے کو کھانے کی اشد ضرورت ہے، اس لئے اس کو کھانا کھلانا بہترین صدقہ ہے۔

ان تشبع کبدا جائعا: اس میں تمام حیوانات مراد ہیں، خواہ مسلمان ہو یا کافر، حیوان ناطق ہو کہ غیر ناطق۔ (مرقاۃ: ۲/۳۶۴)

12 Bab Sadaqatil Marati Min Mali Zojiha

باب صدقة المرأة من مال زوجها

(عورت کا شوہر کے مال میں سے صدقہ کرنا)

رقم الحدیث: ١٨٥١/تا ١٨٥٧/

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

باب صدقة المرأة من مال زوجها

(عورت کا شوہر کے مال میں سے صدقہ کرنا)

﴿الفصل الاول﴾

عورت کا شوہر کے مال سے صدقہ

{۱۸۵۱} وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَنْفَقَتِ الْمَرْاَۃُ مِنْ طَعَامِ بَیْتِہَا غَیْرَ مُفْسِدَۃٍ کَانَ لَہَا اَجْرُہَا بِمَا اَنْفَقَتْ وَلِزَوْجِہَا اَجْرُہٗ بِمَا کَسَبَ وَلِلْخَازِنِ مِثْلُ ذٰلِکَ لَایَنْقُصُ بَعْضُہُمْ اَجْرَ بَعْضٍ شَیْئاً۔ ﴿متفق علیہ﴾

حوالہ: مسلم شریف: ۱/ ۳۲۹، باب اجر الخازن الامین، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۲۳۶۴۔ بخاری شریف: ۱/ ۱۹۲، باب من امر خادمہ بالصدقة، حدیث نمبر: ۱۱۴۰۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جب عورت خرابی کے بغیر اپنے گھر کے غلے میں سے خرچ کرے تو اس کے لئے خرچ کرنے کی وجہ سے اجر ہے، اور اس کے شوہر کے لئے کمانے کی وجہ سے اجر ہے، اور ایسے ہی خازن کے لئے ہے ان میں سے بعض بعض کا اجر کچھ بھی کم نہیں کرے گا۔“

تشریح: صاحب خانہ گھر کی ضروریات کے لئے کھانے پینے کا جو سامان اپنی گھر والی کے حوالہ

کرتا ہے، تو کیا اس کو اس میں سے صدقہ کرنے کا حق ہے یا نہیں؟

اس سلسلہ میں اکثر شراح حدیث نے شروع میں قاضی ابوبکر ابن العربی کا کلام نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: عورت گھر کی چیزوں میں سے کچھ صدقہ کرسکتی ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، بعض علماء تو یہ فرماتے ہیں کہ ایسی معمولی چیز جس کی عام طور سے لوگ پرواہ نہیں کرتے اور التفات نہیں کرتے ایسی شیٔ کو عورت صدقہ کرسکتی ہے۔ (اس میں کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں) اور بعض علماء یہ فرماتے ہیں اس کا مدار اجازتِ زوج پر ہے، چاہے جس قسم کی چیز کی اس کی طرف سے اجازت ہو صراحۃً یا دلالۃً۔ یعنی قرائن سے معلوم ہوا کہ شوہر کو اس میں کوئی اشکال نہ ہوگا، تو ایسی چیز کو صدقہ کرسکتی ہے، اس کے علاوہ نہیں، امام بخاریؒ کا میلان اسی طرف ہے، چنانچہ انہوں نے ترجمۃ الباب میں اجازت کی قید ذکر کی ہے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس کا مدار عادات الناس پر ہو، جس جگہ کے لوگوں کی جیسی عادات ہونگی اسی کا اعتبار ہوگا۔ اور عدم فساد کی قید جو کہ حدیث میں مصرح ہے، وہ تو بالاجماع معتبر ہے، یعنی عورت جو چیز صدقہ کرے، وہ سلیقہ و اعتدال کے ساتھ ہو، اس میں بے تکا پن ہرگز نہ ہو، مثلاً زیادہ مقدار میں دینے لگے، یا ایسے شخص کو دے جس کو دینا مناسب نہیں، یا شوہر کو پسند نہیں اور اس کا مقصد گھر کو بگاڑنا، شوہر کے مال کو برباد کرنا ہو وغیرہ وغیرہ۔ اور بعض علماء کی یہ رائے ہے کہ ان احادیث میں عورت اور خادموں کے خرچ کرنے سے مراد صاحب مال کے اہل وعیال پر خرچ کرنا ہے، دوسرے لوگوں فقراء ومساکین وغیرہ کو دینا مراد نہیں ہے، اور بعض علماء نے اس میں بیوی اور خادم کے حکم میں فرق کیا ہے کہ بیوی کو تو مالِ زوج میں حق تصرف صدقہ وغیرہ کا حدود کے اندر رہتے ہوئے حاصل ہے، اور خادموں کو بغیر اجازت کے دینا جائز نہیں۔

اس آخری قول کو امام بخاریؒ نے اختیار فرمایا ہے، اسلئے کہ انہوں نے اس بارے میں دو باب قائم فرمائے ہیں، خادم سے متعلق باب کو امر کے ساتھ مقید کیا ہے، اور زوجہ سے متعلق باب کو غیر مفسدۃ کے ساتھ مقید کیا ہے، اس میں انہوں نے امر زوج کی قید کو ذکر نہیں کیا۔

ایک اشکال وجواب

لیکن یہاں ایک اشکال ہے وہ یہ کہ یہاں آگے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک حدیث مرفوع آرہی ہے، اور یہی حدیث بخاریؒ کی ''کتاب البیوع'' میں بھی ہے، اس میں یہ ہے: ''اذا انفقت المرأة من کسب زوجھا عن غیر امرہ فلھا نصف اجرہ'' (بخاری شریف: ١/٢٧٧) اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ عورت شوہر کی اجازت کے بغیر گھر کی چیزوں میں سے صدقہ کر سکتی ہے، نیز یہ کہ اس صورت میں عورت کو نصف اجر ملے گا، جس کا مفہوم یہ ہوا کہ اگر اجازت سے دیگی تو اس کو پورا ثواب ملے گا، حالانکہ یہ بات دوسری احادیث کے خلاف ہے، جن میں یہ ہے ''لا ینقص بعضھم اجر بعض'' اس کا حل حافظ صاحب نے بہت اچھا لکھا ہے، وہ یہ کہ اس سے مراد عورت کا اس مال میں سے خرچ کرنا ہے، جو شوہر نے اس کے حصہ میں لگا دیا ہے، پھر وہ عورت خاص اس اپنے حصہ میں سے خرچ کرتی ہے، لہٰذا اس میں اجازتِ زوج کی حاجت نہیں ہے، حافظ صاحبؒ پھر آگے فرماتے ہیں اور یا یہ تاویل کی جائے کہ اس حدیث میں اذنِ صریح وتفصیلی کی نفی مراد ہے، اذنِ مطلق کی نفی مراد نہ لی جائے، اس لئے کہ شوہر کی رائے کے خلاف دینے میں عورت کے لئے بجائے اجر کے وزر ہے، اور نصف اجر کی توجیہ یہ کی جائے کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ عورت کا اجر اجر شوہر سے نصف ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ دونوں کا اجر برابر دو جگہ تقسیم کرنا ہوتا ہے، تو کہتے ہیں نصف، نصف لیلو۔

اور منہل میں لکھا ہے کہ علامہ کرمانی نے اس حدیث شریف کو اس کے ظاہر پر رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا: کہ ''لا ینقص بعضھم اجر بعض'' تو اس صورت میں ہے جب عورت باذن زوج صدقہ کرے، اور عدمِ اذن کی صورت میں ثواب آدھا آدھا ملتا ہے۔ (الدر المنضود: ٣/١٣٤) التعلیق: ٢/٣٦٤، طیبی: ٤/١٥٣، مرقاة: ٤/٣٨٩۔

شوہر کی اجازت کے بغیر خرچ کرنا

{١٨٥٢} وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَنْفَقَتِ الْمَرْأَۃُ مِنْ کَسْبِ زَوْجِہَا مِنْ غَیْرِ اَمْرِہٖ فَلَہَا نِصْفُ اَجْرِہٖ۔ ﴿متفق علیہ﴾

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۷۷، باب قول اللہ تعالیٰ 'انفقو من طیبات ما کسبتم'، کتاب البیوع، حدیث نمبر:۲۰۱۹۔ مسلم شریف: ۱/۳۳۰، باب اجر الخازن الامین الخ، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر:۲۳۷۰۔

حل لغات: المرأۃ: عورت، جمع: نساءٌ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کہ جب عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر اس کی کمائی میں سے خرچ کرتی ہے تو اس کو اس کا آدھا اجر ملتا ہے۔''

تشریح: من غیر امرہ: اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ عورت کو شوہر کی طرف سے تفصیلی اجازت تو نہ تھی کہ فلاں فلاں چیز کو خرچ کرنے کی اجازت ہے، لیکن بہر حال اجمالی اجازت سے بھی اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے عورت نے صدقہ کیا، تو اس کو پورا اجر نہیں بلکہ آدھا ثواب ملے گا۔ تفصیلی بحث اوپر گذر چکی۔

خازن کو بھی ثواب ملتا ہے

{۱۸۵۳} وَعَنْ اَبِیْ مُوْسیٰ الْاَشْعَرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْخَازِنُ الْمُسْلِمُ الْاَمِیْنُ الَّذِیْ یُعْطِیْ مَا اُمِرَ بِہٖ کَامِلًا مُوَفَّراً طَیِّبَۃً بِہٖ نَفْسُہٗ فَیَدْفَعُہٗ اِلَی الَّذِیْ اُمِرَ لَہٗ بِہٖ اَحَدُ الْمُتَصَدِّقِیْنَ۔ ﴿متفق علیہ﴾

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۳۱۱، باب وکالۃ الامین فی الخزانۃ ونحوھا، کتاب الوکالۃ، حدیث نمبر:۲۲۶۱۔ مسلم شریف: ۱/۳۲۹، باب اجر الخازن الامین الخ، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر:۲۳۶۳۔

حل لغات: الخازن: بمعنی خزانچی، الامین: بمعنی امانت دار۔

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مسلمان امانت دار خزانچی جو مالک کے حکم کے مطابق کامل پورا اور دل کی خوشی سے جہاں دینے کے لئے کہا ہے وہیں دیتا ہے، تو وہ صدقہ کرنے والوں میں سے ایک ہے۔''

تشریح: جو محافظ مال ونگراں جو کہ امانت دار ہو، (جس کا حال وہ ہو جو آگے حدیث میں آ رہا ہے) مالک نے جو کچھ اس کو صدقہ کرنے کو کہا ہو اس کو وہ خوش دلی کے ساتھ پورا پورا دیدے اس کا شمار بھی صدقہ کرنے والوں میں ہے۔

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اصل مالک تو صدقہ کرنا چاہتا ہے، اور وہ اس کا حکم بھی کر دیتا ہے، لیکن یہ نیچے والے ماتحت لوگ خزانچی وغیرہ پورا دینے کو تیار نہیں ہوتے، پاؤں ملتے ہیں ٹال مٹول کرتے ہیں، حالانکہ ان کا اپنا کچھ خرچ نہیں ہو رہا ہے، لیکن حب مال اور شدت بخل کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں، لیکن سبھی ایسے نہیں ہوتے، بعض ان میں سے سخی اور زندہ دل ہوتے ہیں، خوشی خوشی پورا پورا دیدیتے ہیں، ایسے ہی حضرات کی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تعریف فرما رہے ہیں۔

احد المتصدقین: کو تثنیہ اور جمع دونوں طرح پڑھا گیا ہے، اگر جمع ہے تو اس کا ترجمہ اوپر کر دیا گیا ہے، اور تثنیہ ہونے کی صورت میں مطلب یہ ہے کہ ایک متصدق تو اصل مالک ہے، اور دوسرا متصدق یہ شخص مامور ہے، دونوں ثواب صدقہ میں شریک ہیں، باقی یہ ضروری نہیں کہ دونوں کا ثواب برابر ہو، بلکہ ایک کا دوسرے سے کم زیادہ ہوسکتا ہے، بعض صورتوں میں مالک کا ثواب زائد ہوگا، اور بعض صورتوں میں پہنچانے والے کا۔ (الدر المنضود: ۱۳۳/۳) مرقاۃ: ۴۹۰/۲، التعلیق: ۳۶۴۔

مردوں کی طرف سے صدقہ

{۱۸۵۴} وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ إِنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أُمِّيْ افْتُلِتَتْ نَفْسُهَا

وَاَظُنُّهَا لَوْ تَكَلَّمَتْ تَصَدَّقَتْ فَهَلْ لَهَا اَجْرٌ اِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ۔ ﴿متفق علیہ﴾

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۱۸۶، باب موت الفجاءة، کتاب الجنائز، حدیث نمبر: ۱۳۷۲۔ مسلم شریف: ۱/۳۲۴، باب وصول ثواب الصدقة عن المیت، حدیث نمبر: ۲۳۲۶۔

حل لغات: افتلتت: افتلت (افتعال) اچانک مرنا۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میری ماں کا اچانک انتقال ہوگیا، اور مجھے یقین ہے کہ اگر وہ بولتیں تو صدقہ کرتیں تو کیا اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کروں تو اس کو ثواب ملے گا؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’ہاں‘‘۔

تشریح: ان رجلا قال: رجل سے مراد سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

و اظنها لو تکلمت تصدقت: یعنی اگر ان کی زندگی وفا کرتی اور ان کو بولنے کا موقعہ ملتا تو وہ ضرور صدقہ کرتیں۔

یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ اگر کسی مرنے والے کی طرف سے صدقہ کیا جائے تو اس کا ثواب اس کو پہنچتا ہے، اسی طرح مرنے والوں کے لئے زندوں کی طرف سے دعا و استغفار بھی کارآمد ہے، چنانچہ اہل سنت والجماعت کا مسلک یہی ہے، البتہ بدنی عبادتوں جیسے نماز اور تلاوت قرآن کے بارے میں اختلاف ہے، اور قول مختار یہ ہے کہ ان کا ثواب بھی پہنچتا ہے۔ (مظاہر حق جدید: ۶۸۳/ ۲) طیبی: ۱۵۵/ ۴، مرقاۃ: ۴۹۰/ ۲، التعلیق: ۳۶۵/ ۲۔

﴿الفصل الثانی﴾

عورت شوہر کی اجازت کے بغیر خرچ نہ کرے

{۱۸۵۵} وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ

رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ فِیْ خُطْبَتِہٖ عَامَ حَجَّۃِ الْوِدَاعِ لَاتُنْفِقُ امْرَأَۃٌ شَیْئاً مِنْ بَیْتِ زَوْجِھَا اِلَّا بِاِذْنِ زَوْجِھَا قِیْلَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلَا الطَّعَامَ قَالَ ذٰلِکَ اَفْضَلُ اَمْوَالِنَا۔ ﴿رواہ الترمذی﴾

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۱۴۵، باب ماجاء فی نفقة المرأة من بیت زوجها، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۶۷۰۔

حل لغات: خطبة: تقریر، جمع: خطب، الوداع: بمعنی روانگی۔

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اکرم ﷺ کو اپنی تقریر میں حجۃ الوداع کے سال ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر اس کے گھر سے کچھ خرچ نہ کرے، کہا گیا کھانا بھی خرچ نہ کرے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''وہ تو بہترین مال ہے۔''

تشریح: حجۃ الوداع: حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد ایک ہی حج فرمایا ہے، اس کے بعد آنحضرت ﷺ کا وصال ہوگیا، گویا اس حج میں آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو رخصت فرمایا، اس لئے اس کو ''حجۃ الوداع'' کہا جانے لگا۔

باذن زوجها: وہ اجازت خواہ صراحۃً ہو یا دلالۃً۔ باقی اس حدیث شریف کی مفصل تشریح مع اعتراض وجواب ماقبل میں گذر چکی۔

عورت کیا چیز صدقہ کرسکتی ہے؟

{۱۸۵۶} وَعَنْ سَعْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ لَمَّا بَایَعَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ النِّسَاءَ قَامَتِ امْرَأَۃٌ جَلِیْلَۃٌ کَاَنَّھَا مِنْ نِّسَاءِ مُضَرَ فَقَالَتْ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ! اِنَّا کَلٌّ عَلٰی اٰبَائِنَا وَاَبْنَائِنَا وَاَزْوَاجِنَا

فَمَا یَحِلُّ لَنَا مِنْ اَمْوَالِهِمْ قَالَ الرَّطْبُ تَأْكُلْنَهُ وَتُهْدِيْنَهُ۔ ﴿رواہ ابوداؤد﴾

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۱/۲۳۷، باب المرأة تصدق من بیت زوجها، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر:۱۶۸۶۔

حل لغات: قامت: قام (ن) قوما: کھڑا ہونا، مضر: ایک قبیلہ کا نام ہے۔

ترجمہ: حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت رسول اکرم ﷺ نے عورتوں کو بیعت فرمایا تو ایک بڑے مرتبہ والی عورت نے کہا جو قبیلہ مضر کی عورت تھی، اے اللہ کے نبی! ہم اپنے باپ اپنے بیٹوں اور اپنے شوہروں پر بوجھ ہیں، تو ان کے اموال میں سے ہمارے لئے کیا حلال ہے؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”تر اشیاء کھا سکتی ہو اور ہدیہ بھی دے سکتی ہو۔“

تشریح: اس حدیث شریف کے راوی حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، یعنی ”سعد بن ابی وقاص کمافی بذل“ حضرت شیخ کے حاشیہ بذل میں ہے کہ علامہ عینی کی رائے بھی یہی ہے، لیکن یہ صحیح نہیں وہم ہے، بلکہ یہ سعد انصاری ہیں ایک دوسرے شخص ”کما بسطه الحافظ فی التهذیب فی ترجمته۔“

مضمون حدیث یہ ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جس وقت حضور اقدس ﷺ نے عورتوں کو بیعت فرمایا۔ (یعنی اس مضمون پر جو اس آیت کریمہ میں ہے۔ ”علی ان لا یشرکن باللہ شیئا ولا یسرقن ولا یزنین۔ الآیۃ“ تو ایک بڑے قسم کی عورت (بظاہر قد وقامت اور جسم کے لحاظ سے) کھڑی ہوئی، راوی کہتا ہے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ قبیلۂ مضر کی عورتوں میں سے ہے، کھڑے ہونے کے بعد اس نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم یعنی عورتیں اپنے گھر والوں پر (جس سے باپ بیٹے اور شوہر مراد ہیں) بار بوجھ ہیں، یعنی ہمارا سارا خرچہ وہی اٹھاتے ہیں، ہم تو کماتی نہیں ہیں، نہ ہمارے پاس کچھ ہے، جو صدقہ کریں، تو کیا ہم ان کی چیزوں میں سے کچھ صدقہ کرسکتی ہیں، اس پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”الرطب تأکلنه وتهدینه“ تر چیزیں تم خود بھی کھا سکتی ہو، اور ہدیہ وصدقہ میں دے بھی سکتی ہو، یہ لفظ رطب راء کے فتحہ اور سکون طاء کے ساتھ ہے، یعنی ہر تر

چیز جس کو اٹھا کر اور ذخیرہ بنا کر نہیں رکھا جا سکتا، خراب ہو جانے کی وجہ سے جیسے سبزیاں اور پھل، روٹی، سالن وغیرہ، اور رطب راء کے ضمہ اور طاء کے فتحہ کے ساتھ خاص ہے، تر کھجور کے ساتھ۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو چیز جمع کی جا سکتی ہو غلہ، دراہم یا دنانیر اس کو بغیر اجازت کے صدقہ نہیں کر سکتی، کھانے پینے کی چیزیں عام طور سے صدقہ کر سکتی ہے، عموماً اسی طرح کی چیزوں کے دینے دلانے کی اجازت ہوتی ہے، اور اگر کسی جگہ اس میں اس سے زیادہ وسعت ہو تو اس کی بھی گنجائش ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم (الدر المنضود: ٣/١٣٦) التعلیق: ٢/٣٦٥۔

الفصل الثالث

آقا کی اجازت کے بغیر صدقہ

{١٨٥٧} وَعَنْ عُمَيْرٍ مَوْلٰى آبِي اللَّحْمِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ اَمَرَنِيْ مَوْلَايَ اَنْ اُقَدِّدَ لَحماً فَجَائَنِيْ مِسْكِيْنٌ فَاَطْعَمْتُهٗ مِنْهُ فَعَلِمَ بِذٰلِكَ مَوْلَايَ فَضَرَبَنِيْ فَاَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لَهٗ فَدَعَاهُ فَقَالَ لِمَ ضَرَبْتَهٗ قَالَ يُعْطِيْ طَعَامِيْ بِغَيْرِ اَنْ اٰمُرَهٗ فَقَالَ الْاَجْرُ بَيْنَكُمَا وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ كُنْتُ مَمْلُوكاً فَسَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَصَدَّقُ مِنْ مَّالِ مَوَالِيَّ بِشَيْءٍ قَالَ نَعَمْ وَالْاَجْرُ بَيْنَكُمَا نِصْفَانِ۔ ﴿رواہ مسلم﴾

حوالہ: مسلم شریف: ١/٣٣٠، باب اجر الخازن الامین الخ، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ٦٩/٢٣٦٨۔

حل لغات: اقدد: قد (ن) قدا، قدد: (تفعیل) بوٹی کرنا، ٹکڑے کرنا۔

ترجمہ: حضرت آبی اللحم کے آزاد کردہ غلام عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میرے مالک نے مجھے گوشت ٹکڑا کرنے کا حکم دیا، اتنے میں ایک مسکین آیا، تو میں نے اس کو اس میں سے

کھلایا،میرے مالک کو پتہ چلا تو مجھے مارا تو میں نے جا کر حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو بلا کر پوچھا تم نے اس کو کیوں مارا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ میرا کھانا میری اجازت کے بغیر دیتا ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ثواب دونوں کو ہے۔'' اور دوسری روایت میں ہے کہ میں غلام تھا، میں نے حضرت نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ میں اپنے مالک کے مال میں سے صدقہ کرسکتا ہوں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہاں اور اجر دونوں کو آدھا آدھا ہے۔''

تشریح: اس طرح چھوٹی موٹی غلطیوں پر سزا نہیں دینی چاہئے، اس لئے کہ گوشت دینا خود مالک کی ذمہ داری تھی، اس کے بجائے غلام نے دیدیا تو یہ کوئی ایسا جرم نہیں تھا کہ غلام کو مارا جائے، اسی کے علاج کے لئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ثواب میں دونوں برابر ہو گئے۔

آبی اللحم: ان کو اس لئے کہا جاتا تھا کہ وہ خود گوشت نہ کھاتے تھے۔

من غیر ان امرہ: یعنی میری اجازت کے بغیر۔

فقال الأجر بینکما: اس حدیث شریف کا مطلب یہ نہیں کہ علی الاطلاق ہر غلام کے لئے یہ حکم ہے کہ اپنے مالک کے مال سے خرچ کرتا رہے، بلکہ یہ آبی اللحم کے غلام کو ایسا حکم دیا گیا تھا۔ (مرقاۃ:٢/٤٩٠)

13 Babu Man la Yaoodu

باب من لا یعود فی الصدقة

(صدقہ وغیرہ واپس لینے کا بیان)

رقم الحدیث: ۱۸۵۸/تا ۱۸۵۹/

13 Babu Man la Yaoodu

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ○

باب من لا یعود فی الصدقۃ

(صدقہ وغیرہ واپس لینے کا بیان)

صدقہ کی ہوئی چیز کو خریدنا

{١٨٥٨} وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ حَمَلْتُ عَلٰى فَرَسٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاَضَاعَهُ الَّذِيْ كَانَ عِنْدَهُ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَشْتَرِيَهُ وَظَنَنْتُ اَنَّهُ يَبِيْعُهُ بِرُخْصٍ فَسَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَاتَشْتَرِهِ وَلَا تَعُدْ فِيْ صَدَقَتِكَ وَاِنْ اَعْطَاكَهُ بِدِرْهَمٍ فَاِنَّ الْعَائِدَ فِيْ صَدَقَتِهِ كَالْكَلْبِ يَعُوْدُ فِيْ قَيْئِهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَاتَعُدْ فِيْ صَدَقَتِكَ فَاِنَّ الْعَائِدَ فِيْ صَدَقَتِهِ كَالْعَائِدِ فِيْ قَيْئِهِ۔ (متفق علیہ)

حوالہ: مسلم شریف: ٣٦/٢، باب کراھۃ شراء الانسان ما تصدق بہ الخ، کتاب الھبات، حدیث نمبر: ٤١٦٣۔ بخاری شریف: ٢٠٢/١، باب ھل یشتری صدقۃ، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ١٤٦٨۔

حل لغات: فاضاعہ: اضاع (افعال) ضائع کرنا، برخص: سستا۔

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ایک شخص کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں گھوڑے پر سوار کیا تو اس نے اس گھوڑے کو ناکارہ کر دیا، میں نے ارادہ کیا کہ میں اس کو خرید لوں اور میں نے گمان کیا کہ وہ اس کو سستے میں فروخت کر دے گا، میں نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اس کو مت خریدو، اور اپنا صدقہ واپس نہ

لو، اگرچہ وہ اس کو ایک درہم ہی کے بدلے کیوں نہ دے، اس لئے کہ صدقہ واپس لینے والا اپنی قے کھانے والے کتے کی طرح ہے، اور دوسری روایت میں ہے اپنا صدقہ واپس مت لیجئے اس لئے کہ اپنا صدقہ واپس لینے والا اپنی قے کھانے والے کی طرح ہے۔''

تشریح: ابن الملک فرماتے ہیں کہ بعض علماء اور اہل ظاہر کے نزدیک اپنا صدقہ کردہ مال خریدنا حرام ہے۔ اگر خرید لیا تو وہ بیع ہی فسخ ہو جائے گی لیکن دوسرے علماء اور ائمہ اربعہ کے نزدیک حرام نہیں، بلکہ مکروہ تنزیہی ہے، وہ بھی بعینہٖ نہیں بلکہ کراہت لغیرہٖ ہے کہ متصدق علیہ مروت کی بناء پر ثمن میں تسامح کر کے کم لیگا، جس سے ظاہراً اس مقدار میں عود فی الصدقہ لازم آتا ہے، بنابریں بیع میں کوئی خرابی نہیں آئے گی، اہل ظاہر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کے ظاہر سے استدلال کرتے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا صدقہ خریدنے سے منع فرمایا۔ اور ''كلب عائد فی قیئه'' کے ساتھ تشبیہ دی، جمہور علماء دلیل پیش کرتے ہیں کہ عام اصول ہے تبدل ملک سے تبدل عین ہو جاتا ہے، جیسا کہ حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مشہور حدیث ہے کہ ان کو صدقہ دیا گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی مال کو کھایا، اعتراض کرنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ ''لک صدقة ولنا هدية''

تو تبدل ملک کی بنا پر وہ صدقہ نہیں رہا، بنابریں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تناول فرمایا، اسی طرح یہاں بھی جب متصدق علیہ کی ملک میں چلا گیا تو وہ صدقہ نہیں رہا۔ لہٰذا خریدنے سے عود فی الصدقہ لازم نہیں آتا، باقی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو منع کیا گیا وہ کراہت تنزیہی کی بناء پر کہ وہ قدیم احسان کی بنا پر ثمن میں تسامح کریگا، تو ظاہراً اس مقدار میں عود ہو رہا ہے، اس لئے نفرت دلانے کی وجہ سے ''كلب عائد فی قیئه'' کے ساتھ تشبیہ دی۔ ''فلا يصح الاستدال به على حرمته'' (درس مشکوۃ: ۱۹۲/۲) التعلیق: ۳۶۷/۲۔

دیا ہوا صدقہ میراث میں پانا

{۱۸۵۹} وَعَنْ بُرَيْدَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كُنْتُ

جَالِساً عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتَتْہُ امْرَأَۃٌ فَقَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! اِنِّیْ تَصَدَّقْتُ عَلٰی اُمِّیْ بِجَارِیَۃٍ وَاِنَّہَا مَاتَتْ قَالَ وَجَبَ اَجْرُکِ وَرَدَّھَا عَلَیْکِ الْمِیْرَاثُ قَالَتْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! اِنَّہٗ کَانَ عَلَیْہَا صَوْمُ شَہْرٍ اَفَأَصُوْمُ عَنْہَا قَالَ صُوْمِیْ عَنْہَا قَالَتْ اِنَّہَا لَمْ تَحُجَّ قَطُّ اَفَأَحُجُّ عَنْہَا قَالَ نَعَمْ حُجِّیْ عَنْہَا۔ ﴿رواہ مسلم﴾

حوالہ: مسلم شریف: ۱/ ۳۶۲، باب قضاء الصوم عن المیت، کتاب الصیام، حدیث نمبر: ۲۶۹۷۔

حل لغات: المیراث: میت کا چھوڑا ہوا مال، جمع: مواریث، صوم: روزہ، جمع: صیام۔

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضرت رسول اکرم ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، اتنے میں ایک عورت نے آ کر کہا اے اللہ کے رسول! میں نے اپنی ماں کو ایک باندی صدقے میں دی تھی، اور ان کا انتقال ہوگیا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”تمہارا ثواب تم کو مل گیا، اور میراث نے اس کو تمہاری طرف لوٹا دیا، انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ان پر ایک مہینے کے روزے تھے تو میں ان کی طرف سے روزے رکھ لوں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان کی طرف سے روزے رکھ لو، انہوں نے کہا کہ میری ماں نے کوئی حج نہیں کیا تو کیا میں ان کی طرف سے حج کرلوں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”ہاں! ان کی طرف سے حج کرلو۔“

تشریح: حدیث الباب کا مضمون واضح ہے، محتاج بیان نہیں ہے، جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ صدقہ کی چیز اگر متصدق کے پاس میراث میں لوٹ کر آئے تو اس کے لینے میں کوئی مضائقہ نہیں، اور یہ عود فی الصدقہ نہیں ہے، اس لئے کہ میراث امر غیر اختیاری ہے، اکثر علماء کا مسلک یہی ہے، اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس قسم کی چیز کو لینے کے بعد پھر دوبارہ کسی کو صدقہ ہی کر دینا چاہئے، اس لئے کہ اولاً اس کو صدقہ کرنے کی وجہ سے حق اللہ اس سے وابستہ ہوگیا ہے۔ (عون المعبود) لیکن ان کی یہ بات بظاہر اس حدیث شریف کے خلاف ہے۔ (الدر المنضود: ۳/ ۱۱۹) التعلیق: ۲/ ۳۶۷۔

نیابت فی العبادات کا حکم

عبادات کی تین قسمیں ہیں:

(۱)......عبادات مالیہ۔

(۲)......عبادات بدنیہ۔

(۳)......عبادات مرکبہ۔

عبادات مالیہ اور عبادات مرکبہ میں بالاتفاق نیابت جائز ہے، عبادات بدنیہ محضہ میں اختلاف ہوا ہے، حنفیہ اور جمہور کے نزدیک ان میں نیابت جائز نہیں، خواہ اصل عاجز ہو یا قادر، لہٰذا کوئی دوسرے کی طرف سے نماز نہیں پڑھ سکتا، اور نہ ہی روزہ رکھ سکتا ہے، امام احمدؒ کے نزدیک عبادات بدنیہ میں بھی نیابت جائز ہے۔

جمہور کی دلیل: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے جو مشکوۃ:۱۷۸/ پر آرہی ہے، بحوالہ مالک "لا یصوم احد عن احد و لا یصلی احد عن احد" یہ اثر اگرچہ موقوف ہے، لیکن حکماً مرفوع ہے، اسلئے کہ مسئلہ غیر مدرک بالقیاس ہے۔

دلیل امام احمد: امام احمد زیر بحث حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ اس میں آنحضرت ﷺ نے اس عورت کو فرمایا: "صومی عنہا" ایک جواب یہ ہے کہ یہاں صوم سے مراد فدیہ صوم ہے، یا یہ حدیث ایصال ثواب پر محمول ہے، یعنی روزے رکھ کر اس کا ثواب اپنی والدہ کو بخش دے، اور عباداتِ بدنیہ کا ایصال ثواب ہمارے نزدیک ہو سکتا ہے۔

یاد رہے کہ عباداتِ مرکبہ میں نیابت کیلئے شرط ہے کہ اصل عاجز ہو، قادر ہونے کی صورت میں نیابت جائز نہیں، اور عبادات مالیہ میں مطلقاً نیابت جائز ہے، خواہ اصل قادر ہو یا عاجز لیکن اس میں اصل کا اذن ضروری ہے، خواہ صراحۃً ہو یا دلالۃً۔ (اشرف التوضیح:۲/۲۵۳) التعلیق:۲/۳۶۷، مرقاۃ:۲/۴۹۱۔